بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکر الصالحین باحوال علماء العاملین

المعروف بہ

ذکرِ صالحین

جلد دوم

مرتب ومؤلف

مولانا مرغوب احمد لاجپوری، ڈیوزبری

ناشر

جامعۃ القراءت کفلیتہ

لاجپور ضلع سورت، گجرات (انڈیا)

ذكر الصالحين باحوال علماء العاملين

المعروف بہ

ذکر صالحین ج:۲

۷؍رسائل:۳۰؍مقالات اور دو مضامین میں:۱۲؍بزرگوں کے حالات کا دلچسپ، بصیرت افروز مجموعہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

فہرست رسائل

مقالہ	حضرت مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی....	۲۲
۱	تذکرہ فخر لاجپور........................	۳۳
۲	ذکر علامہ کفلیتوی........................	۱۱۱
۳	تذکرہ محدث راندیری........................	۱۸۳
مقالہ	حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب لاجپوری...	۲۳۹
۴	تذکرہ عبدالعلی........................	۲۴۹
مقالہ	حضرت مولانا محمد بن یوسف صاحب لاجپوری	۲۹۰
۵	تذکرہ فضلی مشہدی........................	۲۹۹
۶	ذکرِ امروہی........................	۳۳۷
مضمون	حضرت مولانا سید عبدالحئ قاضی لاجپوری......	۲۶۴
مضمون	حضرت مولانا سید عمر لاجپوری رحمہ اللہ........	۲۶۴
۷	حیات احمد........................	۳۶۵

حضرت مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ

ولادت......تعلیم	۲۳
فوجی ملازمت	۲۴
مولانا اور جنگ آزادی	۲۴
مولانا کی روپوشی اور لاجپور آمد	۲۶
مولانا کی گرفتاری	۲۷
حضرت عوف رضی اللہ عنہ کا قید سے رہا ہونا	۲۹
وفات	۳۲

فہرست رسالہ ”تذکرہ فخر لاجپور“

ولادت......تعلیم......اساتذہ....................................	۳۵
لاجپور میں مدرسہ کا قیام....................................	۳۶
تدریس....................................	۳۷
تلامذہ....................................	۳۸
تصانیف....................................	۳۸
وفات....................................	۴۲
ضروری التماس....................................	۴۴
ضروری معروض....................................	۴۶
انتخاب از: قصیدہ مدحیہ، از: نتیجہ طبع جناب مولانا احمد میاں صاحب...........	۴۸
التماس ضروری....................................	۵۱
قومی ترقی وتنزلی کا اصلی راز اور مصنف کا منظوم گرامی نامہ..................	۵۶
مکتوب گرامی: بنام حضرت استاذ الاساتذہ مولانا احمد میاں صاحب لاجپوری	۶۱
علمی نظم، از: نتیجۂ طبع مولوی احمد میاں صاحب....................	۶۷
تاریخ وفات حضرت مولانا احمد میاں، از: مولانا قاضی سید عبدالحئی صاحب...	۶۹
مرثیہ بر وفات حضرت مولانا احمد میاں صاحب لاجپوری رحمہ اللہ............	۷۱
قاطع البدعت محبّ سنت پیغمبراں....................................	۷۲
آہ وہ ہادی دین دنیا سے راحل ہو گئے....................................	۷۳
مثنوی کے انداز پر ایک فارسی نظم، از: مولانا محمد بن یوسف دیوان صاحب....	۷۵

قطعہ تاریخ وفات۔از: مولانا سید تجمل حسین صاحب بھروچی رحمہ اللہ........	۷۶
فتاوے اور مختلف مضامین........................	۷۷
وصیت' وارث اور غیر وارث میں جامع ہوتو؟..................	۷۸
بیہودہ الفاظ پر کفر کا حکم لگایا جائے یا نہیں؟.................	۸۰
گرامی نامہ بنام حضرت مولانا سید عبدالحیؑ صاحب...............	۸۲
عورت کی قبر پر پردہ کا حکم استحبابی ہے یا وجوبی؟...............	۸۲
میرزا حیرت صاحب کے نام ایک مفید مشورہ پر مشتمل گرامی نامہ..........	۸۴
بسبب عدم اضافت طلاق لغوی ہوگی؟.....................	۸۶
ترقیٔ مسلم کا راز اور اس کی تدبیریں....................	۸۹
خطبۂ استقبالیہ..................................	۹۷
مناظرہ کی تعریف................................	۱۰۱
حمد وشکر کی تعریف..............................	۱۰۲
متن کی تعریف..................................	۱۰۴
حدیث کی تعریف......اصول حدیث کی تعریف...............	۱۰۵
غایت اصول حدیث...............................	۱۰۵
موضوع علم حدیث...............................	۱۰۶
حقیقت و اصل بحث..............................	۱۰۶
النظر علی قسمین................................	۱۰۹
فصل: اللہ تعالی نے مومنوں کو کس چیز پر ایمان لانے کی خبر دی ہے.........	۱۱۰

فہرست رسالہ ''ذکر علامہ کفلیتوی''

اظہار واقعہ......دعوت نامہ..	۱۱۳
نام......وطن......ولادت......والد ماجد..............................	۱۱۵
تعلیم......حضرت مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی (حاشیہ)..............	۱۱۶
مولانا ہاشم صاحب......مولانا محمد فاضل صاحب..........................	۱۱۷
تدریس..	۱۲۲
سفر برما..	۱۲۴
سفر حج..	۱۲۵
رنگون جامع مسجد کی خطابت..	۱۲۶
تصانیف..	۱۲۷
وفات..	۱۲۹
عربی ادب میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کی مہارت کے چند نمونے...............	۱۳۰
كلمة الشيخ على '' مجموعة الخطب''.....................................	۱۳۰
الخطبة الجمعة لغير المنقوطة...	۱۳۲
الخطبة المنظومة..	۱۳۳
القصيدة..	۱۳۵
عقد الفرائد بنظم الفرائد......نظم الدرر فی شرحه المسمى القول الاغر.	۱۳۶
''اطيب المرام فی فرائض الاسلام''.....................................	۱۳۷
الكلام المنظوم، عند زيارة الروضة الاقدس صلى الله عليه وسلم..........	۱۳۸
خطبة المؤلف رحمه الله على كتاب '' البصائر فی تذكير العشائر''.....	۱۳۹

حضرۃ العلام مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ کی تصانیف کا مختصر تعارف........	۱۴۱
''سوانح علوم اسلامیہ'' کا تعارف........................	۱۴۱
کتاب ''اطیبُ المَرام فی فرائضِ الاسلام'' پر ایک طائرانہ نظر...........	۱۴۴
''السبیل الاقوم'' کا ترجمہ........................	۱۴۵
تعارف رسالہ ''الشھاب الثاقب علی من قال باتحاد المذاھب''..........	۱۴۵
''الشھاب الثاقب'' رسالہ کے نام کی تحقیق........................	۱۴۸
تعارف رسالہ: ''ھدیة السفر لارباب الحضر''........................	۱۴۸
تعارف کتاب ''نضرة النعیم فی علم غیب النبی الکریم''........................	۱۵۳
تعارف کتاب ''نَظْمُ الدُّرَرْ شرحِ اَلْقَوْلُ الْاَغَرْ''........................	۱۵۷
''نَظْمُ الدُّرَرْ شرحِ اَلْقَوْلُ الْاَغَرْ'' کا معنی........................	۱۵۸
تعارف رسالہ ''سلعة القربة فی شرح النخبة''........................	۱۵۹
تعارف رسالہ ''نُزْهَةُ الانظار''........................	۱۶۰
تعارف رسالہ: ''نسیم الصبا فی حرمة الربا''........................	۱۶۱
تعارف کتاب ''اجابة السّائل عن القنوت فی النّوازل''........................	۱۶۳
تعارف کتاب ''مسلمانانِ برہما اور تعلیم''........................	۱۶۶
''اداة التّنبّه فی بیان معنی التّشبّه'' کے معنی........................	۱۷۰
تعارف رسالہ: '' اَلقولُ المُجلیّٰ فی سُنّیَة صلوة العیدینِ فی المُصلّٰی''..	۱۷۱
تعارف رسالہ ''الخلافہ''........................	۱۷۴
وتعارف رسالہ ''کلمة الفصل''........................	۱۷۶
مختصر تعارف رسالہ: ''عِقْدُ الْفَرَائِدِ فِيْ نَظْمِ الْعَقَائِد''........................	۱۷۸
تعارف رسالہ ''المدافع الالھیة فی الرد علی البابیة''........................	۱۷۹

فہرست رسالہ ”تذکرہ محدث راندیری“

ولادت..........	۱۸۵
قاضی سید احمد اللہ صاحب..........	۱۸۵
قاضی سید رحمت اللہ صاحب..........	۱۸۶
تعلیم..........	۱۸۷
تدریسی خدمات..........	۱۸۷
عادات وخصائل..........	۱۸۸
حلیہ ولباس..........	۱۸۸
تصنیفات..........	۱۸۸
اولاد..........	۱۸۹
وفات..........	۱۸۹
حضرت قاضی رحمت اللہ رحمہ اللہ کی مختلف کتابوں پر لکھیں گئیں تقریظات......	۱۹۰
”حقیقت السورت“ پر تقریظ..........	۱۹۰
”حقیقت السورت“ پر دوسری تقریظ..........	۱۹۳
عربی منظوم تقریظ..........	۱۹۷
فارسی منظوم تقریظ..........	۱۹۸
اردو منظوم تقریظ..........	۱۹۹
التقریظ علی ”مسلم الثبوت فی نسخ القنوت“..........	۲۰۰
التقریظ علی ”بستان العارفین“..........	۲۰۱

''نعرۂ اسد الغالب'' پر تقریظ................................	۲۰۲
الکلام علی وفات شیخه و مرشده................................	۲۰۵
حضرت کے چند فتاویٰ................................	۲۰۵
ٹیلیگراف سے رویت ہلال کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟................................	۲۰۶
متولی مسجد کے بارے میں................................	۲۲۶
ناشزہ عورت کا نفقہ................................	۲۲۹
ناشزہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟................................	۲۳۰
لفظ ''اولاد'' میں نواسے شامل ہیں یا نہیں؟................................	۲۳۲
قنوت نازلہ کے متعلق ایک اہم فتوی................................	۲۳۳
دعائے قنوت کا ترجمہ................................	۲۳۵
ائمۂ مساجد سے التماس................................	۲۳۶
تصدیقات................................	۲۳۷
اصاب من اجاب................................	۲۳۸

حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

گجرات کے دوزریں عہد....................................	۲۴۰
ولادت....................................	۲۴۱
تعلیم....................................	۲۴۱
بیعت....................................	۲۴۲
اسارت....................................	۲۴۲
غلام احمد قادیانی سے آپ کی ملاقات اور مناظرہ....................................	۲۴۴
سفر رنگون....................................	۲۴۷
وفات....................................	۲۴۸

فہرست مضامین رسالہ ''تذکرہ عبدالعلی''

عرض مرتب....................................	۲۵۰
حضرت مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ....................................	۲۵۴
ولادت...... تعلیم و تدریس....................................	۲۵۴
اساتذہ....................................	۲۵۵
حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ (حاشیہ)....................................	۲۵۵
حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ (حاشیہ)....................................	۲۵۵
حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ (حاشیہ)....................................	۲۵۶
حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ (حاشیہ)....................................	۲۵۶
طالب علمی کا ایک واقعہ....................................	۲۵۷
حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے محبت....................................	۲۵۸
زمانۂ تدریس....................................	۲۵۹
تلامذہ....................................	۲۶۴
حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ....................................	۲۶۴
حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ....................................	۲۶۴
حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ....................................	۲۶۵
شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ....................................	۲۶۵
حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ....................................	۲۶۶
حضرت مولانا ابوالحسن زید دہلوی رحمہ اللہ....................................	۲۶۶

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ	۲۶۷
طلبہ پر شفقت	۲۶۸
شاگرد کے ساتھ محبت کے دو عجیب واقعے	۲۶۸
ایک شاگرد کے نام حضرت کا گرامی نامہ......تلامذہ کی تادیب	۲۷۰
عشق نبوی ﷺ	۲۷۲
حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کی کیفیت درس	۲۷۳
فیاضی ومہمان نوازی	۲۷۳
''رحمت للعالمین'' پر حضرت کی تقریظ	۲۷۵
اوصاف وکمالات	۲۷۶
اصحاب کمال کا اعتراف	۲۷۶
فوائد وملفوظات	۲۷۸
اخلاقی انحطاط اور مذہبی تفریق کا ایک عبرت ناک قصہ	۲۸۱
''فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی'' کی عجیب حکمت	۲۸۲
خواب میں حضور ﷺ کا اصلی حلیہ دیکھنا ضروری ہے یا نہیں؟	۲۸۳
مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ کے دو خواب	۲۸۴
تصنیف وتالیف	۲۸۵
ازواج واولاد	۲۸۶
حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ کا خواب	۲۸۷
علالت اور سانحۂ وفات	۲۸۸

حضرت مولانا محمد بن یوسف صاحب دیوان لاجپوری رحمہ اللہ

ولادت......تعلیم......اساتذہ......	۲۹۱
درس وتدریس اور تلامذہ......	۲۹۲
سلسلۂ بیعت وارشاد......	۲۹۲
اوصاف وکمالات......	۲۹۴
تصنیف وتالیف......	۲۹۵
سفر حج......	۲۹۵
شعروشاعری......	۲۹۶
وفات......	۲۹۶
پس ماندگان......	۲۹۷
تعزیت نامہ از...حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ......	۲۹۷

فہرست رسالہ ’’تذکرہ فضلی مشہدی‘‘

پیش لفظ..	۳۰۰
چند اوصاف......والد ماجد..................................	۳۰۱
حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہزاروی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ..........	۳۰۱
بیعت و اصلاحی تعلق..	۳۰۲
کیا رسالہ تجمل حسین نے تصنیف..............................	۳۰۳
ز تصنیف فضلی کامل ذکی......................................	۳۰۴
واہ کیا کہنا ہے فضلی خوب لکھا آپ نے........................	۳۰۴
فضلی بے بہا ہے عجیب وغریب................................	۳۰۴
حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی ثم الہ آبادی رحمہ اللہ............	۳۰۵
نظم نو تالیف...	۳۰۶
تصنیفات کا مختصر تعارف.....................................	۳۰۶
اولاد..	۳۰۸
زوجہ محترمہ کی وفات کا حادثہ......وفات..........................	۳۰۹
حضرت مولانا رحمہ کے اشعار و نظمیں...........................	۳۱۰
وہ حضرت کا روضہ دکھادے خدایا..............................	۳۱۰
نہیں پڑھتے ہیں ایک دینی رسالہ...............................	۳۱۱
شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے اشعار اور ان کا منظوم ترجمہ.................	۳۱۲
کہ بے علم نتواں راخدارا شناخت..............................	۳۱۲
سوا علم پہچانے کیوں کر خدا..................................	۳۱۲

سرانجام جاہل جہنم بود........................	۳۱۳
جہنم ہے جاہل کا انجام کار........................	۳۱۳
سکھاؤبال بچوں کوضروری علم دین پہلے........................	۳۱۴
حضرت مولانا احمد میاں صاحب صوفی لاجپوری رحمہ اللہ کی وفات پر........	۳۱۵
بروصالے پرملالش چوں نگرید آسماں........................	۳۱۵
بروفات حسرت آیات مولانا احمد حسن بھام سملکی رحمہ اللہ........	۳۱۶
فن قرأت وتجوید کی اہمیت پر........................	۳۲۰
کسی وقت اس ضروری فن کی جانب ہم بھی مائل تھے........................	۳۲۰
''مدرسہ انجمن اسلام ڈربن'' کے افتتاح کے موقع پر........	۳۲۱
قطعہ........................	۳۲۱
بحمد اللہ زسعی انجمن اسلام درڈربن........................	۳۲۱
رَبِّ اَکْرِمْ رُوْحَهَا وَارْحَمْ بِهَا وَاغْفِرْلَهَا........................	۳۲۲
ہیچ علاج نبود درد جدائی راآہ........................	۳۲۷
سایۂ آں مخزن علم وکمال........................	۳۳۰
فرحت مبدل است زغمہائے بیکراں........................	۳۳۱
تاریخ انتقال مولانا عبدالحکیم صاحب........................	۳۳۱
کرکے رحلت گئے سوئے جنت........................	۳۳۲
شکستہ کرد دل شیخ وشاب رایکسر........................	۳۳۲
کہ کنندش بعبد حق موسوم........................	۳۳۳
زفرق تابقدم غرق بحرعصیانم........................	۳۳۴

فہرست رسالہ ''ذکرِ امروہی''

ولادت..	۳۳۸
والد ماجد کے مختصر حالات..............................	۳۳۸
تعلیم..	۳۳۸
علم لدنی کے معنی......................................	۳۴۰
حضرت نانوتویؒ...	۳۴۰
دیوبند سے مراد آباد....................................	۳۴۳
حضرت نانوتویؒ کو خواب میں دیکھنا........................	۳۴۳
والد صاحب سے لوگوں کا شکایت کرنا........................	۳۴۴
زمانہ طالب علمی میں ایک حدیث پر سائل کا شبہ اور اس کا عمدہ جواب.........	۳۴۵
حضرت گنگوہی کی خدمت میں................................	۳۴۷
نابالغ کے پیچھے تراویح کا عدم جواز اور حدیث سے اس کا مستدل..........	۳۴۷
حضرت گنگوہیؒ کا ''مهر البغی حرام'' سے عجیب استدلال.............	۳۴۷
شیخ محسن یمانی سے اجازت حدیث...........................	۳۴۹
رفقائے درس...	۳۴۹
اساتذہ..	۳۴۹
تدریس..	۳۵۰
امروہہ کے مدرسہ کی بنیاد حضرت نانوتویؒ نے ڈالی ہے..............	۳۵۰
حضرتؒ کی سند حدیث عالی تھی.............................	۳۵۱

حضرت کی اجازت حدیث کی ایک نقل........................	۳۵۱
علمی آثار........................	۳۵۲
بیعت وخلافت........................	۳۵۳
حضرت حاجی صاحب سے خلافت کا واقعہ........................	۳۵۴
خواب میں آپ ﷺ، صحابہ کرام اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زیارت..	۳۵۵
اوصاف وکمالات........................	۳۵۵
وفات........................	۳۵۷
اولاد........................	۳۵۷
ملفوظات........................	۳۵۸
ایک پیر صاحب کا واقعہ اور توحید کے دلائل........................	۳۵۸
عربی زبان ام السنہ ہے........................	۳۶۰
حضرت نانوتوی کے ہمراہ سفر........................	۳۶۱
حضرت نانوتوی کے دلچسپ اشعار........................	۳۶۱
آپ کو اکبر الہ آبادی کے یہ اشعار بہت پسند تھے........................	۳۶۲
افسوس........................	۳۶۳

مولانا سید عبدالحئ صاحب قاضی لاجپوری رحمہ اللہ

مولانا سید عبدالحئ صاحب قاضی لاجپوری رحمہ اللہ........................	۳۶۴

مولانا سید عمر لاجپوری رحمہ اللہ

مولانا سید عمر لاجپوری رحمہ اللہ........................	۳۶۴

فہرست رسالہ ”حیات احمد“

عرض مرتب......	۳۶۶
”نقوش بزرگاں“ کے سامنے اپنی محنت ہیچ ہے......	۳۶۹
تقریظ از: حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ......	۳۷۰
مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ کا ایک خواب......	۳۷۱
ولادت......	۳۷۲
ڈابھیل......سملک......	۳۷۲
مولانا کے والد صاحب......	۳۷۲
طفولیت......	۳۷۴
آغاز تعلیم......	۳۷۴
رفقاء درس......	۳۷۵
خانقاہ رشیدی میں حاضری......	۳۷۶
بیعت وخلافت......	۳۷۹
مولانا کا ایک خواب اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تعبیر......	۳۸۵
امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ......	۳۹۱
مولانا کی اولاد وازواج کا ذکر......	۳۹۳
حضرت مولانا محمد سعید سملکی رحمہ اللہ......	۳۹۴
خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں......	۳۹۶
فیاضی پر مشتمل دو واقعے......	۳۹۷

حضرت مولانا احمد بزرگ اور خدمت جامعہ....................	۳۹۹
مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک	۳۹۹
مولانا کا ایک عظیم کارنامہ....................	۴۰۱
اکابر دارالعلوم میں اختلاف....................	۴۰۳
مولانا کا ایک خواب....................	۴۰۶
اکابر دارالعلوم کی ڈابھیل آمد....................	۴۰۸
مولانا کا ایک مضمون....................	۴۱۱
مولانا کے حسن انتظام پر چند اکابر کی آراء....................	۴۱۴
مولانا احمد بزرگ صاحب کے دور اہتمام کا سن وار مختصر جائزہ....................	۴۱۷
مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ کا اہتمام سے استعفیٰ	۴۲۲
مولانا کے اسفار....................	۴۲۲
پہلا سفر افریقہ....................	۴۲۳
پہلا سفر رنگون....................	۴۲۳
دوسرا سفر رنگون....................	۴۲۴
تیسرا سفر رنگون....................	۴۲۵
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا سپاس نامہ....................	۴۲۶
دوسرا سفر افریقہ....................	۴۲۷
اوصاف وکمالات....................	۴۳۱
تواضع اور انکساری....................	۴۳۱

امانت داری........................	۴۳۲
سادگی وبے تکلفی........................	۴۳۲
مولانا اور علم میراث........................	۴۳۴
علم فرائض کے سب سے بڑے عالم........................	۴۳۵
مولانا کی فقہی حذاقت........................	۴۳۶
فتاوی مولانا احمد بزرگ صاحب رحمہ اللہ........................	۴۳۷
نماز فرض کے بعد متصلا دعا مانگنا سنت ہے یا نہیں؟ اور سنن ونوافل کے بعد دعا کا حکم	۴۳۷
کیا کسی پیر سے مرید ہونا ضروری ہے؟........................	۴۴۰
کیا مردوطی بالشبہ سے زانی ہوگا........................	۴۴۱
امین، امانت رکھنے کے بعد غائب ہوگیا تو امانت کا کیا حکم ہے؟........................	۴۴۲
سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان بسم اللہ کا حکم........................	۴۴۲
اول وقت میں شافعی کی اقتداء حنفی کے لئے........................	۴۴۳
چھوٹی مسجد میں نماز جمعہ کا حکم........................	۴۴۴
مسجد میں نماز جنازہ کا حکم........................	۴۴۴
نماز جنازہ کے بغیر کسی مسلمان کو دفن کردیا تو اب کیا کرے؟........................	۴۴۵
روافض ومشرکین کے جنازہ میں شامل ہونے کا حکم........................	۴۴۶
اپنے شہر کی بندرگاہ میں کام کرنے والے پر نماز میں قصر ہے یا نہیں؟........................	۴۴۷
صورت مسئولہ میں طلاق دیں تو اگلی محسوب ہوگی یا نہیں؟........................	۴۴۸
رجوع کے بعد دو طلاق دیں تو اگلی محسوب ہوگی یا نہیں؟........................	۴۴۸

مولانا اور علم تعبیر..	۴۴۹
قیام لیل..	۴۵۱
سن رسیدگی میں حفظ قرآن..	۴۵۲
حج بیت اللہ..	۴۵۴
وفات..	۴۵۵
قصیدۂ وداعیہ مولانا بزرگ کے سفر افریقہ پر روانگی کے وقت، از: شیخ بنوری	۴۵۶
قصیدۂ وداعیہ از: مولانا قاری محمد یامین صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ........	۴۵۹
قصیدۂ وداعیہ از: مولانا حبیب اللہ صاحب رحمہ اللہ........................	۴۶۲
سفر افریقہ سے واپسی پر، از: مولانا یوسف کاملپوری رحمہ اللہ...............	۴۶۳
تھنیة القدوم، از: مولانا محمد یامین صاحب رحمہ اللہ......................	۴۶۹
خیر مقدم، از: مولانا حبیب اللہ صاحب رحمہ اللہ...........................	۴۷۴
مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ کے نام کا راقم کا عریضہ...............	۴۷۶

حضرت مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی

ولادت:......غالبا:۱۸۲۰ء۔

وفات:......۱۸۹۱ء۔اور بقول بعض:۱۸۷۳ء مطابق ۱۲۹۵ھ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

حضرت مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ

فنا کے بعد بھی زندہ ہے شان رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں ہوں اے میر کارواں تجھ پر

حضرت مولانا لیاقت علی صاحب رحمہ اللہ سادات خاندان کے نہایت متقی و جامع کمالات بزرگ تھے۔

ولادت

آپ کی ولادت موضع مہگاؤں (دوآبہ میں شہر الہ آباد سے جانب پچھم سڑک کلاں پر چودہ میل دور واقع ایک بستی ہے) ضلع الہ آباد میں ہوئی۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔

آپ کے معاصرین آپ کی عمر کا اندازہ سن:۵۱ء میں چالیس اور بعض سن:۶۹ء میں پچاس سال بیان کرتے ہیں۔ اس حساب سے ظن غالب یہ ہے کہ آپ کی ولادت سن:۱۱ء سے سن:۲۰ء تک کے درمیان ہوئی۔

آپ کے والد مہر علی صاحب زراعت پیشہ آدمی تھے۔ مولانا کے چچا صوبہ دار دائم علی لاولد تھے۔ مولانا نے مدت دراز ان کے زیر سایہ رہ کر فوجی تعلیم حاصل کی۔

تعلیم

بروایت اہل خاندان آپ نے بھوپال میں تعلیم حاصل کی۔ بعض مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ آپ کی تعلیم کا مرکز ٹونک ہے، جہاں مولانا سید احمد شہید (م:۱۲۴۶ھ) اور مولانا اسماعیل شہید جیسے حضرات کا قافلہ اقامت گزیں تھا۔ مولانا سید محمد میاں صاحب (م: ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء) کی تحقیق سے بھی ٹونک کی تائید ہوتی ہے، موصوف رقمطراز ہیں:

''مولانا لیاقت علی صاحب جن کو الہ آباد کا امیر اور گورنر بنایا گیا تھا، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ سے بالواسطہ تلمذ رکھتے تھے''۔(علماء ہند کا شاندار ماضی ص۲۱۲ ج۴)

فوجی ملازمت

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ نے تقریبا تین سال فوج میں ملازمت اختیار کی اور انبالہ یا فیروز پور میں مقیم رہے۔فوجی مشق کے ساتھ بقیہ وقت عبادت وریاضت، دعوت وتبلیغ، درس وتدریس اور مطالعۂ کتب میں صرف فرماتے۔ان تین سالہ فوجی ملازمت کے زمانہ میں بھی اشاعت اسلام کی فکر مولانا کو برابر دامنگیر رہی اور آپ نے سکھوں میں دعوت کی محنت شروع فرمادی، اسلام کے محاسن بیان فرما کران کی ذہن سازی کی۔آپ کی اس محنت وسعی کا اثر یہ ہوا کہ چند سکھ آپ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔ان حالات کو دیکھ کر دوسرے چند سکھ سپاہی مذہبی تعصب کی وجہ سے آپ کی جان کے درپے ہوگئے، اس لئے مولانا نے فوجی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا' ورنہ عام سپاہی مسلم وغیر مسلم افسرانِ فوجی حتی کی انگریز افسر بھی مولانا کا بہت احترام کرتے تھے۔یہ فوجی ٹریننگ آئندہ جنگ آزادی میں بہت کارآمد ومفید ثابت ہوئی''فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ''۔

مولانا اور جنگ آزادی

مولانا نے ملک وملت کے لئے جو خدمات اور قربانیاں پیش کی ہیں' ان سب کا احاطۂ تحریر میں لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں' تاہم ان کی خدمات کا ایک سرسری خاکہ پیش کردینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

فوجی ملازمت کو خیر باد کہہ کر آپ نے ہندوستان کے طول وعرض میں سفر فرمایا اور علماء حقانی وصلحاء ربانی سے اکتساب فیض کیا۔کچھ مدت دہلی پھر ٹونک اور رائے بریلی میں

سکونت اختیار فرمائی۔

عملاً وعقیدۃً مولانا سید احمد صاحب شہید رحمہ اللہ کے ہم مشرب تھے ممکن ہے ان سے خلافت بھی حاصل ہو۔

اس طویل سفر سے مراجعت فرما کر اپنے وطن تشریف لائے اور ایک مسجد کو جو سڑک کلاں پر واقع تھی' اپنا مستقر بنایا اور خدمت خلق میں مصروف ہو گئے۔کبھی درس وتدریس کا مشغلہ رہتا،کبھی دعوت وتبلیغ ،کبھی تزکیۂ نفس فرماتے ،زیادہ زور فرائض اور واجبات کی ادائیگی سنت رسول اللہ ﷺ کی پابندی اور مراسم وبدعات کی بیخ کنی پر تھا۔

آپ کے اخلاص وللّٰہیت کا نتیجہ تھا کہ دور درو سے طالبان حق آ کر مجتمع ہو گئے اور آپ کے فیوض ظاہری وباطنی سے مستفیض ہونے لگے۔مولانا کا یہ قیام جس میں عقائد واعمال کی اصلاح،تقوی وتدین کی علمی وعملی تربیت جو مرد وزن کے حق میں نعمت عظمی تھی اور گرد و نواح کے مسلمانوں کے حق میں رحمت ایزدی ثابت ہوا تھا' زیادہ عرصہ نہ رہ سکا اور آپ نے اپنی اصلاحی محنت کا رخ ''جنگ آزادی'' کی جانب پھیر دیا۔

آپ کے معتقدین کے علاوہ مسلمانوں کی کثیر تعداد پر مشتمل ایک بڑی جماعت مولانا کی حمایت کے لئے تیار ہوگئی۔آپ کے اس بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو دیکھ کر شاہ دہلی نے مولانا کو صوبہ دارالہ آباد مقرر کر دیا۔

مولانا بڑی دوراندیشی سے فوج کی ترتیب وتنظیم میں مصروف رہے۔مکمل نظم ونسق کے بعد قلعہ الہ آباد کی طرف دوآبہ روانہ ہوئے۔اس قلعہ کی فتح اگر آپ کے ہاتھوں ہو جاتی تو دوآبہ اور اودھ کی تاریخ ہی دوسری ہوتی۔لکھنؤ اور دہلی پر دشمنان اسلام کا تسلط اتنی آسانی سے نہ ہوتا،مگر مشیت کو یہ منظور نہ تھا اور: ۱۶/جون لابی باغ کے سامنے آپ کے ساتھی

مخالفوں کی توپوں کا مقابلہ نہ کر سکے اوران کا تسلط شہر الہ آباد اور ضلع الہ آباد پر ہو گیا۔

مولانا کی روپوشی اور لاجپور آمد

شکست کے بعد مولانا کسی طرح قلعہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور افتاں وخیزاں اپنی قلیل جماعت کے ساتھ گنگا پار میں روپوش ہو گئے، وہاں سے کانپور، لکھنؤ اور دہلی وغیرہ مقامات سے ہوتے ہوئے سندھ اور ملتان تشریف لے گئے۔ کچھ مدت وہاں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد مہاراجہ بروڈہ کی عنایت سے تقریبا ایک سال اس کی ریاست میں روپوش رہے، وہاں سے نوساری آئے۔ اہل لاجپور کو جب مولانا کے نوساری تشریف آوری کی اطلاع ملی تو وہ آپ کو لاجپور لے آئے۔ یہاں مولانا کا قیام تقریبا دس سال رہا قیام۔ لاجپور کے دوران ہزارہا افراد نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''۱۹۵۷ء کے نامور مجاہد حضرت مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی جنہوں نے غدر میں بہت بڑا حصہ اپنے وطن عزیز کو انگریزوں سے چھڑانے میں جنگ میں گذارا تھا اور جنہوں نے نہایت بہادری اور شجاعت سے لڑ کر الہ آباد انگریزوں سے لے لیا تھا اور خاندان تیموریہ کے آخری تاجدار نے مولانا کو الہ آباد کا نواب مقرر کر دیا تھا' کوئی چھ ماہ حکومت کے بعد انگریزوں نے بڑی فوج سے الہ آباد پر حملہ کر دیا۔ مولانا کی جماعت اوران کا لشکر مقابلہ نہ کر سکا۔ بہت کچھ جنگ وجدال کے بعد الہ آباد پر انگریزی قبضہ ہو گیا۔

مولانا اپنی مٹھی بھر جماعت کے ساتھ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے قلعہ سے باہر نکل آئے اور روپوشی کی حالت میں نوساری پہنچے اور لاجپور والوں کو اطلاع ملنے پر لاجپور کے چند حضرات مولانا کو اپنے ہاں لے آئے۔

نواب سچین ابراہیم خان ثانی مولانا کا بہت معتقد ہوگیا اور مولانا کی حسب مرضی ایک مکان جامع مسجد کے پیچھے قبرستان کے متصل بنوادیا، مولانا اپنے بال بچوں کے ساتھ دس سال سے کچھ زیادہ لاجپور میں رہے۔ مولانا کی ذات بابرکت سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔

حضرت مولانا لیاقت علی رحمہ اللہ سید اور شریف خاندان کے نہایت مقدس، متقی اور پرہیزگار جامع کمالات ظاہری اور باطنی بزرگ تھے۔ ان کی طویل صحبت کی وجہ سے مسلمانوں میں دینداری، خداترسی اور علم وعمل کا شوق پیدا ہوگیا۔

سب سے پہلی اصلاح مولانا نے مسلمان عورتوں کے ہندوآنہ طرز کے لباس میں فرمائی کہ عموماً گجرات کی مسلم عورتوں کا لباس لہنگا اور کرتی تھا، مولانا نے مسلمانوں سے اس لباس کے عدم استعمال کا عہد کیا، اس روز سے مسلم عورتوں نے گھگرا، لہنگا، اور کرتی پہننا موقوف کیا اور نیچا کرتہ پوری آستین کا، پائجامہ، سربند اور اوڑھنی کا لباس اختیار کیا۔ رفتہ رفتہ گجرات کے اکثر علاقوں میں یہ بہتر اور سادہ لباس کا رواج شروع ہوگیا۔ الحمد للہ اس نیک کام کی ابتدا لاجپور ہی سے ہوئی''۔ (تاریخ لاجپور)

مولانا لیاقت علی رحمہ اللہ نے اپنے قیام زمانہ لاجپور میں اشاعت علم دین کی طرف بھی خصوصی توجہ فرمائی، چنانچہ مدرسہ اسلامیہ لاجپور کا افتتاح آپ ہی کی محنت کا نتیجہ تھا، پھر حضرت کی گرفتاری سے کئی سال مدرسہ بند رہا۔

مولانا کی گرفتاری

مولانا کی گرفتاری اپنوں ہی کی بغض وعداوت سے عمل میں آئی ع
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

چند شرانگیز طبیعتیں جوظاہراً مولانا کی خیرخواہ تھیں مگران کے قلوب حسد وعناد سے پر تھے، وہ آپ کے بڑھتے ہوئے اثرورسوخ کو دیکھ نہ سکے، انہوں نے نواب صاحب سچین کوورغلا کر مولانا کا مخالف بنادیا، حالانکہ نواب صاحب اوران کے اہل خاندان مولانا کے بڑے معتقد تھے۔

قصہ یہ ہوا کہ لاجپور میں نمازعید کی امامت نواب صاحب خودفرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ نمازعید کے لئے نواب صاحب کوآنے میں تاخیر ہوگئی۔مولانا نے وہی طریقہ اپنایا جو حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کو مسجد پہنچنے میں دیرہوگئی، حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ نے بغیرتوقف وانتظار کے نماز پڑھادی۔ ولید نے برہم ہوکرکہلا بھیجا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیرالمؤمنین کا حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ توامیرالمؤمنین کاحکم ہےاورنہ اپنی ایجاد، البتہ خداکو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہواورلوگ نماز میں تمہارے منتظر رہے۔(سیرالصحابہ (رضی اللہ عنہم) ص۳۱۰ ج۲)

الغرض مولانا کی امامت میں نمازعیدادا کر لی گئی۔نمازعید سے فراغت ہوئی تھی کہ نواب صاحب کی سواری مع چشم وخدم کے عیدگاہ کے قریب آپہنچی۔نواب صاحب نے دیکھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہوگئے تواستفسارفرمایا،لوگوں نے بتلایا کہ مولانا کی امامت میں نمازادا کی گئی۔نواب صاحب نے ازراہ ادب سکوت اختیارکیا اورواپس سچین کا قصد کیا۔

نواب صاحب توسچین پہنچ گئے،مگرمولانا کے دشمنوں کوعداوت ودشمنی کا موقع ہاتھ لگ گیااورنواب صاحب کواس بات پرآمادہ کرلیا کہ مولانا کوآپ کی توہین کے جرم میں

گرفتار کرلیا جائے۔اب نواب صاحب پر حکومت کا نشہ غالب آ گیا،جس کے متعلق عربی کی یہ مثل مشہور ہے کہ:

''سکر الحکومة اسکر من سکر الخمر''

(حکومت کا نشہ شراب کے نشہ سے بڑھ کر ہے)

اس سکرِ حکومت نے نواب صاحب کی عقل کو اندھا کر دیا اور نواب صاحب کی طرف سے مولانا کی گرفتاری کا حکم صادر ہو گیا، چنانچہ چند سپاہی' شاہی حکم نامہ لے کر لاجپور آئے اور مولانا کو گرفتار کرلیا۔مولانا کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ: نواب صاحب پاگل تو نہیں ہوگئے؟ اللہ کی شان مولانا کی زبان سے یہ جملہ نکلا' ادھر نواب صاحب پر جنون لاحق ہوگیا۔اس واقعہ کو دیکھ کر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ارباب حکومت عبرت حاصل کرتے اور مولانا سے معافی کے خواستگار ہوتے مگر:

''حبک الشئی یعمی و یصم''

مولانا کو قید کر کے حکومت انگریز کو مخبری کردی۔

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کا قید سے رہا ہونا

حضرت مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: میرا بیٹا عوف قید ہو گیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: اس کے پاس پیغام بھیج دو کہ حضور ﷺ اسے فرمارہے ہیں کہ: وہ ''لا حول ولا قوة الا بالله'' کثرت سے پڑھے، چنانچہ قاصد نے جاکر حضرت عوف رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کا پیغام پہنچا دیا۔حضرت عوف رضی اللہ عنہ کو تانت سے باندھا ہوا تھا۔ایک دن تانت ٹوٹ کر گر گئی تو حضرت عوف رضی اللہ عنہ قید سے باہر نکل آئے۔باہر آکر انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں کی اونٹنی وہاں موجود ہے،

حضرت عوف رضی اللہ عنہ اس پر سوار ہو گئے، آگے گئے تو دیکھا کہ ان کافروں کے سارے جانور ایک جگہ جمع ہیں، انہوں نے ان جانوروں کو ایک آواز لگائی تو سارے جانور ان کے پیچھے چل پڑے اور انہوں نے اچانک اپنے ماں باپ کے گھر دروازے پر جا کر آواز لگائی تو ان کے والد نے کہا: رب کعبہ کی قسم! یہ تو عوف ہے، ان کی والدہ نے کہا: ہائے! عوف کیسے ہوسکتا ہے؟ عوف تو تانت کی تکلیف میں گرفتار ہے، بہرحال والد اور خادم دوڑ کر دروازے پر گئے، تو دیکھا کہ واقعی حضرت عوف رضی اللہ عنہ موجود ہیں اور سارا میدان اونٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو اپنا اور اونٹوں کا سارا قصہ سنایا، ان کے والد نے جا کر حضور ﷺ کو یہ سب کچھ بتایا۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ان اونٹوں کے ساتھ تم جو چاہے کرو (یہ اونٹ تمہارے ہیں، اس لئے) اپنے اونٹوں کے ساتھ جو کچھ تم کرتے ہو وہی ان کے ساتھ کرو۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ﴾۔

جو محض اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس (کی اصلاح مہمات) کے لئے کافی ہے۔

(حیاۃ الصحابہ اردو ص۹۹۸ ج۳)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ فرمایا کہ آپ کو جیل میں ڈالا گیا، مگر رات کو جیل خانہ کے دروازے خود بخود کھل گئے اور مولانا وہاں سے چل نکلے، لیکن مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا:

''العبد یدبر واللہ یقدر''

ما در چہ خیالیم فلک در چہ خیال‘‘

ایک غیر معروف ریلوے اسٹیشن پر بمبئی پولیس کے ہاتھوں مولانا گرفتار کر لئے گئے اور الہ آباد لائے گئے۔آپ کے خلاف مقدمہ کی سماعت ہوئی۔مولانا نے عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور بے خوف سنت یوسفی کی اتباع میں ﴿ السّجن احبّ الیّ ﴾ پڑھتے ہوئے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے پر آمادہ ہوگئے۔

حکومت نے مولانا کو جنگ آزادی کے صلہ میں دوام حبس بعبور دریائے شور کی سزا دی ،مگر قید و بند، زندان سلاسل کی تکلیفیں اس مرد حق آگاہ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ دے سکیں، کیونکہ میدان جنگ کی اس خاردار وادی میں جسم و جان کو داؤ پر لگا کر ہی اس جذبہ سے قدم رکھا تھا۔

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

حکم سزا سنانے کے بعد مولانا کی حسب خواہش آپ کو وطن لایا گیا۔مسجد میں تشریف لے گئے، نماز ادا کی، سب سے ملے اور اصلاح وعقائد، پابندئ صلوۃ اور بدعات سے احتراز پر چند جملے فرمائے،اس کے بعد سب کو روتا چھوڑ کر ’’اب فقیر جاتا ہے: السلام علیکم‘‘ کہتے ہوئے گاڑی میں سوار ہوگئے اور جزیرۂ انڈامان پہنچادیئے گئے۔

المختصر مولانا نے جس ہمت و استقلال اور قربانیوں کے ساتھ قوم کی جو خاموش خدمات انجام دیں، خواہ وہ درس وتدریس سے متعلق ہو یا تذکیۂ نفس کی صورت میں ہو یا دعوت وتبلیغ کی شکل میں وہ ہمیشہ یاد کی جاتی رہیں گی۔

فنا کے بعد بھی زندہ ہے شان رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں ہوں اے میر کاروں تجھ پر

وفات

انڈامان میں قید و بند کی آزمائش اور جیل کی سلاخوں کے پیچھے تقریباً زندگی کے تیئس سال گذارے۔ بالآخر وقت موعود آ گیا اور: ۱۸۹۱ء میں (اور بقول بعض: ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۳ء) میں وفات پائی، رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ ۔

دل کو سکون روح کو آرام آ گیا موت آ گئی کہ دوست کا پیغام آ گیا

حضرت مولانا عبد الحئی کفلیتوی رحمہ اللہ نے اپنی مختصر سوانح میں مولانا کا تذکرہ کیا ہے۔ ''الجواہر الزواہر'' سے اس کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں:

''اور حضرت شیخ رحمہ اللہ (مولانا لیاقت علی صاحب) ایک متقی، پرہیزگار، زاہد و عابد تھے۔ خوف خداوندی سے اکثر اوقات گریہ و بکا میں مشغول رہتے تھے، اور خلوت مع اللہ ان کو محبوب تھی اور اعلاء کلمۃ اللہ پر حریص تھے۔ خدا تعالی کے احکام پہنچانے اور دعوت و تبلیغ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے''۔ (الجواہر الزواہر ص ۹)

....

نوٹ: حضرت کے یہ حالات ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ مطابق نومبر ۱۹۹۳ء ''اذان بلال'' آگرہ شعبان ۱۴۱۴ھ مطابق جنوری ۱۹۹۴ میں شائع ہو چکے ہیں۔

تذکرہ فخر لاجپور

یعنی استاذ الاساتذہ، جامع منقول ومعقول، عالم بے مثال، فخر گجرات، حضرت مولانا احمد میاں صاحب صوفی لاجپوری رحمہ اللہ کا مختصر تذکرہ، اور نایاب مختلف مضامین کا مجموعہ

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

ترتیب واضافہ از:

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

حضرت مولانا صوفی احمد میاں صاحب لاجپوری

ولادت......۹/ذیقعدہ:۱۲۹۴ھ، بروز چہارشنبہ۔

وفات......۷/شعبان ۱۳۲۷ھ، مطابق: ۲۴/اگست ۱۹۰۹ء، بروز منگل،

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

ولادت

مولانا احمد میاں صاحب (خلف الصدق حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب رحمہ اللہ) کی ولادت: ۹ر ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ بروز چہار شنبہ ہوئی۔

تعلیم

قرآن مجید حافظ احمد اوٹے والے اور حافظ احمد مالویہ صاحب سے پڑھا۔ گجراتی اور اردو کی تعلیم اردو اسکول لاجپور میں حاصل کی، اور ابتدائی فارسی کی کتابیں اپنے والد بزرگوار حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ ابتدائی عربی کے اساتذہ کا حال معلوم نہ ہوسکا۔

اساتذہ

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ: ۱۸۹۰ء میں رنگون تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ بعد مولوی صاحب کو بھی وہیں بلوالیا۔ رنگون میں آپ نے مولانا سلطان احمد پنجابی رحمہ اللہ سے [1] عربی کی تعلیم کے سلسلہ میں سبعہ معلقہ وغیرہ ادب کی کتابیں پڑھیں۔ بعدازاں حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نے مولانا کو بغرض تکمیل دہلی بھیج دیا۔ مولانا نے تین چار سال دہلی میں رہ کر مختلف علوم وفنون کی کتابیں متعدد اساتذہ سے پڑھیں۔ مدرسہ فتح پوری کے اساتذہ سے بھی تحصیل علم کا موقع ملا۔

حدیث وتفسیر مولانا رحیم بخش صاحب دہلوی رحمہ اللہ (محشی تفسیر احمدیہ، مؤلف حیات ولی) سے پڑھیں، اور معقولات میں منطق، فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، ہیئت وعلم کلام وغیرہ کی درسی کتابیں مولانا محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ تلمیذ مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی رحمہ اللہ

سے پڑھیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ دیہاتی وضع کے اکھڑی اکھڑی طبیعت سے سیدھے سادے بزرگ تھے، لیکن معقولات کے گویا حافظ تھے۔ قاضی مبارک، حمداللہ، زواہد ثلثہ، شرح مواقف، امورعامہ جیسی بلند پایہ کتابیں بغیر کتاب سامنے رکھے زبانی پڑھاتے تھے۔ طلبہ کو حکم تھا کہ مطالعہ میں کتاب سمجھ کر میرے پاس آیا کریں، پھر مطالعہ میں کوئی مشکل مضمون سمجھ میں نہ آیا ہو تو مولانا سمجھا دیا کرتے تھے۔ مولانا کے اس طرز خاص سے طلبہ میں قوت مطالعہ بہت زیادہ پیدا ہو جاتی تھی، اور غور وفکر و تدبر کے بعد مشکل سے مشکل مضامین سمجھنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا تھا۔

مولانا احمد میاں صاحب رحمہ اللہ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر دہلی سے ۱۳۱۳ھ میں لاجپور آئے، اس وقت لاجپور اور اس کے اطراف میں تعلیم عربی کا کوئی سلسلہ نہیں تھا، صرف رانděر میں ''مدرسہ اشرفیہ'' اور کٹھور میں ''مدرسہ اسلامیہ'' میں علوم عربیہ کی تعلیم ہوتی تھی۔

لاجپور میں مدرسہ کا قیام

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے گیارہ سال بعد: ۱۲۹۴ھ میں ''مدرسہ اسلامیہ'' لاجپور کا افتتاح ہوا، جس میں ایک عالم کی ضرورت محسوس ہوئی، دارالعلوم دیوبند سے درخواست کی گئی۔ راقم الحروف کو اس درخواست کا علم نہ تھا، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مجریہ بابت رمضان ۱۳۷۲ھ سے یہ معلوم ہو کر بڑی مسرت ہوئی کہ آج سے تقریباً اسی سال قبل فضلائے دیوبند کی مانگ کرنے والوں میں حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب رحمہ اللہ مہتمم مدرسہ اور ممبران مدرسہ نے یہ کہہ کر کہ:

''ہم بھی تیرے خریداروں میں ہیں''

ایک فاضل مدرس کے لئے درخواست پیش کردی۔ تعلیمی ضرورتوں کے لئے دارالعلوم کو علمی مرکز خیال کرکے ملک کے اطراف وجوانب سے درخواستیں بھی چلی آتی تھیں۔اس زمانہ میں حال یہ تھا کہ قریب ہی کے علاقوں سے نہیں بلکہ لکھا ہے کہ:

''ریاست بھاولپور ملک پنجاب سے اور لاجپور ملک گجرات سے مدرسہ ہذا میں درخواستیں آئی ہوئی ہیں''۔

یہ مدرسہ کئی سال بحسن وخوبی جاری رہا،جس میں مولانا عبدالہادی صاحب رحمہ اللہ اور بھمیری کوکن کے مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ وغیرہ علماء درس دیتے رہے۔سن مذکور کی مطبوعہ روئداد اب تک محفوظ ہے، پھر مدرسہ میں تعطل پیدا ہوگیا۔

تدریس

۱۳۱۳ھ مطابق: ۱۸۹۵ء میں مولانا احمد میاں صاحب رحمہ اللہ نے للہ فی اللہ مدرسہ اسلامیہ لاجپور کو ازسرنو جاری کیا' اور نہایت تن دہی وشوق سے درس نظامیہ کے موافق بالترتیب' باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع کیا،جس سے اطراف واکناف بلکہ دور دراز کے تشنہ علوم طلبہ نے آپ سے ایک معتد بہ حد تک علوم عربیہ کی تحصیل کی۔

آپ کی باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے تلامذہ میں سے تقریباً پندرہ صاحبوں نے ہندوستان کے مختلف مدارس میں پہنچ کر درس نظامیہ کی تکمیل یعنی علوم شرعیہ تفسیر' حدیث' فقہ کے علاوہ علوم عقلیہ منطق' فلسفہ' ریاضی میں مہارت تامہ حاصل کی۔

مدارس اسلامیہ ہند کے طرز پر باقاعدہ ترتیب وار علوم عربیہ کی تعلیم وتدریس میں آپ کا درس: ۱۳۲۰ھ کے قبل خصوصیت سے گجرات میں ممتاز تھا،جس کا اثر یہ ہوا کہ مدرسہ

اشرفیہ راندیر و مدرسہ اسلامیہ کٹھور کے بھی بعض طلبہ مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں آ گئے۔

تلامذہ

ضلع سورت کے اکثر علماء آپ سے مستفید اور آپ کے دامن سے وابستہ ہیں۔ مولانا احمد حسن بانی جامعہ ڈابھیل، مولانا احمد بزرگ سابق مہتمم جامعہ ڈابھیل، مولانا احمد درویش ڈابھیلی، حاجی ابراہیم میاں صاحب سملکی، مولوی حافظ ابراہیم پٹیل صاحب کفلیتوی، مولانا محمد یوسف صاحب لاجپوری، مولوی سید عمر صاحب لاجپوری، مولوی سید عبدالحیٔ صاحب لاجپوری، مولوی حافظ عبدالرحمٰن صاحب بھوپالی، مولوی وزیر خاں صاحب حیدرآبادی، مولوی الٰہی بخش صاحب پنجابی، مولوی عبداللہ صاحب پنجابی، مولوی یحیٰ صاحب بنگالی (رحمہم اللہ) اور ننگ تلامذہ راقم الحروف مرغوب احمد لاجپوری آپ ہی کے دامن فیض سے وابستہ ہیں۔

تصانیف

مولانا مرحوم کو تصنیف و تالیف کا شوق دہلی کی طالب علمی کے زمانہ ہی سے پیدا ہو گیا تھا جب کہ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے شاذلی سلسلہ کے ایک بزرگ قطب زمان حضرت سید احمد ادریس رحمہ اللہ کا قلمی رسالہ بنام ''عقد النفیس'' ترجمہ کے لئے استاذ مرحوم کو دیا۔ یہ رسالہ تصوف کے چار قاعدوں پر مشتمل تھا۔ مولانا نے دو قاعدوں کا اضافہ کر کے نہایت بسط کے ساتھ آیات، احادیث، اخبار، حکایات، وتمثیلات و چیدہ چیدہ مفید عربی فارسی اشعار سے مزین فرما کر ایک مستقل کتاب بنام ''ھدیۃ الجلیس شرح عقد النفیس'' تصنیف فرمائی۔

درس و تدریس کے ساتھ تراجم کتب کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ایک مرتبہ آپ نے نئ

روشنی کے ایک شیدائی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

''عربی میں علوم ہی کیا ہیں بجز مسائل ضروریہ نماز، روزہ کے اور کچھ نہیں، انگریزی میں جس قدر علوم وفنون ہیں عربی زبان میں اس کا پتہ بھی نہیں''۔

آپ نے فوری طور پر اس کو معقول جواب دے کر ساکت کر دیا اور اسی وقت یہ ارادہ کرلیا کہ عام فہم سلیس اردو میں مختصر طور پر ایک رسالہ ایسا تالیف کیا جائے' جس میں بہ ترتیب حرف تہجی' معہ مختصر حالات اس علم کے' جس میں اس علم وفن کی تعریف' موضوع وغایت سے بحث ہو' جس سے خواص وعوام اس امر سے مجملاً آگاہ ہوجائیں کہ عربی میں کس قدر علوم وفنون کا بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے، اور یہ کہ اس کا عشر عشیر بھی دنیا کی کسی زبان میں موجود نہیں، چنانچہ ''ذخیرۃ العلوم'' نامی کتاب اسی غرض سے تالیف کرنی شروع کی۔اس کتاب کو ردیف دال تک تحریر فرمایا جس میں (۱۱۹) تک علم وفن کی تعداد پہنچی ہے، مگر بوجہ عوارضات مختلفہ ومشاغل کثیرہ یہ کتاب ناتمام رہ گئی، اگر یہ کتاب پوری ہوجاتی تو اردو تالیفات کے سلسلہ میں اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہونے کے علاوہ تالیفات عالم کی مختلف شاخوں میں اپنی نوعیت کی بے نظیر کتاب ہوتی، جس سے علماء سلف کے علمی کارنامے ہر علم وفن میں کمال دستگاہ' دقت نظری وموشگافی کے اعلیٰ جوہر نظر آتے، تاہم یہ ناتمام تصنیف بھی اپنی آغوش میں بہت سے اسلامی وعقلی علوم وفنون کو لئے ہوئے ہیں۔

دوران تصنیف آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کے بجائے بہتر یہ ہے کہ اس اجمال کو تفصیلی شکل وصورت میں دکھایا جائے، یعنی ہر علم وفن کی ایک ایک مستند ومتداول کتاب کا سلیس اردو ترجمہ یا شرح کردی جائے' جس سے علاوہ عربی داں حضرات کے اردو خواں بھی علوم عربیہ سے بالتفصیل آگاہ وباخبر ہوسکیں اور اپنے حوصلہ واستعداد کے مطابق فائدہ

حاصل کر سکیں۔

جس عظیم الشان کام کا آپ نے بیڑا اٹھایا تھا' اس کا پورا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا' اس کی انجام دہی میں استقامت قلب اور وسیع حوصلہ اور بڑے دل ودماغ کی ضرورت کے علاوہ فراخ بالی وجمعیت قلب کے ساتھ ایک غیر محدود زمانہ کی ضرورت تھی' تب کہیں جا کر ایک عرصۂ دراز کے بعد یہ امر اہم بوجہ احسن انجام پاتا' اس کے پورا کرنے کا ولولہ اور طبعی شوق آپ کے قلب میں نہایت پختگی کے ساتھ جاگزیں ہو چکا تھا، اور ہر وقت ملہم غیب کی بے نیاز بارگاہ سے نہایت خلوص کے ساتھ اس امر اہم کے اختتام کے متمنی رہا کرتے تھے۔

چنانچہ آپ نے دفعتاً ایک ساتھ بہت سی کتابوں کے ترجمے اور شرح کا کام شروع کر دیا اور متعدد کتابوں کے ترجمے اور چند شرحیں لکھیں۔

(۱)......اصول حدیث میں ''نخبۃ الفکر''۔

(۲)......اصول فقہ میں ''مسلم الثبوت'' کی اردو شرح۔

(۳)......صرف میں ''شافیہ''۔

(۴)......نحو میں ''کافیہ''۔

(۵)......اور ''الفیہ''

(۶)......علم معانی میں ''تلخیص المفتاح''۔

(۷)......علم حکمت میں معلم ثانی ابونصر فارابی کی کتاب ''فصوص الحکم''۔

(۸)......منطق میں شیخ الرئیس بوعلی سینا کے منظوم رسالہ ''عیون المسائل''۔

(۹)......ہیئت میں ''تصریح''۔

(۱۰)......علم کلام میں ''قصیدہ بدأمالی''۔

وغیرہ کتابوں کی شرحیں نہایت بسط سے لکھیں۔

(۱۱)......تصوف میں ''لوائح جامی''۔

(۱۲)......''جواہر الحقائق''۔

(۱۳)......مناظرہ میں ''مناظرہ رشیدیہ''۔

(۱۴)......اور ریاضی میں ''خلاصۃ الحساب''۔

(۱۵)......حکمت میں ''ہدیہ سعیدیہ''۔

(۱۶)......منطق میں ''شرح تہذیب''۔

(۱۷)......عروض وقوافی میں ''عروض المفتاح''۔

(۱۸)......تہذیب الاخلاق میں ''بدایۃ الہدایہ''۔

(۱۹)......اور ''ہدیۃ الجلیس ترجمہ عقدالنفیس''۔

(۲۰)......کتاب ''تعلیم المتعلم'' کا ترجمہ ''دلیل الطالب الی مناهج المطالب''۔

(۲۱)......حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی ''فاتحۃ العلوم کا ترجمہ''۔

(۲۲)......حضرت جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے چندرسالوں کا خلاصہ ''توجیہ العنان الی ان ابوی رسول اللہ فی الجنان''۔

اخیر کی چار کتابیں، اور:

(۲۳)......ذخیرۃ العلوم''۔

یہ پانچ کتابیں: ۱۳۲۸ھ میں طبع ہوچکی ہیں۔

فقہ میں آپ کو یہ خیال دامنگیر ہوا کہ سلیس اردو میں ایک مستقل مبسوط کتاب، جو قریب قریب تمام کلیات وجزئیات کو حاوی ہو مع دلائل تحریر کریں، بنابریں اس موضوع پر آپ

نے قلم اٹھایا اور چند روز میں اس کا مقدمہ لکھا جس میں رؤس ثمانیہ اور موضوع علم کی بحث قابل دید ہے۔

مذکورہ بالا جو کتابیں آپ کو شرحاً یا ترجمۃً حل کرنے کا اتفاق ہوا' ان میں بعض مکمل ہیں' اور بعض ناتمام رہیں' پھر یہ سلسلہ یک لخت موقوف ہوگیا اور آپ کو اس سلسلہ کی کتابوں کے طبع کرانے اور ناتمام کتابوں کے پورا کرنے کا اتفاق نہ ہوسکا۔

ما کل مایتمنی المرء یدرکه تجری الریاح بما لا تشتھی السفن

وفات

''واللہ غالب علی امرہ'' افسوس کہ مولانا مرحوم کی یہ آرزو ابھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ حیات مستعار کا مختصر پیمانہ لبریز ہوگیا، اور دو ماہ کی علالت کے بعد مورخہ: ۷/شعبان ۱۳۲۷ھ بروز سہ شنبہ: ۲۴/اگست ۱۹۰۹ء کو عین عالم شباب میں بعمر: ۳۳ سال وفات پائی۔ مادۂ وفات'' ادخله الحق فی جنه'' ہے۔ اور تاریخی نام ''حفیظ الدین'' عاقل ہے۔

بعض موزوں طبع احباب نے تاریخ وفات میں بطور مرثیہ چند قطعے موزوں کئے ہیں ان میں سے ایک مرثیہ کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہیں:

مولوی احمد میاں چوں کرد رحلت از جہاں
بر وصالے پر ملالش چوں نگرید آسماں
عالم و فاضل مقرر صاحب فکر رسا
خوشہ چیں مجلسش بودند جملہ ایں و آں
شغل تدریس وکتب بینی غذائے روح او
بود مرد فلسفہ داں فخر ابنائے زماں

فی البداہت نظم کردے ہر چہ در دل آمدے
دستگاہش تام بد بر فارسی عربی زباں
مولد و ہم مرقدش یک موضع دار السرور
جائے مردم خیز و دلکش لاجپور آمد نشاں
از توابع ہائے سورت تحت نواب سچین
شد ڈورا رد و بار فروش از پہلو رواں
سال ترحیلش زفضلی گر بپرس اے نکو
یک ہزار وسہ صد وہم بست ہفت از ہجر داں
شد غروب آفتاب علم میگوئی تواں
بعد مغرب چوں کہ آمد در زمین تدفین آں
(مولانا تجمل حسین صاحب بھروچی رحمہ اللہ)

ضروری التماس

حضرت مصنف علام اعنی عالم علوم عقلیہ وفاضل فنون حکمیہ وماہر علوم نقلیہ ماوائی وملجائی سربرآوردہ اذکیاءِ زماں جناب مولانا مولوی احمد میاں صاحب لاجپوری سورتی نور اللہ مرقدہٗ وبرد اللہ مضجعہ نے عین عالم شباب یعنی تینتیس سالہ سن میں: ۷/شعبان ۳۲ھ بوقت عصر وفات فرمائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم کے قیمتی کتب خانہ سے بعد وفات تلاش کرنے سے چند مسودات آپ کی تالیف سے دستیاب ہوئے۔ ان مسودات میں بعض مستقل کتابوں کے ترجمے اور بعض ملخصات وتالیفات ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ آپ کو ان رسائل کے صاف کرنے کے بعد طبع کرانے کا خیال تھا، لیکن بوجہ عروض عوارض مختلفہ جس میں بڑا سبب آپ کی کم فرصتی تھی، اس کی طبع کی جانب توجہ تام نہ ہوئی حتی کہ آپ کی حیات کا جام لبریز ہوگیا، اور آپ نے سفر آخرت اختیار کیا، چونکہ یہ رسائل اپنے فن اور طرز میں عمدہ اور مفید رسائل تھے اور جس سے عام اہل اسلام خصوص اردو فارسی پڑھے لکھے حضرات کو زیادہ تر مفید ہونے کی امید تھی، حق جل علیٰ شانہ کی رضا جوئی کے ساتھ مصنف مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کی غرض سے جی یہ چاہا کہ اگر ان رسائل کو طبع کا جامہ پہنایا جائے تو علاوہ فیض عام ہونے کے آپ کی روح کو تازگی کے ساتھ حیات جاودانی نصیب ہوگی۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے طبع کا کافی اسباب مہیا فرمادیا، اور مولانا مرحوم کے والد ماجد قبلہ بزرگوار حضرت مولانا شاہ صوفی صاحب ادام اللہ برکاتہ کی توجہ اس کے طبع کی جانب مبذول ہوئی، اور اول ہی اول کتاب ’’فاتحۃ العلوم‘‘ جو حضرت علام حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کی تصنیف سے عربی کا ایک نہایت مفید اور قابل قدر رسالہ تھا‘ جس کا یہ ترجمہ ہے، طبع کے لئے دہلی گزٹ پریس میں

باہتمام سیادت پناہ جناب سید سجاد حسین صاحب مالک مطبع کے دیا گیا۔ میر صاحب موصوف نے ازراہ عنایت اس کے طبع میں امید سے زیادہ اہمتام فرمایا۔

جس دن سے اس کے طبع کا کافی انتظام ہولیا۔ اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل وکرم سے راقم الحروف بندہ مرغوب احمد لاجپوری کے قلب پر خاص شہر دہلی مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم میں عالم رویا میں ایک دل خوش کن غیبی بشارت ظاہر فرمائی، جسے بطور تحدث نعمت ظاہر کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

اثناء زمانہ طبع کتاب میں استاذی المرحوم جناب مولانا مولوی احمد میاں صاحب عالم رؤیا میں تشریف لائے، آپ نہایت بشاش وشاداں وفرحاں تھے، اورنہایت بے تکلفی سے مثل ان دوصادق الودود دوستوں کے جوایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ دیئے ہوئے چلتے ہیں، میری گردن میں ہاتھ دے کرتھوڑی دور خراماں خراماں چلے اور یہ فرمایا کہ: دوست تم نے مجھے زندہ کر دیا، انتہیٰ۔

مصنف مرحوم کوان مسودات پرنظر ثانی کا اتفاق نہ ہوا، لہذا معزز ناظرین باتمکین سے عاجزانہ التماس ہے کہ آپ کسی غلطی پر متنبہ ہوں تو براہ کرم وبنظر عطوفت ع

بقدر وسع دراصلاح کوشند

واں خطاپوشی کوکام فرمادیں اور مصنف مرحوم رحمہ اللہ کودعاء مغفرت سے یاد فرمادیں۔

اللهم اغفره وارحمه رحمة واسعة ' وسكنه فى جنة الفردوس ' آمين ، جزاه الله تعالى ايانا و اياكم بالجود والكرم والله ذو الفضل العظيم۔

راقم الحروف

بندہ مرغوب احمد لاجپوری عفا اللہ عنہ وعن الدیہ ولاساتذتہ الکرام

ضروری معروض

از: حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

معزز و محترم ناظرین پر مخفی نہ رہے کہ کتاب ''ھدیۃ الجلیس'' برائے نام ترجمہ ''عقدالنفیس'' کا ہے، اس واسطے کہ ''عقدالنفیس'' علامہ سید احمد ادریس قدس سرہ کی تصنیف سے دو صفحہ کا قلمی رسالہ عربی میں ہے، جو غالباً اب تک کسی مطبع میں طبع نہیں ہوا۔ فن تصوف میں چار قاعدوں پر مشتمل ہے''ھدیۃ الجلیس ''میں جس میں ''عقدالنفیس'' کے اصل مطلب کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے، دو قاعدے اور اضافہ کئے ہیں، اصل رسالہ میں اشعار، اخبار، حکایات، آیات، مقدمہ، تمہید، تعریف، تقسیم کچھ نہیں 'ھدیۃ الجلیس' میں علاوہ دو قاعدہ کے اضافہ کے اردو، فارسی، عربی اشعار کثرت سے موقع بموقع درج کئے گئے ہیں، جابجا احادیث و آیات و اخبار درج ہیں، اور موقع بموقع حکایات و تمثیل سے پُر ہے۔ ابتدا میں ایک مقدمہ ہے، جو مشتمل تعریف و تقسیم پر ہے۔ ہر ایک قاعدہ کے شروع میں اس قاعدہ کے مناسب حال تمہید بیان کی گئی ہے۔

دراصل ''ھدیۃ الجلیس'' کو بجائے خود ایک مستقل کتاب کہنا چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب اپنی جامعیت اور اعلیٰ مضامین کے اعتبار سے ہر شخص کے مذاق کے مناسب ہوگی، باوجود ان تمام اوصاف کے مصنف مغفور کا اس کتاب کو ترجمہ کہنا آپ کے عجز و افتقار و منکسر المزاجی و غایت فروتنی کی بین دلیل ہے۔ مصنف مرحوم نے یہ کتاب بزمانہ طالب علمی ہندوستان کے دارالسلطنت شہر دہلی میں تصنیف فرمائی تھی، جو مسودہ کی شکل میں ایک عرصہ تک پڑی رہی۔ بعدازاں: ۱۳۱۹ھ میں آپ کو چندے شہر سورت میں قیام فرمانے کا اتفاق ہوا، اس اثناء میں آپ نے علاوہ مختصر درس و تدریس کے اس مسودہ کو بعد نظر ثانی

صاف کیا، بایں وجہ خطبہ کتاب میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ:

''ریاست سچین اس وقت زیر حراست سرکار انگریزی ہے'' الخ۔

یہ تحریر:۱۳۱۹ھ اور اس کے قبل کی ہے، بعدازاں: ۱۳۲۵ھ مطابق: ۱۹۰۷ء میں سلطنت وابہت پناہ رفعت وشوکت دستگاہ مسند نشین محفل عزو اقبال صدر آرائے بارگاہ جاہ وجلال جوان بخت وجواں دولت جواں سال' مالک تخت وتاج امیر والا احتشام حضور نواب ابراہیم محمد یاقوت خاں صاحب دام ملکہ وادام اللہ اقبالہ فرماں روائے ریاست سچین مسند آرائے سریر حکمرانی ہوئے۔ سرکار عالی ایک مدبر' روشن خیال' فیاض' رعایا پرور' رحم دل حاکم ہونے کے علاوہ عدل وانصاف کی مجسم تصویر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم دعا گو رعایا کے سر پر' حاکم اسلام کے ظل عاطفت کو عرصۂ دراز ومدت متماون تک قائم ودائم رکھے، آمین۔

سرکار والا تبار نے ازراہ دوراندیشی واسطے خیر خواہی وبہبودی رعایا کے اپنے حقیقی عم بزرگوار جناب نقادہ دودمان عزوعلاو عضادہ خاندان مجد واعتلا' عالی مرتبت ومعالی منقبت معلیٰ القاب جناب نواب زادہ نصر اللہ خاں دام اقبالہ کو- جو ایک نہایت دوراندیش' عقیل' ذہین' مدبر' سنجیدہ مزاج' نیک دل' صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند' علم دوست بزرگ ہیں' جو اپنی موروثی عزت وبیرسٹری وقانون دانی کی اعلیٰ لیاقت کی وجہ سے دور دور مشہور ومعروف ہیں- معتمد علیہ ریاست فرما کر ریاست کا کلی وجزوی انتظام آپ کے سپرد کیا ہے۔

سرکار والا نامدار والئ ریاست سچین خلد اللہ ملکہ ودولتہ' کی مسند نشینی کی تقریب کے موقع پر آپ نے ایک پرجوش مدحیہ قصیدہ فارسی میں موزوں فرمایا تھا جس کے چند اشعار ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں' جس سے آپ کی (باوجود شاعر نہ ہونے کے) موزونی طبع' قادر الکلامی' وفارسی اعلیٰ انشا پردازی کا اندازہ ناظرین کتاب بآسانی فرما سکتے ہیں۔

انتخاب از: قصیدہ مدحیہ' از: نتیجہ طبع جناب مولانا احمد میاں صاحب
درشان نواب صاحب بالقابہ

قدسیان درود رحمت شاد ماں عزلت گزیں — صد ہزاراں شکر گویم پاک رب العالمیں
نعمت افزوں زاحصائے ملک جن وبشر — مالک الملکی وہم حاکم ترین حاکمیں
آں جواں دولت اسیر باشہامت بختور — بارک اللہ شد جلوس آرائے مسند در سچیں
بخت مے بوسد سریش چوں غلامان روز وشب — فتح منداں چا کرے داغ غلامی برجبیں
ہر یکے زاقبال ونصرت ہم رکیب وہم عناں — باظفر ہر جا کہ کوبد پائے خیلش برزمیں
یعنی ابراہیم خاں نواب ذی عز وشرف — بارک اللہ شد سریر آرائے چوں ماہ مبیں
آسماں زیبا بود گرد ربیاری بر زمیں — بر عروج حامی اسلام نواب سچیں
آں سے فلک نازش نما بر ساکنان قصر خود — درکنارت پروریدی ماہ رخ یک نازنیں
دور تو آغاز نشد آور ہمایوں روزگار — فرش عنبرا تازہ ہمچوں بہشت برتریں
عدل پیشینان شنیدن شد کہن افسانہ وار — نخل باغ دادرا تازہ ثمر بین در سچیں
سطوت دارا تو داری صولت افراسیاب — داد کسریٰ باد در تو از خداوند بریں
در ریاست شداماں ہر چارسو سر وعلن — گوش کس نشنید ہرگز شور وغوغا وانیں
در بر آئی حوائج زود کوشاں بر محل — ہر کہ حاجت سوئے او آوردہ از راہ حنیں
بذل کردی در رفاہ اہل خود اموالہا — سیل خیرت بر رعایا از چنیں ماء معیں
ظل مہرت منبسط کن بر رعایا روز وشب — در ثغور سلطنت دل از ستم ناید حزیں
کس نہ بیند شاکی از جور کسے در دور تو — ہر کسے را متکا شو بلکہ خود حصن حصیں
در نیا گانت کرم رسم قدیم است از قدم — پس کریم ابن الکریم ابن الکریم استی متیں

از خلیل اللہ پر تو بر تو آمد اے عجب	برگزیدی در دلت حلم و مدار ارفق ولیں
این رعایا از مسرت می نگنجد در لباس	چوں بہ بیند حاکم اسلام را بر تخت وزیں
مخلصان بارگاہ ایزدی صبح و مسا	دست شان مرفوع بودے سوئے حق در اربعیں
علم مغرب مے درخشد بر رخ و سیمائے تو	وقت آنست علم مشرق راشوی از دل حنیں
ہم چو مامون سر پرست وقدرداں علم شو	رایت حکمت بگردان ہم چو مہر مستبیں
خیر خواہے در ریاست مہربان داری عمو	یعنی نصر اللہ خاں مصئون زشر حاسدیں
عندلیب بوستان فخر باغ قادری	باشکر خنداں سخن گوئی ز قند و انگبیں
دل بدست آور کنون کین حج اکبر گفتہ شیخ	باتواضع باش پیش آنکہ پوشدکو دریں
احمدا اکنون کشادست دعا سوئے خدا	کین مکان معمور دارد حق تعالیٰ از مکیں
گادیت بادا مبارک دائما از فضل حق	دائما باشی بلطف وفضل رب العالمیں
حق تعالیٰ رحم خود ممدود دارد بر سرت	مشتغل مانی بسوئے امر حق دین متیں
آفتاب عمر و اقبال اے شہم بادا درخش	از طفیل حضرت واصحاب وآل طاہریں

بعد ازاں مصنف مرحوم کو اس کتاب کے طبع کرنے کا اتفاق بوجہ مشاغل متفرقہ اپنے حین حیات میں نہ ہوا، بایں وجہ خطبہ کتاب ہذا میں کوئی مناسب تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

علاوہ ازیں آپ نے نہایت ضروری اور مفید تالیفات کا سلسلہ شروع کیا تھا' لیکن افسوس کہ مشیت ایزدی متعلق نہ ہوئی' اور یہ مفید سلسلہ انجام کو نہ پہنچا' اور آپ کی حیات مستعار کا جام لبریز ہو گیا' اور آپ نے :۷/شعبان ۱۳۲۷ھ مطابق: ۲۴/اگست ۱۹۰۹ء بروز سہ شنبہ بوقت عصر داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔

آپ کی پیدائش مورخہ: ۸/ یا ۹/ ذیقعدہ ۱۲۹۴ہجری بروز چہارشنبہ ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام'' حفیظ الدین عاقل'' ہے۔ آپ نے عین عالم شباب میں بعمر: ۳۳/سال وفات فرمائی۔

آپ کی وفات حسرت آیات پر بعض موزوں طبع احباب نے چند قطع آپ کی تاریخ وفات میں موزوں کئے ہیں، انشاء اللہ العزیز اگر فضل خداوندی شامل حال رہا، اور توفیق رفیق ہوئی، تو تاریخ وفات کے کامل قطعات آپ کی سوانح عمری میں، جو خدا کے فضل سے قریب قریب اختصار کے ساتھ مرتب ہوچکی ہے، شائع کئے جائیں گے۔ دو تاریخوں کا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ آپ کی وفات کا مادہ'' ادخلہ الحق فی الجنۃ '' ہے۔

التماس ضروری

ناظرین ذی المجد والتمکین کتاب ہٰذا کو واضح ولائح ہو کہ مصنف علام مرحوم مولوی احمد میاں صاحب نے ایک مرتبہ ایک نئی تعلیم کے شیدائی و دلدادہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

''عربی زبان میں علوم ہی کیا ہیں، بجز مسائل دینیہ ضروریہ کے اور کچھ نہیں۔ انگریزی میں جس قدر علوم وفنون ہیں عربی میں ان کا پتہ بھی نہیں''۔

اس بات کے سننے سے آپ کو بغایت رنج وملال ہوا' اور آپ کو خیال پیدا ہوا کہ عام فہم سلیس اردو میں مختصر طور پر ایک رسالہ اس قسم کا تالیف کیا جاوے کہ جس میں مختصراً ہر علم وفن کو ایک ایک کر کے' بترتیب حروف تہجی' مع مختصر حالات اس علم کے' جس میں اس علم وفن کی تعریف وموضوع وغایت سے بحث ہو' تا کہ عالم وخاص ناظرین کتاب اس امر سے مجملاً آگاہ ہو جاویں کہ عربی میں جس قدر علوم وفنون کا بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے اس کا عشر عشیر بھی دنیا کی دیگر کسی زبان میں موجود نہیں۔ بنابریں مصنف مرحوم نے کتاب ہذا ''ذخیرۃ العلوم'' (حدائق العلوم) اس غرض وغایت سے تصنیف فرمانی شروع کی۔ اس کتاب کو آپ نے ردیف دال تک تحریر فرمایا' جس میں (۱۱۹) تک علم وفن کی تعداد پہنچی ہے۔ یہ کتاب اس حد تک پہنچنے کے بعد آپ کو یہ خیال دامن گیر ہوا کہ ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہر علم وفن کو اجمالاً دکھلانے کے لئے اس قدر بھی سردست کافی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس اجمال کو تفصیلی شکل وصورت میں دکھایا جاوے، یعنی ساتھ ہی ساتھ ہر علم وفن کی ایک ایک معتبر ومستند کتاب کا سلیس اردو ترجمہ یا شرح کر کے شائع کرائی جائے تا کہ علاوہ عربی داں حضرات کے اردو خواں پبلک بھی علوم عربیہ اسلامیہ سے بالتفصیل آگاہ ہونے کے علاوہ اپنے حوصلہ اور استعداد کے موافق فائدہ حاصل کریں۔ ماہرین علوم پر مخفی نہیں کہ جس عظیم الشان امر کا

آپ نے بیڑا اٹھایا تھا' اس کا پورا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ اس کی انجام دہی میں استقامت قلب اور بڑے دل ودماغ کی ضرورت کے علاوہ فراغ مالی و جمعیت قلب کے ساتھ ایک غیر محدود زمانہ کی ضرورت تھی، تب جا کر ایک عرصہ دراز کے بعد یہ امر اہم بوجہ احسن سرانجام پاتا۔ اس امر اہم کے پورا کرنے کا ولولہ اور طبعی شوق آپ کے قلب میں نہایت پختگی کے ساتھ جاگزیں ہو چکا تھا، اور ہر وقت اس ملہم غیب کی بے نیاز اور بے چوں وچگون بارگاہ سے بصدق دل نہایت خلوص سے اس امر گرانبار کے اختتام کے خواہاں و متمنی رہا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے دفعتہً ایک ہی ساتھ بہت سی کتابیں ترجمہ یا شرح کے لئے شروع کر دیں، چنانچہ اس سلسلہ سے آپ نے متعدد کتابوں کے ترجمے اور بعض کی شرحیں لکھیں۔ اصول حدیث میں ''نخبۃ الفکر''۔ اصول فقہ میں نہایت دقیق اور جامع رسالہ ''مسلم الثبوت'' کی اردو شرح۔ صرف میں ''شافیہ'' نحو میں ''الفیہ'' علم معانی میں ''تلخیص مفتاح''، علم حکمت میں معلم ثانی ابونصر فارابی کی کتاب ''فصوص الحکم''۔ علم منطق میں شیخ الرئیس بوعلی سینا کے منظوم رسالہ ''عیون المسائل''۔ علم ہیئت میں ''تصریح''۔ علم کلام میں ''قصیدہ بدء الامالی'' وغیرہ کتابوں کی شرحیں نہایت عمدگی اور بسط سے لکھیں۔ علم تصوف میں ''لوائح جامی'' و''جوہر الحقائق''۔ علم مناظرہ میں ''مناظرہ رشیدیہ''۔ ریاضی میں ''خلاصۃ الحساب''۔ حکمت میں ''ہدیہ سعیدیہ''۔ منطق میں ''شرح تہذیب''۔ عروض وقوافی میں ''عروض المفتاح''۔ تہذیب الاخلاق میں ''بدایۃ الہدایہ'' وغیرہ وغیرہ کتابوں کے ترجمے نہایت سلیس اردو میں کئے۔ فقہ میں یہ خیال دامن گیر ہوا کہ سلیس اردو میں ایک مستقل کتاب جو قریب قریب تمامی کلیات فقہ واکثر جزئیات کو حاوی ہو مع دلائل تحریر کریں۔ بنابریں اس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا اور چند روز میں آپ نے اس کتاب کا

مقدمہ لکھا‘ جس میں رؤس ثمانیہ وموضوع علم کی بحث قابل مطالعہ ہے۔آپ کو جملہ علوم وفنون کو بالتفصیل بتلانا منظور تھا‘ لہٰذا آپ نے مرکوز خاطر یہ امر رکھا کہ اوّلاً دینی خدمت کو مقدم کی جاوے اور بعد فراغت اس دینی خدمت کے جملہ فنونات کی جانب عنان عزیمت منعطف کی جاوے۔ بنابریں حیات مستعار کو جو فی الحقیقت چند روزہ ہے‘ دینی خدمت میں اولاً صرف کرنے کو باعث وسیلہ نجات اخروی اور سفر آخرت کے لئے توشہ سمجھ کر علوم اسلامیہ دینیہ اور اس کے مبادی کی تسہیل وتیسیر میں خامہ فرسائی کی، چنانچہ مذکورہ بالا کتابیں آپ کو شرحاً یا ترجمۃً حل کرنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے بعض مکمل ہیں اور بعض ناتمام رہیں۔ بعدازاں بوجہ عوارضات مختلفہ یہ سلسلہ یک لخت منقطع ہوگیا اور آپ کو اس سلسلہ کی کامل کتابوں کے طبع کرانے اور ناتمام کتابوں کے پورا کرنے کا اتفاق نہ ہوا، بایں وجہ کتاب ہٰذا (ذخیرۃ العلوم یا حدائق العلوم) ناتمام رہی، ورنہ یہ کتاب اپنے فن میں اردو تصنیفات وتالیفات کے سلسلہ میں سب سے پہلی کتاب ہونے کے علاوہ تالیفات عالم کی مختلف شاخوں میں اپنا نظیر نہیں رکھتی‘ جس سے علماء سلف کے علمی کارنامے‘ ہر علم وفن میں کمال دستگاہ‘ دقت نظری وموشگافی کے اعلیٰ جوہر‘ صاف نظر آتی تاہم یہ ناتمام رسالہ اپنے آغوش میں بہت سے علوم وفنون کو لئے ہوئے ہیں۔ بایں وجہ اس کا طبع کرانا انسب سمجھا گیا جو باوجود اپنی ناتمامیت کے بھی علوم عربیہ کے شائقین کی دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔

معزز ناظرین! یہ امر مسلم ہے کہ جس نے دنیا میں قدم رکھا اسے ایک دن ایسا ضرور بالضرور پیش آنے والا ہے کہ جس دن اسے موت کا تلخ اور زہر آلود ساغر طوعاً ہوتو اور کرہاً ہو تو پینا ہوگا۔کون نہیں جانتا کہ دنیا اور اس کی جملہ چھوٹی بڑی چیزیں ایک دن صفحہ ہستی سے مٹ جانے والی ہیں۔ ہر شخص یقیناً جانتا ہے کہ خود میں اور جو کچھ میں کررہا ہوں یا آئندہ

کروں گا چندروز میں اس کا نام ونشان مٹ جائے گا اور صفحۂ ہستی پر ایک شمہ برابر بھی اثر باقی نہ رہے گا، کیونکہ دنیا کے عظیم الشان انقلابات اور حیرت ناک تغیر وتبدلات ہر وقت زبان حال سے گویا ہیں کہ بڑے بڑے اولوالعزم خدا کے پیارے اور برگزیدہ بندے دنیا میں آئے جنہیں چند روز اور صرف چند روز مسافرانہ زندگی بسر کرکے اپنے اصلی مرکز دارالبقاء کی طرف رجوع کرنا پڑا، ہزاروں عظیم الشان سلاطین اور دنیا کے مشہور اور نامور تاجدار کہ ؎

جن کی نوبت کی صدا سے گونجتے تھے آسمان
دم بخود ہیں مقبروں میں ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

اور جن کی سطوت وجبروت کے پرشوکت وشان دار جھنڈے چار دانگ عالم میں گڑے نظر آتے تھے، دیکھتے دیکھتے اس طرح غائب ہوگئے کہ آج ہزار کھوج کے بعد بھی جن کا پتہ نہیں لگتا ؎

تخت والوں کا پتہ دیتے ہیں تختے گور کے
کھوج چلتا ہے یہیں تک بعد ازاں کچھ بھی نہیں

انقلابات عالم کے حیرت ناک نمونے ہر وقت وہر آن ہمیں سبق پڑھاتے ہیں کہ دنیا حقیقت میں دو دروازوں کا ایک مکان ہے جس میں ایک دروازہ سے داخل ہوکر دوسرے دروازہ سے نکل جانا پڑتا ہے۔ اور جب یہ ہے تو جینا مرنا ایک معمولی بات ہے، اس پر خوش ہونے اور اس پر رنج کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

مگر صاحبو! جب کوئی فخر خاندان وقوم اور ہر دلعزیز شخص اپنے دل میں سینکڑوں آرزو لئے ہوئے عین عالم شباب میں دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو سنگ دل سے سنگ دل بھی دو آنسو

ڈال ہی دیتا ہے۔مولوی احمد میاں صاحب مرحوم نے جس دینی خدمت کو اپنا فرض منصبی سمجھ کر شروع کیا تھا اس باب میں آپ کو بہت کچھ امنگیں تھیں، لیکن سچ ہے ۔

ما کل مایتمنی المرء یدرکه تجری الریاح بما لا تشتهی السفن

ع ما در چہ خیالیم وفلک در چہ خیال

وَاللّٰهُ غَالِبٌ علٰی اَمْرِهٖ

افسوس کہ مشیت ایزدی متعلق نہ ہوئی اور آپ کی حیات مستعار کا مختصر پیمانہ لبریز ہو گیا۔ دو ماہ کی کامل علالت کے بعد مورخہ: ۷/شعبان ۱۳۲۷ھ بروز منگل مطابق :۲۴/اگست ۱۹۰۹ء آپ کی روح اس قالب جسمانی سے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔

آپ کی پیدائش مورخہ:۸/ یا ۹/ذیقعدۃ الحرام ۱۲۹۴ھ بروز چہار شنبہ ہے۔آپ کا تاریخی نام ''حفیظ الدین عاقل'' ہے۔آپ نے عین عالم شباب میں بعمر ۳۳/سال وفات فرمائی۔مادہ وفات آپ کا'' ادخله الحق فی جنة ''ہے۔اللهم اغفره وارحمه رحمة واسعة ' وسکنه فی الجنة جنة الفردوس ' آمین ، بجاہ النبی الامین۔

منصف علام مرحوم جناب مولوی احمد میاں صاحب نے ایک عزیز کو اردو نظم میں خط لکھا تھا، چونکہ اس خط میں آپ نے قومی ترقی وتنزل کے اصلی راز کو ظاہر کیا ہے' ونیز زمانہ حال کے قومی مفادوں کی اصلی حالت کا خاکہ' ونیز اس ملک گجرات کی عام معاشرت کا سچا فوٹو کھینچنے کے علاوہ مختلف مضامین موزوں کیئے ہیں، لہٰذا اس خط کے اول واخیر حصہ کو چھوڑ کر مابقی اشعار کو جن کے مضامین کو'' ذخیرۃ العلوم'' کے ساتھ چند وجوہ سے مناسبت تامہ ہے، اس رسالہ کے ساتھ چسپاں کرانا انسب سمجھا گیا جو امید ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کے موجب ہوں گے۔وھو ہٰذا:

قومی ترقی وتنزلی کا اصلی راز اور مصنف کا منظوم گرامی نامہ

یہاں کے ہیں احوال سب پر ملال | نرالی ہیں باتیں نرالے خیال
کسی کو ہے سودا کسی کو جنون | زمانے کی رفتار ہے ذو فنون
عجب شوق ہے اور عجب ذوق ہے | جسے دیکھو وہ آپ ہی فوق ہے
نہ ترس خدا ہے نہ بیم رسول | یہ سچ ہے، ہے انساں ظلوم وجھول
ہراک بن گیا ہے شتر بے مہار | دیا پھینک سب سے شریعت کا بار
شریعت کا رکھے نہ جب کوئی پاس | رہے کب وہ ان ناسپاسوں کے پاس
ہوا نیست سرمایۂ اتفاق | رہا ہے اگر کچھ تو بس اک نفاق
دلوں میں کدورت زباں پر ثنا | عجب ہوگئے ہیں پناہ ربنا
نزاع وشرارت ہے باخویش وغیر | کہیں بھی نہیں نام کو صلح خیر
جماعت کا شیرازہ درہم ہوا | ہر ایک خویش وبیگانہ برہم ہوا
مروّت وفا کا پتا بھی نہیں | ہوئے شوخ وخیرہ کہین ومہین
کرشمہ یہ طاعون کا ہے تمام | کیا سب کو بے باک وبے انتظام
یہ لائق تھا عبرت پکڑتے تمام | نتیجہ ہوا منعکس لا کلام
جو حالت کہ کل تھی نہیں آج ہے | فسونگر زمانے سے تاراج ہے
بصیرت گئی سب کی بالائے طاق | نہیں بہتری میں کوئی چست وچاق
نہیں حالت زار کی کچھ خبر | نہیں نیک باتوں کا دل پر اثر
تنزل کی رفتار ہے تیز تیز | ترقی کا رخ ہے براہ گریز
عداوت جو ہے خیر کی بیخ کن | دلوں کو کیا اس نے اپنا وطن

عداوت ہو سرمایہ قوم جب تو توقیر کا کب بنے وہ سبب
حسد قوم کا مایۂ ناز ہے تنزل کا یہ ایک ہی راز ہے
حسد گر نہ ہو قوم کو ہو عروج ہو قعر مذلت سے فوراً خروج
مگر ہے یاں اس کے برعکس کام ترقی سے بھائی کے جلنا مدام
ذرا ایک نظر سوئے یورپ کرو بری چال سے ان کے بے حد ڈرو
مگر چال ان کی جو بہتر ہے خوب نہیں ان کے لینے میں چنداں عیوب
ہماری ہی وہ چال ہے خانہ زاد ہوئے جس پر چلنے سے وہ بامراد
حسد کا نہیں ان کے دل میں قیام بہی خوا ہیں قوم کے وہ مدام
کروڑوں ہیں لیکن، ہیں سب ایک تن شریک مصیبت و رنج محن
اسی سے ترقی کے ہیں بام پر فدا قوم پر اپنے اور نام پر
گئی ہاتھ سے جب کہ اپنی وہ چال یکا یک ہوئے خوار اور خستہ حال
مگر ہند ہے اک نرالا جہاں جدا ہے زمین اور جدا آسمان
طریقے جدے ہیں جدی چال ہے کہ صنعت وحرفت کا بس کال ہے
زبان سے ترقی کی ہر سو پکار ہر اک سمت ہے نالہ وآہ زار
ہے آوازہ اس کا بہت دور دور مگر راستے کا نہیں ہے شعور
مجالس میں محدود ہے شور وغل تہی طبل ہے یا ہے بانگ دہل
مجالس سے باہر ہے دیرینہ طور یہاں کا اسی طرح چلتا ہے دور
نہیں وقت کی قدر وقیمت انہیں نہ تصنع پر کچھ بھی حسرت انہیں
یوں ہی وقت کھوتے ہیں اپنا تمام مجالس ہے سالانہ غایت مرام

کوئی جا کے پوچھو کہ اے صاحبو! ترقی اقوام کے طالبو!
تجاویز پارینہ پر کچھ عمل ہوا یا یونہی وہ تو تھیں برمحل
کہیں قوم ہے صاف غافل تمام شتابی مناسب نہیں والسلام
غنیمت ہے تاہم یہ جلسہ بھی خیر کہ چلتے تو ہیں گو ہیں معکوس سیر
عزیزی ترقی نہیں مال سے ترقی ہے بس حسن اعمال سے
جہاں میں کوئی ہوا نامور کیا دہر نے یا اسے تاجور
نہ دولت کی امداد کا تھا ظہور کہ دانش کا باطن میں تھا ان کے نور
اگر مال ہی باعث جاہ ہو یہودی جہاں میں شہنشاہ ہو
نہ ذلت کرے پاس سے بھی گذر مگر آج بدتر سے ہیں وہ بتر
جہالت کا سایہ ہے گجرات پر اسی میں وہ چلتے ہیں شام وسحر
نہ گاہے یہاں علم کا آفتاب ہوا پرتو افگن بصد آب و تاب
یہاں سے شعاعیں رہیں اس کی دور زمین کی یہ تاثیر ہے بالضرور
کسی وقت آیا نہیں ایسا دور ہوا ہو مضامین علمی پہ غور
نہ تاریخ ہے کوئی اس کی گواہ کہ گجرات کو تھا کبھی انتباہ
عجب آج کل اس کی رفتار ہے سراپا جہالت میں سرشار ہے
نہیں ایک رفتار پر بھی قیام شب وروز ہے اک نیا اہتمام
بدلتی ہے وقتاً فوقتاً وہ چال تغیر ہے ملحوظ نظر و خیال
بعجلت کریں ابتدا کام کی نہ ہرگز کریں فکر انجام کی
بلند حوصلہ سے کریں بدء کار بکیں یہ کہ اس کار کا کیا شمار
مگر جلد ہمت کو وہ ہار دیں بچارے غریبوں کو وہ ماردیں

یہ کیوں؟

نہیں ان میں کچھ علم وعقل وہنر مرکب جہالت کے ہیں یہ ثمر
بھلا بات کا بھی سلیقہ نہ ہو توقع رکھے کوئی کیوں کر کہو
کہ اس ہاتھ میں ہے ترقی کی باگ آلاپو اسی کا شب و روز راگ
حماقت ہوئی ہے کہیں راہ بر جہالت کا پہلو ہے تاریک تر
اگر زاغ ہو رہنما قوم کا تو تابع سزا وار ہے لوم کا
ہلاکت مقدر ہے اس کے نصیب یہی تجربہ ہے نہ امر غریب
جو تاجر ہیں مغرور ہیں بے تمیز بجز مال کے کچھ نہیں ہے عزیز
فقط مال ہے ان کا ایمان و دین وہی ان کا قبلہ ہے اک بالیقین
خدانے دیا علم جن کو ذرا سراپا تکبر ہے وہ نا سزا
نیا جن کا فیشن نئ چال ہے دگر گونہ ہی ان کا احوال ہے
شکیبا نہیں وہ نہو گر شراب اسی سے وہ خستہ ہیں اور ہیں خراب
رکھے امن میں ان کے شر سے خدا وہ ہیں دشمنان رسول خدا
کھڑے جب ہوں اسٹیج پر لا کلام تو روویں رلاویں ہر اک کو مدام
کریں وہ شجاعت کی ہجو ملیح علوم عتیقہ کو کہہ دیں قبیح
مگر وہ گریباں میں اپنے ذرا اگر دیکھ لیں کیا ہے اس میں بھرا
تو ہوں منکشف ان پہ احوال سب کہ ہیں ننگ اسلام کے وہ سبب
کجا دین کجا آپ کی گفتگو بھٹکے ہیں رہ سے بہر چار سو
ہے سرمایہ ان کا یہی قیل وقال روش ان کی آزاد ہے اور خیال
علی گڑھ سے پھیلی یہ ستمی وبا دی اس نے مسلمان کی گردن دبا

رسا عقل تھی دنیوی کام میں
بہت تیز تھی فکر انجام میں

مگر حیف دین میں ہوئے وہ دخیل
تراشے مسائل میں بس قال وقیل

حقیقت میں تھے دین سے بے نصیب
رہے اس میں قلاش ومفلس غریب

اُڑاتے نہ دین میں اگر کچھ قدم
تو ہوتا یہ ہند آج رشک ارم

مگر ہائے افسوس تقدیر پر
زمانے کے نیرنگ و تزویر پر

کہ جن سے توقع تھی بہبود کی
جواں مردی و ہمت و جود کی

وہ الٹی چلے راہ بے ترس وبیم
کہ نیکوں کے جس سے ہوئے دل دونیم

میں کہتا ہوں سچ یہ کہ سید اگر
نہ ہوتے جہاں میں تو یہ شور وشر

نہ ہرگز نمودار ہوتا کہیں
بہت عیش کرتے یہاں مسلمین

مگر تھا مقدر تو پھر کیا علاج
کرے کوئی اس کا بصد ابتہاج

خوشامد کی پالیسی تھی ان کی بس
بجز اس کے دل میں نہ تھی کچھ ہوس

خوشامد بھی کس کی گورنمنٹ کی
ہمیشہ تھی اس میں انہیں دل لگی

خوشامد نہ ایسی کہ عزت زیاد
ہو سب کی و بر آئے دل کی مراد

خوشامد مذمت کی تھی سر بسر
مذلت کا اس نے دیا بار و بر

جو عزت تھی پہلے وہ جاتی رہی
مذلت حکومت میں ان کی بڑھی

خلاف گورنمنٹ کوئی کلام
نہ منھ سے نکالو کہ وہ ہے حرام

اگر چہ سراپا ہو وہ عدل و داد
نہ بولو کہ بر آوے دل کی مراد

کرے داد خواہی تو ظلم و جور
یہ سید کی تھی انتہا فکر و غور

طوالت ہوئی خط میں از حد مزید
ہوا خط کا مطلب بغایت بعید

کراب سوئے مطلب اے احمد میاں
عزیمت کی کچھ انعطاف عناں

نوٹ:......حضرت مرحوم کی خدمت میں آپ کے کسی تلمیذ رشید.......لاجپوری رحمہ اللہ نے ایک تفصیلی خط لکھا تھا' اسے اس لئے شامل کیا جارہا ہے کہ ناظرین کو معلوم ہو کہ مرحوم کا اپنے تلامذہ کے ساتھ تعلق کس طرح تھا اور شاگرد کے دل میں حضرت استاذ کی عقیدت و محبت کیسی تھی۔مرتب

مکتوب گرامی: بنام حضرت استاذ الاساتذہ مولانا احمد میاں صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

حاوی فروع و اصول' جامع معقول ومنقول جناب استاذنا مولانا مولوی احمد میاں صاحب مدظلہ العالی۔

بعدآدائے آداب وتسلیمات کے دست بستہ التماس ہے کہ جناب بندہ تادم تحریر ایں نمیقۂ انیقہ بفضل ایزدی بہ ہمہ وجوہ بخیریت ہے،اورصحتوری حضور کی معہ ہمہ وابستگان از درگاہ ایزدی مطلوب۔

گذارش حال اینکہ حضرت! خاکسار نے ایک عریضہ خدمت اقدس میں ارسال کیا تھا، اس کے جواب سے شرف یاب ہونے کے لئے خاکسار نے اشدانتظار کر کے ایک دوسرا عریضہ یعنی ایک کارڈ خدمت عالی میں ارسال کیا،شاید آپ کی قدم بوسی سے مشرف ہوا ہو یا نہ، چونکہ آپ جامنگر تشریف لائے ہیں، دراں زماں مکان سے اور برادر مولوی سید عبد الحئ صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ جامنگر میں رونق افروز ہوئے ہیں، جس سے احقر کو بغایت تشویس رہی اور دل پراز رنج وملال، چونکہ کمترین کو پتے کی خبر نہ تھی اس وجہ سے عریضہ سے شرف حاصل کرنے میں مجبور رہا۔

غرض آج تک دل زار مضطر وبیقرار کو تھام تھام کے رکھا۔آج حضور والا جاہ کا سرفراز

نامہ دستیاب ہوا، دل پژمردہ از بہجت وسرور مثل شگفتہ گلِ گل لالہ کے ہوا، اور مضمون خط نے میرے دل مخدوش ومجروح کو اثر مرہم کافوری دکھایا، اور سیاہی حروف میری بصر وبینائی کے لئے عین روشنائی ہوئی۔ غرض مطالعہ شفقت نامہ سے خوشی وخرمی لانہایہ وبے غایہ حاصل ہوئی، جس کا بیان احاطۂ قلم وقرطاس سے باہر وحدومحدود سے خارج وامکان بیان سے مانع ہے۔ حضور آپ کی جلالت عظمت کے مقابل احقر کوئی چیز نہیں، آپ کا غلامان غلام ہے، اگر خداوند کریم اس احقر کو عمر نوح عطا کرے اور تمام عمر یہ آپ کی قدم بوسی کرتا رہے اور خاکپائے آں حضور مثل خاک طور کے اکحال چشم کرتا رہے تاہم مودی آداب عظمت وجلالت حضور نہیں ہوسکتا، یہ اظہر من الشّمس ہے نہ مجال قیل وقال۔ تاہم اس ناچیز کو آپ نے یہاں بھی دل سے نہ بھلایا حتی کہ آپ کی دلی شفقت ومحبت کے علاوہ عنایات روحانی نے بھی اپنا کمال دکھایا، باوجودیکہ احقر زنہار اس لائق نہیں، آپ کی فرط محبت نے مطالعۂ مضمون سرفراز نامہ سے دل احقر کو اثر مقناطیس کا دکھایا، جس سبب سے دل بیتاب مثل ماہی بے آب کے غم ہجراں سے تڑپ رہا ہے، مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ گردش زمانہ نے یہ فراق ڈال دیا، اگر خدا نے پر دیئے ہوتے تو جمال پاک وخدمت اقدس سے گاہ گاہ بھی شرف یاب ہوتا، آہ۔

جناب اس وقت میرے دل سے ایک آہ پرسوز نکلتی ہے کہ خدا کب بھلا کرے کا اس شخص کا، جس نے صورت انفکاک کی دکھائی۔ حضرت میں خوشی سے نہیں اظہار کرتا ہوں بلکہ ازغم واندوہ وعبرت کے اظہار کرتا ہوں کہ احقر کے غریب خانہ سے مجھ تک متواتر خبریں آچکیں کہ................شربت ممات کے جام سے سیراب ہوا اور راہی از فنا بہ بقا ہوا، ’’انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘ خدا اس کی مغفرت کرے۔

خیر حضرت! عام لوگوں کے واسطے جائے عبرت ہے، عام کیا بلکہ ہر کسی کو اس سے معتبر ہونا چاہئے۔

حضرت جب سے پڑھنا موقوف ہوا، مجھ کو اتنا غم تھا کہ جس کا بیان ممکن نہیں اور نہ دل سے میرے دعائیں بد نکلتی تھیں، اور یہی سبب ہے کہ مجھ کو غریب الوطنی اختیار کرنی پڑی، ورنہ حضرت آپ پر کوئی پوشیدہ نہیں، گذشتہ سال میں احقر کو پینتالیس روپئے کا مہینہ اور خوراک و پوشاک سب کچھ دینے کی شرط سے میرزا احمد نے موریس طلب کیا تھا، مگر خاکسار نے اس طرف کا رخ تو کیا خیال تک بھی نہ کیا، اور آج میں یہاں غریب الوطن' یگانوں سے بیگانہ' محبّ آشناؤں سے دور ہو گیا ہوں، اسی طرح برادر احمد میاں سلیمان کتھرادا وغیرہ کا دل کیا دعائیں دیتا ہوگا؟ سچ ہے اللہ تعالی مظلوموں کی دعا کو رد نہیں کرتا، بمقولۂ شاعر ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درحق بہر استقبال می آید

اور حدیث شریف کا بھی یہی مضمون ہے کہ: مظلوم کے دل کی آہ ظالم کو جلانے اور خاک کرنے میں اثر قوی رکھتی ہے، اور پھر طرہ یہ کہ مظلوم بھی عالم ہو اور دین کے امور اعلی میں رخنہ ڈالنا، پھر کیا باقی رہے؟ خیر خداوند کریم سب برادران مسلمانان کو رفیق توفیق خیر کرے اور اس مرحوم کو بخشے، آمین یارب العالمین۔

حضرت جب سے میں نے یہ بات سنی ہے تب سے میرا دل تہیہ کر رہا ہے کہ کاسوجی کی طرف ایک خط لکھوں اور ﴿ فاعتبروا یا اولی الابصار ﴾ اور شعر مذکور اور حدیث مسطور کے مضمون سے آگاہی دوں تاکہ ندامت ہو۔

حضرت! کلکتہ میں ندوۃ العلماء کا جلسہ تاریخ: ۶/ دسمبر سے: ۹/ دسمبر تک پے در پے ہوا

بندہ بھی تاریخ: ۷/اور: ۸/ر کے جلسہ میں حاضر ہوا تھا۔ازدحام کثیر تھا۔اپنا قریہ لاجپور جتنے عرض وطول میں ہے، ایسے وسیع میدان میں خیمے لگا کر، کرسیوں وغیرہ سے آراستہ کر کے اس میں جلسہ قرار دیا گیا تھا،اورارا کین ندوہ سے دو روپیہ کی ٹکٹ لے کراور طالب علم سے ایک روپیہ کی ٹکٹ لے کراور امراؤں سے پانچ روپیہ کی ٹکٹ لے کر داخل ہونے کو اجازت ملی۔

علماء کو بغیر ٹکٹ کے اجازت تھی ، بندہ جناب مولانا مولوی محمد عبد الماجد صاحب اور مولانا مولوی ضیاء حسین صاحب کی وساطت سے بغیر ٹکٹ کے داخل ہوا تھا۔

مولوی عبد الحق صاحب مصنف تفسیر حقانی نے ایک ساعت وعظ کیا،اوراس میں اہل اسلام کو عربی درس وتدریس کی اشد ضرورت ظاہر کی اور عربی درس وتدریس کے نفع اور فوائد ظاہر کر کے اس کی ترغیب دلائی۔

اور بعد اس کے مولوی شاہ سلیمان صاحب اور مولوی شاہ محمد رشید الحق صاحب، سجادہ نشین خانقاہ پٹنہ اور مولوی عبد الجبار صاحب عمر پوری اور مولوی سید عبد الرحمٰن صاحب اور مولوی عبد السلام صاحب اور مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی اور مولوی مسیح الزمان خاں صاحب وغیرہ علماء نے بہت بہت عمدہ وعظ بیان فرمائے۔

بعد اس کے مدرسہ ندوہ دار العلوم لکھنؤ کے تین سال کے تربیت یافتہ طلباء کا امتحان ہوا، امتحان کیا تھا؟ بہت ہی آسان تھا۔ پہلے تو ان کو عربی عبارت کے چھپے ہوئے پرچے دیئے گئے کہ ان کا ترجمہ بامحاورہ زبان میں لکھ کر لاؤ،اس میں ایک یہ شعر تھا ؎

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

دوسری ایک سلیس ’’نفحة اليمن‘‘ کی عبارت تھی اور تیسری ایک اردو عبارت لکھی تھی اس کا

عربی کرایا تھا، بعد اس کے ان کو زبانی پوچھا گیا کہ: ''لفظ'' کی تعریف کرو! ''لفظ'' اور ''کلمہ'' کا ما بہ الامتیاز بیان کرو! ''کلمہ'' اور ''جملہ'' کا ما بہ الامتیاز بیان کرو! ''اشکال اربعہ'' کے شرائط بیان کرو! ''قیاس'' کی تعریف کرو! اور وہ کتنی قسم پر ہے؟ ''حدود رسم'' کا ما بہ الامتیاز بیان کرو!

ان سوالات کے جوابات ہونے کے بعد مدرسہ عالیہ کے منتہی طلبا سے کہا گیا کہ ان سے ان کے احاطۂ علم میں جو چاہو سوال کرو! ایک طالب علم صاحب نے بڑی جرأت سے سوال کیا کہ: ''تعریف'' کی تعریف کرو! لکھنؤی طالب علم نے جواب دیا کہ حضرت آپ کا سوال ہی غلط، آپ کا سوال ظاہری' معنوی' لفظی سب طرح سے دور ہے، پہلے آپ سوال درست کیجئے! پھر جواب طلب کیجئے، !اس پر مجلس میں مضحکہ ہوگیا، مدرس عالیہ کو نہایت شاق گذرا، مجلس برخاست ہوئی۔

ندوہ کو یہاں اکثر لوگ بہت مذموم جانتے ہیں اور ان کے عقائد خلاف اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، مگر احقر نے تو ان کے وعظ و نصیحت میں کوئی خلاف اہل سنت والجماعت عقیدہ پایا نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

ندوہ کے مقابلہ میں ''جدوہ'' قائم کیا گیا ہے اور موسوم باہل سنت والجماعت ہے اور ان میں صدر جناب مولوی احمد رضا خان صاحب فاضل محقق بریلوی، مولانا سید شاہ عبد الصمد صاحب محمد شہسوانی، مولوی محمد بشیر الدین صاحب جبل پوری، مولوی ظہور الحسن صاحب رامپوری، مولوی دیدار علی الوری' رامپوری، مولوی سید شاہ اعظم شاہجہانپوری، مولانا وصی احمد محدث سورتی یعنی احمد آبادی، مولوی مؤمن صاحب سجادہ کانپوری، مولوی ہدایت الرسول صاحب، مولوی حسن رضا صاحب برادر فاضل محقق بریلوی وغیرہ ستائیس علماء جمع

ہوئے ہیں، اور یہ لوگ ناخدا کی مسجد کے قریب فدوی کے سیٹھ حافظ اسماعیل وغیرہ نے ایک کلب موسوم بہ ’’سورتی محمڈن کلب‘‘ قائم کی ہے،ان کے مکان کے نزدیک متصل مسجد ناخدا کی ہے‘اس میں مقام کیا ہے،مولوی ہدایت الرسول صاحب کا وعظ کیا ہے؟ایک ناول بیان کرتے ہیں، اس میں کچھ بھی توڈھنگ نہیں ،انہوں نے وعظ میں راندیری حافظ غلام محمد صاحب اور قاضی رحمت اللہ صاحب کی غیبت اوران کے سب وشتم کے سوااور کچھ بھی نہ کہا،اور کہا تو غایت درجہ یہ کہا کہ: رسول اکرم‘احمد مجتبیٰ‘ محمد مصطفیٰ ﷺ کوعلم غیب کل ما کان وما یکون کا حاصل تھااوراب بھی ہے، اور بہت جوش میں آکر کہہ دیا کہ مسلمانی فقط اس کا نام ہے کہ توحید کامل رکھےاوررسول مقبول ﷺ کی الفت دل سے رکھےتو وہ مسلمان ہے اوراس کونجات ہے،نماز‘روزہ کی اس کو ہرگز ضرورت نہیں ۔ لیجئے! حضرت یہ اہل سنت والجماعت لوگ ہیں،الامان۔زمانہ بہت نازک تر ہےخداوندکریم علماءکوہدایت کرے۔

غرض شہسوانی کا وعظ البتہ پرمغز تھا،اوران کے وعظ میں ایک ایسا اثر تھا کہ لوگ روتے تھے،اوراستماع میں ایسے مستغرق تھے کہ دنیا ومافیہا سے بالکل غافل تھے۔اورحقیقت میں ان کا وعظ بھی ایسا ہی تھا، اوران کے وعظ میں نہ افراط وتفریط،مگرتاہم وہ بھی رسول ﷺ کی غیب دانی کے قائل ومؤید تھے۔

نوٹ:......گرامی نامہ ناقص ہی موصول ہوسکا۔مرغوب

آپ کے ایک عزیز جناب مولوی محمد یوسف صاحب مدرس عربی مدرسہ اسلامیہ لاجپور کی ایک علمی نظم کی درخواست پر آپ نے چند اشعار فی البدیہہ اردو نظم میں موزوں کئے تھے جو مختصر تذکرہ ہونے کے اعتبار سے مناسب معلوم ہوا کہ کتاب ہذ کے اخیر میں جو تعلیم و تعلم کے باب میں ایک نفیس اور قابل قدر کتاب ہے چسپاں کردی جاویں۔

علمی نظم: از نتیجۂ طبع مولوی احمد میاں صاحب رحمہ اللہ

قوم تم غفلت شعاری چھوڑ دو — اپنے دل علم و عمل سے جوڑ دو
خوب سمجھو ہے جہالت ایک بلا — آیت ادبار ہے وہ بر ملا
علم اور عزت ہے توام جان لو — جہل و ذلت کو مرادف مان لو
ہے لغت میں معنے جاہل ذلیل — معنے عالم معزز اور جلیل
ہے حیاتِ دائمی اور علم ایک — جہل کو تم مرگ جانو نیک نیک
آج کل علم وعمل کا راج ہے — علم والی قوم ہی سرتاج ہے
جب مسلماں علم سے تھے بہرہ ور — مشرق ومغرب میں تھے وہ تاجور
مشرق ومغرب پہ تھا ان کا علم — یہ جہاں ان کے ہی تھا زیر قلم
علم سے یورپ کو غلبہ اج ہے — علم ہی کا سر پہ روشن تاج ہے
تم ذرا سوچو سبب اس کا ہے کیا — جس نے ان کو اوج پر پہنچا دیا
علم کا چرچا تھا واں شام وسحر — علم ہی میں منہمک تھا ہر بشر
علم تھا اور قوم میں تھا اتفاق — تفرقہ عنقا تھا نادر تھا نفاق
مدرسے تھے جابجا اور کو بکو — الغرض تھی علم ہی کی جستجو
علم ہے آرایش کون و مکاں — علم سے قائم زمین و آسماں

خواہش عزت ہے تم کو کچھ اگر — سعی سے حاصل کرو علم و ہنر
باہنر نر بے ہنر خر فی المثل — اہل حکمت افضل و اعلی اجل
زندگی بے علم کی دشوار ہے — پیش عاقل وہ ہمیشہ خوار ہے
گر ہو خواہاں دارین کے — شرف وعزت آبرواور زین کے
علم سیکھو علم ہے حاجت کی چیز — شخص ہو جاتا ہے اس سے باتمیز
اس پہ ہے موقوف تقوی خیرزاد — ہو مرید اس کے کہ ہے نعم المراد
سعی حتی الوسع اس میں تم کرو — شوق میں اس کے جیو بھی اور مرد
رتبۂ عالم ہے بالا تر عزیز — علم سے بڑھ کر نہیں ہے کوئی چیز
غایت بعثت ہے بس تلقین دیں — تھے معلم انبیاء و مرسلیں
کاروبار دنیوی کا انصرام — دین کے کل کام کا بھی اہتمام
علم ہی سے اے برادر خوب ہو — اہل اس کا کیوں نہیں مرغوب ہو
ہیں بنی آدم مکرم از علوم — ورنہ ہیں وہ فطرۃً جاہل ظلوم
تھے ملائک بوالبشر سے بے خبر — رتبۂ آدم سے تھے محجوب تر
حق نے قائل علم سے ان کو کیا — پیش آدم سجدہ کا فرماں دیا
جھک پڑے جملہ عباد مکرمون — آدم خاکی کے آگے سرنگوں
علم کے جوہر کی تھی ان کو قدر — علم دیکھا جھک پڑے سب نامور
شوخ ہوتے مارتے شیخی اگر — خواری وذلت سے ہو جاتے بدر
خاک تھے اور نور سے فائق ہوئے — قرب حق کے علم سے لائق ہوئے

تاریخ وفات حضرت مولانا احمد میاں صاحب لاجپوری

از: حضرت مولانا سید قاضی عبدالحئی صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

بود در ہر علم فاضل مولوی احمد میاں
مثل تو در ہر صفت ہرگز نہ دیدم در ایں مکاں
بس فقیہ و ہم محدث بس مفسر تو شدی
شد حلیم و ہم کریم و مہر در دوستی
نیست در علم فرائض مثل تو در ایں ضلع
دستگاہت بود کامل بر نوشتن مسئلہ
عالم منقول و معقول حاوی فرع و اصول
شغل تو تدریس و تالیف و کتب بنی حصول
فاضل علم تصوف تو شدی اے مولوی
استعدادت بود کامل مثنوی مولوی
شرح کردی عقد را پس ہدیہ کردی پیش دوست
پیشوائے در شریعت ہم طریقت ریب نیست
آں سوا اکثر کتب تصنیف کردی بعد رفت
پس ازاں مرغوب آں در رشتۂ تشہیر سفت
ہر چہ در دل آیدش آں نظم میکرد زود
در زباں پارسی خواہی و ہم عربی وجود
خندہ رو خوش خلق بود آں مرد بس صاحب وقار

عقل کامل فہم وافر ہمت اسفندیار
غور راسخ رائے واثق واقعی میداشت او
صد ہزاراں افسوس کان مروچنیں پس رفت او
حاش کلا راست گویم کان صاحب عالی خیال
شد عقیل و ہم زکی و نیک طینت خوش بحال
او نہ رفت بلکہ جہاں رفتہ است اے صاحب عقول
موت عالم موت عالَم راست است قول رسول
احمد تو از جہاں رحلت گزیں در باغ رفت
کرد مارا در لحد جنت روی عدن خفت
آہ بر مرگ تو کردم در شباب اے نیک خو
داد پاسخ لفظ لبیک پیش عزرائیل او
سن بتر حیلش بمن پرسی کہ آں گویم ترا
یک ہزار و سہ صد و ہم بست و ہفت گیر اے فتی
جائے مولد نیز مرقدش لاجپور آمد نشاں
زیر ہیچیں حکم راں نواب ابراہیم خاں
الٰہی عبد الحیٔ دارد چنیں از تو امید
ہمشینی مثل دنیا کن بہ فردوس اے وحید

مرثیہ بروفات: حضرت مولانا احمد میاں صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

آج کیوں ہیں منقلب دور قمر — کیوں جہاں ویراں ہمیں آوے نظر
کیوں دریدہ جیب ہیں اہل فلک — چاک داماں کیوں ہیں اہل لاجپور
کیوں زمیں سے تا فلک آہ و بکا — عالم حیرت میں کیوں دیوار و در
کیوں شگفتہ گل ہوئے پژمردہ دل — بلبلوں کو آج کیوں سوز جگر
کیوں دل لالہ ہوا آلودہ خون — سرنگوں بر زمیں کیوں لعل و گوہر
نیلگوں کیوں صورت چرخ بریں — کیوں شفق نے کر لیا خونیں جگر
کیا کوئی عالم ہوئے رحمت گزیں — جو لباس ماتمی ہے گھر بہ گھر
آہ وہ ہادئ دیں احمد میاں — کر گئے ہیں دار فانی سے سفر
آہ ایسے مرد عالی حوصلہ — کوس رحلت بجتے ہی باندھی کمر
عالم صورت و معنی آپ تھے — رہنمائے دین کے تھے راہ بر
عندلیب گلشن علم و عمل — ہادی دین نبی خیر البشر
منبع جود و کرم بحر سخا — مجمع اخلاق و نیکو خوش سیر
عالم معقول و منقول و بیان — معدن فقہ و اصول و ہم خبر
نو نہال گلشن ہستی کے تھے — مرغزار گلشن علم و ہنر
نیّر برج ہدی استاد کل — آہ وہ خورشید تاباں خوب تر
شاد وخرم چل دیئے لیکن یہاں — کر گئے لاکھوں کو مضطر نوحہ گر
تھے حلیم الطبع ذی عقل سلیم — پارسائی میں بھی تھے مشہور تر
چتر رحمت سر پہ ان کے ہوجیو — لباس مغفرت زیب کمر

شاد و خرم عالم برزخ میں ہو اور ہو خلد بریں ان کا مقر
ربنا ادخلہ فی دار السلام ربنا احفظ من نار السقر
ناگہاں آئی ندا رضوان سے قبران کی ہوجیٔے رحمت سے پر
۱۳۲۷ھ

قاطع البدعت محبّ سنت پیغمبراں

آہ واویلا دریغا حسرتا احمد میاں رفتیٔ سوئے بقا کردہ ہمہ راغم فشاں
بلبل و قمری ہمہ گفتند با آہ و فغاں آہ در باغ جہاں باقی نماندہ جز خزاں
غنچہ غنچہ جامہ در ہر گل شگفتہ بیقرار در فراق مولوی احمد میاں عالی نشاں
اشک بارو پرالم برمرگ او جن و ملک روسیاہ ماہ منیر از ماتم احمد میاں
آہ آں نیکو شیخ ذی عقل مرد با حیا روی از دار فنا کردہ بسوئے آسماں
ماہر ہرفن بدے برفرق او تاج ادب بُد حلیم الطبع نیکو خلق مرد نکتہ داں
وا در جود و کرم برخوان او خواص و عام چشمہ علم و حکم جاری شد در ہر مکاں
معدن عقل و ہنر گنجینہ رائے مصیب پائے بوسیدے اگر بودے فلاطون زماں
قاطع البدعت محبّ سنت پیغمبراں پیروے برراہ شریعت بود آں احمد میاں
کاظمین الغیض بس نازل شدہ درشان او ہرکس وناکس زا خلاقش حمیدہ شادماں
الید العلیا بود ادنی صفت آن مرد حق چوں نگرید برچنیں مرد متین روح رواں
اے زمین لاجپور از من شنو یک مژدہ آں مہر تاباں شدہ از تو عیاں در تو نہاں
سال ترحیلش شنو از ناظم آشفتہ حال گریہ وزاری کند از موت آں کرو بیاں
مصرع تاریخ رحمت گفت ہاتف نیز ایں چوں نگرنید برچنیں مرد نیکو کرو بیاں

آہ وہ ہادی دین دنیا سے راحل ہو گئے

ج جوف قالب سے کیا جب روح احمد نے سفر
ن نالہ و آہ و بکا کرتے ہیں سب مرد و زناں
ت تاب سے بیتاب ہیں بس ہجر احمد کے ہم
ح حضرت مجنون بھی گریہ ہوتے تو ہوتے غم فشاں
ق قابل و لائق بھی بس چرخ بریں کے ظلم سے
م موت کے پھندے میں آخر پھنس گئے ہیں بے گماں
ی یا الٰہی ہوجیو رحمت سے پر ان کا مزار
ن نور بھی برسائے اور ہوں ہمیشہ شادماں
ر روز و شب تھے طاعت یزداں میں بستہ کمر
ہ ہائے ایسے عالم و زاہد نے چھوڑا ہے جہاں
ی یہ تعجب خیز سانحہ ہائے دنیا میں ہوا
ن نالۂ و فریاد میں ہے عندلیب بوستاں
ا آہ وہ ہادی دین دنیا سے راحل ہوگئے
ح حق ہے برساوے زمین پر خون ہمیشہ آسماں
م محفل علم و عمل کے شمع جو تھے ماہر و.....
خالی مکاں
م مجمع جنو ملک میں ہے دعا........

ا اب تو ہم بھی یا الٰہی متفق ہیں ان کے ساتھ
ن نور سے بھرپور ہو ان کی قبر بس ہر زباں
ع عادت حق ہے ہمیشہ بخشش و غفران کی
ا آپ کو بھی پردۂ غفران میں رکھے شادماں
ل لب پہ جان ہے ہر کس و ناکس کی ان کی موت سے
ی یاس و حرماں سے ہمیشہ دیدۂ گریہ کناں
ن نگہت گل میں بسے یا رب ہمیشہ ان کی روح
ش شادمانی میں رہیں یا رب ہمیشہ شادماں
ا آیئے اے رحمت حق مرقد احمد میں تم
ن ناظم غمگین پر بھی ہو تیو سایہ فشاں

مثنوی کے انداز پر ایک فارسی مرثیہ

از: حضرت مولانا محمد بن یوسف صاحب دیوان لاجپوری رحمہ اللہ

چیست امروز ایں کہ بینم چوں قیامت شور وشر — ہر جوان و پیر و کودک ہم زناں را جامہ در
اے فلک گریہ کن وخوں بار بر روئے زمین — بر وفات پیشوائے ہادی دین مبیں
عالم و فاضل عقیل وہم خلیق وبس حلیم — ہم ذکی وہم فہیم وہم سخی وبس کریم
ہم جوان وہم شجاع حسین و خوبرو — ہم امین و دور بین وبس مدبر نیک خو
آہ رحلت کرد از دار فنا احمد میاں — ہفتم شعبان روز ماتم است ہم زناں
صد ہزاراں گر بمردے غم نہ بودے ایں چنیں — فوت عالم فوت عالم راست دان قول ایں
کس نہ بینم مثل تو حق گوئی در سورت ضلع — آہ وصفت تا کجا گویم نہ گنجد در سجع
کیست اندر ملک ما فتوی نویسد بے طمع — آہ بس گجرات شد تاریک از فوت شمع
بے اجر تعلیم دیں گیرند مخلوق از کدام — در علوم نظریہ او بردہ سبقت از انام
او نرفتہ لیک مارا زندہ اندر گور کرد — در ہمہ عالم فغان وآہ وگریہ شور کرد
مرغ جانم آہ می خواہد پریدن از جسد — دل بدستم ہم نماند واز غم تو می تپد
سیدی از چشم ما پنہاں کجا تو گشتہ — در بلا انداختی مارا و تو خود رفتہ
تو حفیظ الدین عاقل بود از بدء وجود — در حیاتت شد ہمہ عالم زعمرت حی بجود
یا الہی ایں چنیں دارد ظہیر از تو امید — قل بفضلک کان مغفورا حمید ویا مجید

(ماخوذ از: ”گلشن یوسفی“ ص۴۳)

قطعہ تاریخ وفات، بر صوری مصنف مرحوم

از نتیجہ طبع فکر رسا منشی، یکتا شاعر، بیہمتا، سیادت پناہ، فضیلت دستگاہ، جناب مولوی سید تجمل حسین صاحب فضلی بھروچی رحمہ اللہ

مولوی احمد میاں چوں کرد رحلت از جہاں — بر وصال پر ملالش چوں نگرید آسماں
نیک طینت نیک سیرت صاحب عالی خیال — خندہ روخوش خلق آں مردوستان را مہربان
عالم و فاضل مقرر صاحب فکر رسا — خوشہ چیں مجلسش بودند جملہ ایں و آں
رائے صائب فکر ثاقب واقعی می داشت او — پیر در تدبیر بود و عقل و اقبالش جواں
شغل تدریس وکتب بنی غذائے روح او — بود مرد فلسفہ داں فخر ابنائے زماں
فی البداہت نظم کردے ہر چہ دردل آمدے — دستگاہش تام بد بر فارسی عربی زبان
خطہ گجرات مے نا زید بر علم چناں — جامع معقول و ہم منقول مرد نکتہ داں
مولدوہم مرقدش یک موضع دارالسرور — جائے مردم خیز دلکش لاجپور آمد نشاں
از توابع ہائے سورت تحت نواب سچین — شد مڈورا رود بارش خرد از پہلو رواں
این چنیں مرد متیں افسوس درعین شباب — ہمعنان رحمت حق گشت ورفتہ از جہاں
سال تر حیاش ز فضلی گر مبرسی اے نکو — یک ہزار و سہ صد و ہم بست ہفت از ہجرداں
یوم سہ شنبہ مع شعبان بروز ہفت میں — بر تقاضائے ملک لبیک گفت و داد جاں
روح آن والانژادار چہ پر دازیدہ است — وقت عصر و قبل وسطی از تن آں خوش بیاں
شد غروب آفتاب علم میگوئی تواں — بعد مغرب چوں کہ آمد در زمیں تدفین آں

فتاوے اور مختلف مضامین

برادر مکرم مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا عبد القدوس صاحب رحمہ اللہ اور مولانا حکیم عبد الحق صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے کتب خانہ سے پرانی فائل و کاغذات کے ذخیرے سے حضرت رحمہ اللہ کے چند فتاوی و مضامین وغیرہ ارسال فرمائیں، ان میں سے بعض یہاں نقل کئے گئے ہیں۔

نوٹ:......بعض جگہوں پر تحریر باوجود سعی کے سمجھ میں نہیں آئی وہاں اس طرح..........کے نشان لگادئے گئے ہیں۔ مرغوب

وصیت' وارث اور غیر وارث میں جامع ہوتو؟

س:......کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص نے مرض موت میں' جماعت مسلمانوں کے چند معتبر آدمیوں کے روبرو' یہ وصیت کی کہ میری کل ملکیت میرے صغیر لڑکے کی میرے بعد ہے' اور اگر وہ نہ رہے تو میری عورت کی ہے' اور اگر وہ بھی نہ رہے تو میری کل ملکیت میں نے مسجد میں دیدی۔ پھر وہ مرگیا' بعد اس کے اس کا صغیر لڑکا جو تھا وہ بھی مرگیا، اب فقط اس کی عورت باقی ہے' سو اب اس کا کیا حکم؟ اور اس کے کل مال کی وہ عورت مالک ہو کے برباد کرتی ہے۔ اب مسجد کے لئے جو وصیت ہے اس کا کیا حکم؟ بینوا توجروا۔

ج:......جب تک ورثہ کی اجازت متحقق نہ ہو وصیت وارث کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور غیر وارث کے لئے ثلث تک کی بغیر اجازت کے' اور ثلث سے زیادہ کی باجازت ورثہ جائز ہے۔ صورت مسئولہ میں موصی وارث اور غیر وارث میں جامع ہوا ہے، اس لئے ثلث مال میں مسجد کے لئے وصیت صحیح ہے، لیکن یہ وصیت لڑکے اور عورت کے نہ رہنے کے ساتھ مشروط ہے، اس لئے جب تک عورت رہے گی' نفاذ وصیت کا حکم نہ کیا جائے گا۔ مال کے دو ثلث' فی الحال وارثوں میں تقسیم کر دیئے جاویں، اور ایک ثلث مسجد کا علیحدہ کیا جاوے، اس ثلث مال کی آمدنی جب تک عورت رہے وارثوں میں بحکم شرع تقسیم کی جاوے، عورت کے نہ رہنے کے بعد پورا ثلث مسجد کا ہے۔ ''فتاویٰ تنقیح الحامدیہ'' میں ہے

''والوصیة للوارث لا تجوز الا باجازة بقیة الورثة ولو خرجت من الثلث و لغیر الوارث تجوز من الثلث''۔

اور جمع کی صورت میں فرماتے ہیں:

’’ وما زاد علی الثلث یصیر ملکا للورثة علی قدر سهامهم ‘ وما خرج من غلة الثلث یقسم بین الورثة جمیعاً علی فرائض اللّٰه تعالیٰ ماعاش بعلمها المذکور ‘ فاذا مات صرفت غلة الثلث کلها لجهة البر المذکورة ثم وثم علی ماشرطت‘‘۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

’’واذا لم تخر الاخت بطلت الوصیة للورثة تجوز لاولادهم و اولاد اولادهم ‘ غیر انه انما وصی لاولاد الاولاد بعد موت الورثة کانه قال : اوصیت لاولاد اولادی بغلة هذا المنزل بعد خمس سنین وذلک جائز ‘ والوصیة بالغلة للابنتین وان بطلت فالمنزل وقف علی حاله ‘ فاذا جاء ت نوبة اولاد الورثة صرفت الغلة الیهم ، واللّٰه اعلم‘‘۔

جب عورت مال کو برباد کرنا چاہتی ہے تو ان اوصیاء کو لازم ہے کہ اگر ورثہ اس وقت ثلث مال بحوالہ مسجد کرنے پر راضی ہوں تو مسجد میں ثلث مال لے لیویں، اور بصورت عدم رضامندی احدالورثہ اوصیاء موصوفین ثلث مال اپنے قبضہ میں لے کر عورت رہنے تک اس مال کی آمدنی ورثہ میں شرع شریف کے موافق تقسیم کریں‘ ثلث مال جو حق مسجد ہے اسے برباد نہ کرنے دیں، واللہ اعلم۔

بندہ احمد میاں بن صوفی سلیمان عفی عنہ

المجیب مصیب الجواب صحیح

مرغوب احمد عفی عنہ عبداللہ عفی عنہ

بیہودہ الفاظ پر کفر کا حکم لگایا جائے گا؟

س:...... چند لوگ ایک محلے میں (جس میں کہ ایک طرف انگریزی باجا اور ڈھول بھی بج رہے تھے) شب کو مجتمع تھے، اور اسی کے متصل دوسرے محلے میں مجلس وعظ منعقد تھی، تو ایک شخص ان میں سے بولا کہ یہ لوگ کیا واہی ہیں؛ یہاں قریب وعظ ہو رہا ہے اور پڑوس میں مسجد ہے، جماعت عشاء کی تیاری ہے، پھر بھی بجایا کرتے ہیں۔ تب ان میں سے ایک شخص بیساختہ بول اٹھا کہ اگر ایک طرف مجلس وعظ ہو اور وہاں ایک طرف ڈھول بجا رہے ہوں تو کیا میرا فلانا کٹ جاوے، فحش کلمہ بولا، سو یہ کہنا اس کا کیا کفر ہوا؟ اور اس کی عورت بائنہ ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

ج:...... جاننا چاہئے کہ کفر بڑی چیز ہیں، اگر کوئی روایت بھی عدم کفر کی موجود ہو تو اس شخص کو کافر نہ ٹھراویں، کافر ٹھرانا اسی صورت میں ہے کہ اس کے کفر پر تمام مشائخ متفق ہوں۔

''درالمختار'' میں ہے:

''والفاظ تعرف فی الفتاوی بل افررت بالتالیف مع انه لایفتی بالفکر بشئی منها الا فیما اتفق المشائخ علیه''

اور شامی میں ہے:

''وفی الفتاویٰ الصغری : الکفر شئی عظیم فلا اجعل المؤمن کافرا متی وجدت روایة ان لا یکفر''

اور جس مسئلہ میں چند وجوہ موجب تکفیر ہوں اور ایک وجہ مانع تکفیر ہو تو مفتی کو لائق ہے کہ وجہ مانع تکفیر کی طرف مائل ہو اور تاویل کرے، مگر جب وہ خود موجب کفر کے ارادے کی تصریح کرے، جیسا کہ شامی میں ہے:

’’اذاکان فی المسئلة وجوہ توجب التکفیر ووجه واحد یمنعه‘ فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم ، زاد فی البزازیة : الا اذا صرح بارادة موجب الکفر فلا ینفعه التاویل‘‘

اور جب وہ شخص خود اپنے کلام کا مؤول ہو اور اس کا حمل محمل صحیح پر بھی ہوسکتا ہو تو اس کو محمل صحیح پر حمل کریں‘ ورنہ بناچاری اس کے کفر کا حکم دیویں۔ مفتی اس قاعدے کی اس باب میں رعایت ضرور کرے۔ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ’’ردالمحتار‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’وفی التاتارخانیة : لا یکفر بالمحتمل ، لان الکفر نهایة فی العقوبة ، فیستدی نهایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نهایة‘ والذی تحرر انه لایفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن أوکان فی کفرہ اختلاف ولو روایة ضعیفة‘ فعلی هذا فاکثر الفاظ التکفیر المذکورة لا یفتی بالتکفیر فیها‘ ولقد الزمت نفسی ان لا افتی بشئی منها ، انتهی کلام البحر باختصار‘‘

اب صورت مذکورہ میں بیشک قائل کو اس طرح بیہودہ کلمے اپنی زبان سے کہنا سزاوار نہیں تھا، لیکن اس کو محمل راست پر حمل کرنا اس طرح ممکن ہے کہ مراد قائل کی یہ ہے کہ اگر اس جگہ بھی بجاویں اس میں اپنا کیا نقصان ہے؟ جو کچھ گناہ ہوگا وہ ان کو ہوگا جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ اگر فلاں یہ کام کرے تو ہمارا کیا ٹوٹ جائے گا‘ تو مراد یہی ہوتی ہے کہ ہمارا کیا نقصان ہوگا‘ اس کا وبال اسی پر ہے۔ پس بنابریں وہ قائل کافر نہیں ہوا‘ اور اس کی عورت بائنہ نہیں ہوئی‘ اسی کے نکاح میں ہے، لیکن چونکہ زبان سے بیہودہ کلمے کہے، سو وہ توبہ کرلے اور احتیاطاً تجدید نکاح کیا جاوے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ احمد میاں عفی عنہ

گرامی نامہ: بنام حضرت مولانا سیدعبدالحئیؒ صاحب

عورت کی قبر پر پردہ کا حکم استحبابی ہے یا وجوبی؟

برادر مولوی عبدالحی صاحب

السلام علیکم ورحمة الله برکاته

میں تادم تحریر نامہ بخیریت ہوں اور خیروعافیت مطلوب۔

عزیرمن خط آپ کا پہنچا، کیفیت مندرجہ سے آگاہی ہوئی، اگر عورت کے بدن سے کسی حصہ کے ظہور کا ظن غالب ہوتو بعضوں نے تصریح وجوب تسجیہ کی ہے، ورنہ تسجیہ قبر عورت مستحب ہے۔ ''شامی'' صفحہ نمبر:۹۳۶ر میں ہے:

''ویسجی قبرها أی بثوب ونحوهٖ استحباباً حال ادخاله القبر حتی یسوی اللبن علی اللحد كذا فی شرح المنیه ' والامداد ، ونقل الخیر الرملی ان الزیلعی سرح فی كتاب الخنثی : انه علی سبیل الوجوب ' قلت ویمكن توفیق بحملهٖ علی ما اذا غلب علی الظن ظهور شئی من بدنها تأمل''

اور شرنبلالی رحمہ اللہ ''مراقی الفلاح شرح نورالایضاح'' مطبوعہ مصر کے صفحہ نمبر:۱۰۴ر میں کہتے ہیں: ''ویستحب ان یسجی أی یعتر قبرها ای المرأة یعتر لها الی ان یسوی علیها اللحد لا یسجیٰ قبره ' لان علیاً رضی الله عنه مر بقوم قد د فنوا میتا و بسطوا علی قبره ثوباً فخذ بهٖ وقال انما یصنع هذا بالنساء''

اور طحطاوی نے اس کے حاشیہ میں محیط سے نقل کیا ہے کہ: جب عورت کو قبر میں رکھ دیں تو پھر تسجیہ کی کچھ ضرورت نہیں ہے، چنانچہ عبارت اس کی یہ ہے: '' قوله الی ان یسوی

علیه واللحد وفی المحیط اذا وضعت فی اللحد استغنی عن التسجیة قهستانی ‘‘

اورکبیری شرح منیہ کے صفحہ:۵۵۱/ میں ہے:’’ یستحب تسجیة قبر المرأة بثوب حال ادخالها القبر حتی اسوی اللبن ونحوه ‘ ولا یستحب فی حق الرجل عندنا ‘ لما روی عن علی انه مر بقوم قد دفنوا میتاً وبسطوا علی قبره ثوبا فجذ بهٖ وقال انما یصنع هذا بالنساء ‘ وشهد دفن ابی زید الانصاری فخمر القبر بثوب فقال عبد الله بن انس : ارفع الثوب تخمر النساء ، وانس شاهد علی شفیر القبر ولم ینکر علیه ، وفیه (أی فی استحبابه للرجل) خلاف الشافعی ‘ وقد تمسک بحدیث ضعیف اعترف بضعفهٖ النووی ‘‘۔

اور تصحیح نقل یہ ہے کہ قول کی نسبت منقول عنہ کی طرف صدق کا بیان کرنا.......جو ناقل کی جس قول کی منقول عنہ کی طرف منسوب کی واقع میں اس کی طرف منسوب ہے۔

عزیز من! آپ کا خط آج بعد دو پہر پہنچا اور آپ نے آج ہی جواب طلب کیا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ آج ہی دو پہر سے میرے سر میں درد بشدت شروع ہو گیا، اور آپ کی طرف سے ضروری تاکید اس کشاکشی میں جو کچھ لکھا گیا وہ روانہ کر دیا گیا ہے۔

سید عمر صاحب کا ایک خط پہنچنے کا آیا تھا، سو معلوم کریں۔ جمیع اعزہ واحباء کی خدمت میں تسلیمات پہنچے، فقط۔

راقم بندہ: احمد میاں بن سلیمان صوفی غفرلہ

میرزا حیرت صاحب کے نام ایک مفید مشورہ پر مشتمل گرامی نامہ

میرے مکرم دوست میرزا حیرت صاحب سلامت

سلام مسنون بعد! مؤرخہ: ۲۳؍ اگست ۱۹۰۸ء (آپ کے اخبار میں) آپ کے والدین کے انتقال پر ملال کی خبر میں نے نہایت افسوس کے ساتھ پڑھی" انا للہ و انا الیہ راجعون " ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا " ارحم الراحمین ان کو غریق رحمت کریں۔

..................طالت سلامته یوما علی آلة الحدباء محمول

بجز صبر و شکیبای کوئی چارہ نہیں، فصبر جمیل و اللہ المستعان۔

بے شک والدین کا وجود فرزندوں کے لئے رحمت مجسمہ ہے، خوش نصیب ہے وہ فرزند جس کے والدین اس سے زندگی میں خوش رہے، اور جب وقت رحلت قریب ہوا تو دل سے دعا دیتے ہوئے کوچ کر گئے۔

نرفت از جہاں آں گرامی بدرد کہ چوں تو خلف نام بردار کرد

اگر واقعی آپ کے والدین دعا دیتے ہوئے رحلت فرما گئے تو میں آپ کو نہایت زور سے یہ بشارت دیتا ہوں کہ آپ دنیوی زندگی کے دن نہایت عزت سے گذاریں گے، اور بداندیش کے تمام شر سے ہمیشہ مامون و مصئون رہیں گے، میں تو یہی دعا کرتا ہوں۔

غم از گردش روزگارت مباد وز اندیشہ بر دل غبارت مباد

میں قبل ازیں مؤرخہ: ۲۴؍ کو ایک خط ارسال کر چکا ہوں، جس میں اپنے.........کی تحریر سے دل کا مطمئن ہونا لکھا گیا ہے، وہ صرف ان کے اس لکھنے پر تھا کہ: "میرزا صاحب کو توہین عدالت کے جرم میں سو روپیہ جرمانہ ہوا تھا، مگر وہ اپیل میں معاف ہو کر واپس مل گیا" اخبار مؤرخہ: ۲۳؍ سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ لکھنا قبل از وقت تھا، مگر انشاء اللہ از روئے

انصاف ایسا ہی ہوگا۔

مکر ما! مجھے آپ سے ہر ایک معاملہ میں دلی ہمدردی ہے، اگر چہ اس کے اظہار سے میں قاصر ہوں، مگر ہمدردی اظہار پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اظہار غالبا گونہ شائبہ تصنع سے خالی نہیں ہوتا۔

میری ناقص رائے میں تو ایک سو روپیہ جرمانہ کا غل غپاڑہ کی اس قدر جلدی اشاعت چنداں ضروری نہ تھی۔ اور چاندوخانہ کے فرضی جج کی خیالی فیصلہ کی اشاعت تو نہ صرف غیر ضروری بلکہ لغو اور فضول تھی، میرے خیال میں تو اب آپ ہمچو قسم مباحثات سے اپنے اخبار کے کالم بالکل پاک رکھیں۔

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ اگر واقعی آپ کا عقیدہ یہ ہو گیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے' تو اس عقیدہ سے باز آویں اور اس کے متعلق کبھی کچھ خامہ فرسائی نہ کریں، نہیں آپ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہیں ع

''چشم ماروشن دل ماشاد''

اور شوق سے اپنا زور قلم بھی دکھاویں، مگر اخبار میں نہیں، بلکہ علیحدہ رسائل میں ان مبحث کو شائع کریں۔ مکر ما! کیونکہ اس پر آشوب زمانہ میں یہی بات قرین مصلحت ہے۔ جولانی زبان وقلم میں مصلحت زمانہ کا لحاظ رکھنا نہایت دانشمندی کا کام ہے۔ کتابی صورت میں اپنے خیالات یا دلائل یا تحقیق ظاہر کرنا چنداں موجب غوغا نہ ہوگا، ورنہ اخبار میں تو اس سلسلہ کا جاری رکھنا خطرہ سے خالی نہیں، دشمنی کا اضافہ ہوتا رہے گا اور دیگر مفید نتیجہ ہیچ۔ ع

''تمام پہاڑ کھودا ایک ایک چوہیا نکلی''

دانا دشمن اچھے ہوتے ہیں، مگر نادان دوست برے، چہ جائیکہ نادان قوم کا ایک جم غفیر

دشمنی پر کمر بستہ ہو جائے۔عوام کی قوت کچھ کم نہ سمجھئے ،کامیابی کا راز عوام کی قوت ہی میں پوشیدہ ہے،خواص جہاں کہیں کامیاب ہوئے ہیں عام کی قوت نے انہیں کامیاب کیا ہے، اگر عوام کی قوت ان کے شامل حال نہ ہوتی تو وہ ہر گز کامیابی کی صورت نہ دیکھتے،اگر آپ کی تائید میں ایک چھوٹی سی جماعت بھی کمر بستہ ہو جاتی تو میں کبھی ایسا مشورہ دینے کی جرأت نہ کرتا،مگر جہاں تک میں معلوم کرسکا ہوں اس کی غایت یہی ہے کہ کوئی فریق بھی آپ کا حامی نہیں ہے، جب اس قدر عرصہ دراز کی مسلسل تحریروں نے حامی فریق پیدا نہیں کیا تو آئندہ ایسے فریق کے پیدا ہونے کی قطعا ناامیدی ہوتی ہے۔

میں نے کبھی کوئی بات آپ پر نہیں لکھی ، یہ صرف اس انتظاری میں کہ شاید کوئی حامی فریق ’’نحن انصار الله ‘‘ کہہ کر آپ کی صدا پر کھڑا ہو جاوے اور اس دلچسپ بحث کا سلسلہ جاری رہے،مگر ایسا نہیں ہوا، نہ کوئی صورت اس کے آئندہ بہتری کی نظر آئی، اس لئے آپ پر اپنی ناقص رائے کا اظہار کر دیا، فقط

بسبب عدم اضافت طلاق لغو ہوگی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعلیکم السلام وعلی من لدیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

خیریت است وخیریت مطلوب۔عنایت نامۂ نامی بحسین مسعود مسرت افزا ہوا۔ جناب والد صاحب کا سفر اکثر اطراف ونواح میں رہا کرتا ہے،لیکن فی الحال یہاں تشریف فرما ہیں،حضور کی ملاقات کے خیال سے سورت کا قصد تھا،لیکن آپ کے بمبئی جانے کی خبر نے باز رکھا۔ان کی جانب سے سلام علیک پہنچے۔

بندہ کو چند کتابوں کی حاجت تھی،ایک شخص کو آپ کی جناب میں سورت بھیجا تھا،لیکن

آپ کے کٹھور (سورت کے قریب ایک قصبہ ہے جس کا نام کٹھور ہے) جانے کے سبب سے وہ واپس آیا، پھر وہ کتابیں بتخفیف قیمت مولوی نور الدین اور مطبع مجتبائی سے طلب کی گئیں۔

جناب من! بندہ خوب جانتا ہے کہ کتابیں مانند جوہر کے بے بہا ہیں اور بے بہا چیزیں اکثر بطور انعام کی دی جاتی ہیں نہ قیمتاً کہ وہ بے قیمت ہیں، خصوصاً آپ جیسے مربی اور مشفق کی طرف سے تو ہکم خردوں پر انعام ہی ہونا چاہئے۔ پس بندہ عرض پرواز ہے کہ کتاب ''کشف الظنون'' اور ''کشف الاسرار'' اگر بندہ پر ارسال فرمادیں تو بندہ حسب وسعت قیمت ارسال کرے گا، اگر چہ یہ بضاعت مزجاۃ ان کے مقابلہ میں ہیچ ہے، لیکن آپ کی شفقت کا خیال کر کے اس امر کے اسعاف کی امید کی گئی ہے، عذر جسارت کا خواستگار ہوں اور مزید انعام اکرام کا طلب گار ہوں۔

آج کل بندہ چند طلبہ کو جو قریب پچیس تیس کے ہیں، موافق اپنے کچھ شناساس حرفوں کے بتاتا ہے۔

دیگر التماس یہ ہے کہ مولوی محمود صاحب نے ایک فتوی لکھا ہے، جس کے جواب و سوال کا ماحصل یہ ہے کہ: ایک شخص نے روبرو اپنی عورت کے بحالت منازعت وغضب یہ کلمے کہے: ''طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، میری عورت کو طلاق'' سوانہوں نے لکھا ہے کہ: بسبب عدم اضافت کی اوپر کی متعدد طلاقیں لغو ہیں اور اخیر کی ایک طلاق رجعی واقع ہے، اور اس کی تصحیح حضور نے بھی فرمائی ہے۔

سو اس کے متعلق بندہ رفع شبہہ کے لئے براہ استفادہ یہ عرض کرتا ہے کہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کی عدم اضافت سے کیا غرض ہے؟ یا یہ کہ اس صورت میں رأسا اضافت

ہی نہیں تو یہ باطل ہے، اس واسطے کہ اضافت معنویہ کی دو توزیع ہے: صریحی اور غیر صریحی۔ صورت مشروعہ بالا میں اگر چہ اضافت صریحی اوپر کی متعدد طلاقوں میں غیر موجود ہے، لیکن اضافت غیر صریحی مدلولة بالقرائن موجودہ ہے، اور قرینہ غضب اور منازعت اور عورت کا روبرو ہونا اور اخیر میں علی الاتصال اضافت صریحی کا پایا جانا ہے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ اضافت غیر صریحہ معتبرہ فی الطلاق نہیں ہے تو یہ بھی باطل ہے، اس واسطے کہ محققین فقہاء تصریح اس امر کی کر گئے ہیں کہ اضافت غیر صریحہ مدلولة بالقرائن کے وجود سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، پس تعلیل عدم وقوع کی اس صورت میں بعدم اضافت کس طرح تصحیح کی جاوے؟ ہاں اگر مذہب مرجوع جو بعضوں کا ہے کہ طلاق بدعی جو معاً تین دی جائے وہ رجعی ہوتی ہے' لیا جائے اور فتوی دیا جائے تو اس کی وجہ بھی اگر چہ ابن ہمام ''فتح القدیر'' میں عدم جواز افتاء کا اس قول پر حکم کرتے ہیں، لیکن تاہم یہ تعلیل مفتی کی بھی شقوق باطل ہے اور تصحیح مولوی نور محمد کی غیر مناسب۔ فی الجملہ بندہ مستفسر ہے کہ تصحیح آپ کے اگر بحسب شق اول ہے تو اس کا جواب لکھئے! اور اگر بحسب ثانی ہے کہ اضافت غیر میں غیر متعبر ہے تو اس کے شواہد کتب فقہ سے بیان فرماویں صراحتاً، اور تصریح اس طرح ہونی چاہئے کہ اضافت صریحی معتبر ہے نہ غیر صریحی اور محققین کا قول جو غیر صریحی کے اعتبار کا ہے' وہ بدلیل وجہ باطل ہے، اور اگر بحسب مذہب مرجوح تھی تو آپ کو اس فتوی پر تصحیح کرنے کے لئے تفصیل مذہب کا افتقال تھا، پھر آپ خامہ نگارش سے صحت فرماتے۔

اس کا جواب بہت جلد بوضاحت کتب مطلوبہ باکرام ارسال فرمائیں تو بندہ ممنون ہوگا اور آپ عند اللہ ماجور ہوں گے۔ فقط سب کی خدمات میں خصوصاً برادر عبد الستار صاحب کی خدمت میں سلام علیک پہنچے۔

راقم احمد میاں بن سلیمان صوفی غفرلہ

ترقیٔ مسلم کا راز اور اس کی تدبیریں

از: حضرت مولانا احمد میاں صاحب لاجپوری

برادران اور حاضرین جلسہ! اگر چہ میں یہ لیاقت نہیں رکھتا ہوں کہ اتنے بزرگوں اور فاضلوں کے روبرو کچھ بھی اپنی زبان کو جنبش دوں، لیکن معززان مجلس کے مکارم اخلاق نے مجھے مجبور کر دیا کہ اپنے عندیہ کو بھی آپ بزگورں کی خدمت میں گذارش کروں۔

اس جلسہ کا انعقاد جس غرض سے ہوا ہے وہ واقعی بہت ضروری امر ہے، ہم جب ذرا مسلمانوں کے گذشتہ بزرگوں کے حالات دینی و دنیوی میں تامل کرتے ہیں اور اپنے اس حالت سے نظر انداز کر کے ترقی اسلام کے زمانہ کو دیکھتے ہیں اور اس آجکل کے حالت کو اس کے مقابل کرتے ہیں تو ہمیں یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ لوگ حسب زمانہ بہت ہی ترقی کر گئے، کیا کچھ ان کا ڈنکا ہر شش جہت عالم میں نہ بج رہا تھا، اسلام کی ہی مبارک صدائیں کیا کوہ باد میں نہ گونج رہی تھیں، اگر وہ لوگ اس زمانہ ترقی وعروج میں ہوتے تو اپنے جاہ وثروت عزت وہیبت کے آپ ہی نظیر بنتے، وہ ہمارے جیسے پس ہمت کوتاہ نظر نہیں تھے ان کی اس حالت کا تصور کرنا اور اپنی اس حالت ردیہ پر غور کرنا ہماری آنکھوں کو غم کے آنسوں سے لبریز کر دیا ہے، کہ ع

کل تھے کیا آج کیا ہو گئے ہم

جس جہت میں آنکھ اٹھا کے لوگوں کے حالات دیکھو غایت مبصر تک یہی ایک قوم مسلمان تمہاری نظر میں آئے گی جن کے کشتی گرداب میں بلا میں چکرا کر قریب مغرق ہو

رہی ہے، تاہم اہل کشتی کچھ ایسے غفلت میں ہیں کہ انھیں اپنی اس یقینی ہلاکت سے اور تحقیق مٹ جانے اور نیست نابود ہو جانے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے، دریا کی خوفناک موجیں خواہ کتنے ہی ان کے جہاز کو ٹکرے بنادیں، لیکن یہ مطلق چونکتے اور پہلو نہیں بدلتے ہیں۔

بھلا جس قوم کی حالت یہ ہو' کیا وہ قوم گردش غفلت کے چادر کو اپنے اوپر سے دور نہ کرے تو پھر ہم کہیں گے کہ: نہیں ایسی قوم کی ہلاکت متیقن ہے، بڑے غور کا مقام ہے کہ حالت ایسی نازک ہو جائے اور ہم اپنی بہبودی کے لئے کچھ اندیشہ نہ کریں۔ ہمیں اس میں دو باتیں کا اندیشہ کرتے ہیں:

اول یہ کہ:...... جن قوموں نے ترقی کی ہے اور ترقی کر رہی ہیں کیا یہ ہمیشہ اس طرح ترقی میں ہی رہی ہیں، اور کیا مسلمانوں کی یہ ذلت اور پست ہمتی' کوتاہ حوصلگی ہمیشہ سے اس قوم میں ہے۔

دویم یہ کہ:...... وہ کیا اسباب ہیں جن سے غیر قوم ترقی کر گئے، اور کس وجہ سے مسلمانوں سے علو حوصلگی مسلوب ہوگئی۔

سو پہلے کے واسطے اتنا معلوم کرنا کافی ہے کہ اس وقت سب قوموں سے زیادہ ترقی کرنے والی حرفت وصنعت' تعلیم وتربیت میں یورپ کی قوم ہے' خصوصاً انگریزوں کی۔

معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کون سی وجہیں ہیں' جس نے اس قوم کو یہ ناموری حاصل ہوئی، اور کیا چیز ان میں مدغم ہوگئی ہے جس سے وہ ترقی کر گئے اور کر رہے ہیں۔

یہ مسئلہ قابل غور ہے، اس کے ہر پہلو ٹٹولنے پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ ان میں رفتہ رفتہ برادرانہ ہمدردی وتعلیم اور ہنر وفنون کا شوق اور آپس میں اتحاد واتفاق بڑھتا گیا ہے' جس نے ان کو اس ترقی تک پہنچا دیا' جسے تم دیکھتے ہو اور قوم کے روبرو ان کے نظائر پیش

کرتے ہو۔اس سے زیادہ افتخارکس قوم کو ہوا ہے؟ آجکل باعث افتخار یہی ایک قوم ہماری نظر میں آتی ہے جو باوجود اس قدر ترقی عظیم کے اب بھی ترقی کرتی جاتی ہے، جب تک یہ ولولۂ شوق ان کو رہے گا اس وقت تک ان کو تنزل کا سامنا نہ ہوگا۔خدا ہی جانتا ہے کہ کس حدتک ترقی کرکے رہیں گے۔

ہم مسلمین متقدمین بھی بیشتر کے زمانہ میں جب خلفاء بنی عباس اور بنی امیہ کا دور تھا ایسے ہی ترقی میں تھے، بلکہ اس زمانہ کا لحاظ سے اگر کہا جائے تو اس سے بھی زیادہ۔اس کی بھی اصل وجہ تعلیم کا ان میں پھیلنا' ایک دوسرے کے غمخواری کرنا' کسی کے عزت وجاہ پر دل نہ جلاکر اس سے درجہ عالیہ حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہنا' ہنر اور فنون کا شوق اور اتفاق کا دلوں میں مرکوز رہنا تھا۔جب تک یہ امور ان میں رہیں' اس وقت تک ان کی ترقی بھی حد سے متجاوز تھی، کبھی روز بد کے روبرو ہونے کا اتفاق نہ پڑا تھا،لیکن یہ امور عالیہ جب ان میں سے رفتہ رفتہ کوچ کرتے گئے' ان پر اسی قدر سایہ ادبار پھیلتا گیا،اور بتدریج اس تک پہنچ گیا ہے جس میں فی الحال قوم دوسروں کے نظر میں رہی ہے اور ''کل یوم ابتر '' کا مضمون اب اس پر صادق ہورہا ہے، اگر یہی حالت چندے قوم کی رہی اور جلدتر اس کا تدارک نہ کیا گیا پھر تو خدا ہی خیر کرے دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

برادرو! ہم ہمیشہ کے لئے پستی واستخاف کا مرکز بن جائیں گے، ہماری حالت اس سے بھی گذر جائے گی، پھر اگر بہتیری کوشش اس گرداب سے مخلصی کی' کی جائے گی کوئی مفیداور کارآمد نہ ہوگی، کہ ع

سودی ندارد چو از سر گذشت

کا مضمون ہوگا ع

تب پچھتائے کیا ہوئے جب چڑیا چگ گئی کھیت

حیف ہے ہماری زندگی پر اگر ہم اب بھی اپنے عزت اور ترقی کے خواہاں نہ ہوں، پستی وذلت سے اوج عزت تک پہنچنے کی سعی نہ کریں۔ کیا برٹش حکومت نے تمہیں آزادی نہیں دی ہے؟ کیا ترقی کی تمام راہیں تمہارے لئے کشادہ نہیں رکھی ہیں؟ پس تم اپنے سستی اور کاہلی کی وجہ سے حکومت کو متہم نہ کریں۔

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

کیا جو اپنے ہاتھ سے تمہارے منہ میں نعمت کا لقمہ دے اس کا بدلہ بعوض قدم بوسی کرنے کے ہاتھ کو ہی کاٹ کھانا؟ کیا یہ زندگی ہم کو باعث عار ونگ نہیں ہے کہ دنیا بھر کی سب قومیں روز بروز ترقی کریں' عزت حاصل کرنے میں کامیاب ہوں، مگر ہم کہ اس ترقی وعزت کی عوض ذلت میں ترقی کئے جائیں ''خسر الدنیا و آلاخرۃ'' اگر ہم لوگ ایسے بادشاہ غیر متعصب کے عہد حکومت میں بھی ترقی نہ کریں ہماری کم نصیبی کی حد ہوگئی۔

سمجھو! لیکن یہ سوچنا پہلے ہے کہ اس ترقی قوم میں کس کی سعی بہت کار آمد اور مفید ہے، امراء اور قوم کے سرداروں اور حضرات علماء کی سعی کی اس میں اشد ضرورت ہے۔ جب تک یہ معزز گروہ اپنی توجہ خاص اس طرف مبذول نہ فرمائیں گے' قوم کی ترقی محض ناممکن ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس ہے کہ امرا عیش وعشرت میں ایسے منہمک ہو رہے ہیں کہ اگر تمام دنیا کیسی ہی بے عزتی سے ان کے آنکھوں کے سامنے اپنی زندگی قطع کرے' انہیں کچھ پروا اور ان سے کچھ سروکار نہیں، دینی برادروں کی غمخواری اور ان کی حالت زار پر دلسوزی کا مادہ ان سے مسلوب ہو چکا ہے، لیکن وہ ہے چین کہ ایک عزت شخصی ہے اور ایک قومی، کیا دنیا میں کسی نے ایسی قوم کا بھی پتہ لکھا ہے' جس کے بعض افراد بھی معزز نہ نکلیں؟ کیا

معدودے چندے اپنی شخصی عزت سے معزز قوم میں محسوب ہوں گے؟ اور معزز قوم میں ہونے کا افتخار ان کو حاصل ہوگا؟ ہرگز نہیں، البتہ قومی عزت وترقی کا ہونا چشم اغیار میں باوقعت ومعزز ہونے کا سبب ہے۔

رہے علماء! یہ بزرگوار ایسے مخمصہ میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ع

پراگندہ ورزے پراگندہ دل

کہ قوم کی ترقی کا خیال بھی ان کے اطراف سے ہوکر نہیں گذرتا ہے، اس جنجال سے ان کا پیچھا چھوٹے تو یہ بافراغت اس طرف کچھ فکر کو جولان کریں، لیکن یہ اخراجات اور فکر معیشت میں ایسے گرفتار ہیں کہ ایک ساعت بھی حالات قوم میں تفکر کرنے کی مہلت نہیں پاتے۔

اے بزرگوارو! آپ کے قولی اور فعلی اثر قوم پر بے انتہا ہیں، لہذا آپ لوگ ایسے لوگوں کو اسباب ترقی کی تعلیم کرو اور پہلے خود اس دشمن' ذلت وجہالت کو اپنے اسلامی تعلیمات سے دور کرنے کے لئے اپنی مجتمعہ قوت سے اس پر فتح مندانہ حملے کرو، تمہارے ان حملوں سے جب دشمن ناچار ترک قلعہ پر مجبور ہوگا تو قوم تمہاری متابعت میں ظفریاب ہوگی، معزز ٹھہرے گی، ترقی پیدا کرے گی، اور ہر شخص عوام الناس سے اس کو بیرون قلعہ بے پناہ دیکھ کر اس پر ادنی حملہ کرکے فتحیاب ہوگا۔

آپ لوگ اسباب ترقی میں سے علوم کی ترویج مع الترغیب لوگوں میں دو، اتفاق کے طرف ان کو مائل کرو، اختلاف اور عداوت سے ان کو پاک کرو۔

برادرو! تعلیم ہی کی وجہ سے شخص ممتاز بین الاقران ہوتا ہے، کیا جاننے والا اور نہیں جاننے والا دونوں مساوی ہوسکتے ہیں؟ ﴿هل یستون الذین یعلمون والذین لایعلمون﴾ یہی ایک صفت ہے جو انسانی صفت گنی جاتی ہے، دوسری جتنی صفتیں ان میں ہیں: کھانا' پینا'

سونا' اٹھنا' چلنا' بیٹھنا' غصہ کرنا' شہوت رانی کرنا اور فریب دنیا' ہر ایک ان میں سے حیوان کے کسی نوع میں ضرور پائی جائیں گی، اب کوئی صفت مختص بالانسان بھی انسان میں ضرور ہونی چاہئے، جس کے باعث انسان اپنے اوپر اشرف المخلوقات کے لقب کو زیبا گنتا ہے، وہ کیا ہے؟ تعلیم وتربیت ہے، قوم کا ہمدرد ہونا ہے، آپس میں اتفاق رکھنا ہے، اگر یہ نہ ہوتو انسان اور باقی حیوانات میں کیا امتناز ہوگا؟ ایسی تعلیم سے ہم کو اپنے خالق ومالک کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اسی سے ہم معاش ومعاد میں اپنی بہتری حاصل کر سکتے ہیں۔

علم دو ہیں: ایک علم معاش، دوسرا علم معاد، یا وہ جو حیات دنیوی بخوبی گذارنے کی کیفیت سے باعث ہے، اور وہ جس سے زندگی دنیا کے بعد دار آخرت میں ہمارے حالتیں درست رہیں۔ میں ہرگز نہیں کہتا ہوں کہ ان دو سے ایک پر ہی اکتفا کرو، بلکہ دونوں علوم کی تکمیل چاہو۔ علم معاد ترک نہ کرو، وعید﴿ تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا والآخرۃ خیر وابقی ﴾ کے نشانے نہ بنو، علم دین کو لازم پکڑو، ہمارا علم دین جو اسلام ہے فلاح دارین کی رہنمائی کرتا ہے، علم معاش معاد دونوں کی تعلیم کرتا ہے۔ کتب فقہیہ کو ذرا ملاحظہ فرماؤ! دیکھو! عبادات سے معاملات کس قدر بڑے ہیں، کیسی کیسی پیچیدگیوں کو معاملات میں حل کیا ہے، خواہندہ ترقی اگر اس پر ہی کاربند ہو، یہی اعلی ترقی کے لئے قوی تر ذریعہ بن سکتا ہے، اس سے دوسرے کی طرف توجہ کرنے کی حاجت ہی نہیں ہے، مگر یہی باتیں ہم میں نہیں ہیں، یہ دونوں جب متلازم ہیں تو علم دین کے رسی مضبوط پکڑو' عبادات کرو' تقویٰ اختیار کرو' صنعت وحرفت وتجارات میں ترقی کرو۔

صاحبو! اصل اصول ترقی کرنا اس مضمون پر عمل کرنا ہے، ع

زمانہ با تو نسازد تو بزمانہ بساز

زمانہ سے تم موافق ہوجاؤ، لیکن زمانہ کو اپنے حسب منشاء بنانے کی لغو سعی نہ کرو، یہ ہمارا زمانہ اس میں ہم ہرطرح کی ترقی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، کیوں نہ کرو جب اپنے جگہ سے جنبش ہی نہ کروگے، تو کیا امید منزل مقصود تک پہنچنے کی رکھ سکوگے؟ نہیں۔

عزت وترقی کا بڑا سبب آجکل جو سرکاری مناصب عالیہ حاصل کرنا ہے، اس کے سبب کی تحصیل میں بھی جو انگریزی تعلیم ہے، علم دین کی کوتاہی نہ کرو، اگر تم عہدے دار نہ بنوگے تاہم اس کا حاصل کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا، بہت سے دنیوی امور اس سے تمہاری استواری ودرستی پیدا کریں گے، بلکہ حکام وقت کے وہاں اس ذریعہ سے تم اپنے اسلام کے رفعت وقعت کا تخم بودوگے، پھر تو یہ کام ''ہم خرما وہم ثواب'' ہوجائے گا۔

شاید ہماری قوم کے ترقی کے دن قریب ہیں کہ ہمارے محترموں کو ایسا جلسہ کرنے کی تحریک دل میں پیدا ہوئی، اب ہمیں محض اپنا ڈوبتا جہاز آنکھوں سے نظر پڑا، اپنی اس غفلت کی سزا خوب بھگت کے ہماری آنکھیں کھولیں، یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ آخری وقت میں ہمیں اپنے حال زار پر افسوس ہوا۔ آج تک ہم اپنے تمام احوال فرحت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن وہ ہمارا دیکھنا واقعی بالکل برخلاف تھا، ہم زہر کو تریاق خیال کررہے تھے، خیر اب بھی شکر ہے کہ ہمیں اپنا ڈوبتا جہاز طوفان سے نکال کر کنارے پہنچانے کی سوجھی۔

مجھے قوی امید ہے کہ اگر اس میں استواری اور مضبوطی ہمیشہ رہی اور ضرور رہے گی، کیونکہ اس کی تحریک قوم کے ایک بڑے اولوالعزم شخص سے صادر ہوئی ہے، تو ہم کامیابی کا پھل ضرور بہت جلد حاصل کرلیں گے۔

اس وقت جو ناقص رائے میں ایک بات آگئی ہے اس کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اس جلسہ کے بعد اس کار خیر کی بنیاد کا اقامت اس جگہ کرکے علاقہ بمبئی

کے دوسرے شہروں میں بھی وہاں کے باشندوں کو ترغیب دے کر ایسے تقریب سے جلسے کیئے جائیں، اس میں مقصد دلی تک پہنچنے کی صورت جلد تر متصور ہوتی ہے۔

الٰہی تو اس میں ہماری دلی مرادیں بر لا، ہماری کوششیں کارگر ہوں، اور اس کارِ عظیم میں ہماری تائید فرما، اور مسلمانوں کو حقیقی ذلت سے رہا کر کے اوج عزت تک پہنچا، آمین یارب العالمین۔

راقم احمد میاں بن سلیمان

خطبۂ استقبالیہ

معززین حضرات! میں اپنی ذات میں کچھ بھی ایسی لیاقت نہیں پاتا ہوں، جو مجھے آپ معززین کے حضور تقریر کرنے پر جرأت دلاتی ہو۔ میں صرف بمصداق ’’المامور معذور‘‘ اپنے کرم فرما میزبان کی دلداری کے لئے اس مبارک موقع پر دوستانہ فرمائش بجالانے کے لئے کھڑا ہوا ہوں، اور میں اس کو اس سبب سے کہ دلجوئی عموماً موجب تقرب ہوتی ہے، اور یہ تو ایک مخلص عزیز کی دلجوئی ہے، اس کو اعظم تقربات سمجھتا ہوں۔

حضرات! میں سب سے پہلے اس پاک ذات کی جو مالک الملک ہے اور جس کے اکرام وعطا کی صدا بصورت ﴿ تؤتی الملک من تشاء ﴾ گونج رہی ہے، توصیف وثنا میں نہایت صدق وخلوص سے رطب اللسان ہوں، جس کی شکرگذاری ہر کہ ومہ پر اس کے لاتعد ولاتحصی انعاموں کے مقابل فرض ہے اور اس خاص نعمت کے لحاظ سے جس کے خصوصی ہم مورد ہیں، ہم سب پر تو فرض تر ہے۔

وہ نعمت، اعظم نعم ہے، اس پر ہم جس قدر نازاں ہوں اور فخر کریں بجا ہے۔ ہندوستان کے لاکھوں نہیں کروڑوں افراد انسانی اس سے محروم ہیں اور از دست رفتہ چیز کے مانند اس کے لئے ترستے اور سر دھنتے ہیں، مگر بفحوائے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اس نعمت عظمی سے اپنا دامن مقصود خالی پاتے ہیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ، وہ نعمت ہمیں حاصل ہے۔

وہ نعمت کیا ہے؟ وہ نعمت یہ ہے کہ ہمارے سروں پر ایک مسلمان منصف حاکم سایہ افگن ہیں، جس کے زیر سایہ ہم بغایت امن وامان زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یقیناً خداوند ذوالجلال

کی مشیت میں ہماری بہتری مقرر اور مقدر ہو چکی ہے، جس کی دلیل یہی ہے کہ ہم پر ایسا نیک طینت فرمانروا متعین ہوا ہے، سچ ہے ؎

جو با خلق نیکی پسند خدائے　　دہد حاکم عادل و نیک رائے

حضرت شیخ علیہ الرحمہ اپنے وقت کے شہزادے کی مدحت میں جو یہ شعر فرما گئے ہیں ؎

جوان و جواں بخت روشن ضمیر　　بدولت جواں و بتدبیر پیر

حضرت شیخ کی فطری راست بیانی اور صاف گوئی کا اعتراف کرتے ہوئے ہمیں اس شعر کے ممدوح کے حسب حال ہونے کا انکار نہیں، مگر ضمیر کہتا ہے کہ اگر یہ یقینی بھی ہے تو مراتب یقین سے یہ علم الیقین ہے، عین الیقین یا حق الیقین نہیں، کیونکہ یہ مسموع امر ہے اور عدالت کی اصطلاح میں تو یہ قضا علی الغائب ہے، اور وہ بھی ایک غائب شیخ کی شہادت سے جو کسی طرح جائز نہیں۔ اس شعر کے واقعی مصداق اس وقت تو سچین کے والا جاہ نواب بہادر بالقابہ ہیں۔ دونوں آنکھیں اس پر گواہ ہیں، دونوں کان اس کی شہادت دیتے ہیں، اس پر صرف حواس ظاہرہ کی شہادت نہیں ہے، حواس باطنہ جو راس ادراک ہیں اسی پر شاہد ہیں، ان دس عادل حاسوں کی شہادت سے جو ''تلک عشرۃ کاملہ'' ہیں، والا جاہ نواب بہادر صاحب بالقابہ کی خوبیوں کا یقین مرتبہ عین الیقین سے گذر کر حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے، کیوں نہ ہو ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

مثل دائر ہے۔

سبحان اللہ کیا تدبر عطا ہوا ہے، جس سے زمانہ کے مدبرین یا حیرت زدہ ہے اور نعرہ تحسین بلند کرتے ہیں یا..... رشک کے مبتلائے خسران ہیں۔

حضرات! جب مشیت ایزدی کا انعطاف کسی امر کی جانب ہوتا ہے تو اسباب بھی اسی کے حسب حال ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ قدرت نے اس ریاست کی بہتری کے کچھ ایسے اسباب غیب سے پیدا کر دیئے ہیں' جن پر نظر کر کے ریاست کی آئندہ بہبودی کی بہ نسبت کچھ بھی شبہ باقی نہیں رہتا ہے، مگر ساتھ ہی دوسرے بھی اسباب ہیں' جو واقعی ترقی اور بہبودی کے مدار علیہ ہیں۔

منجملہ ان کے معلیٰ القاب جناب نواب نصر اللہ خان صاحب بہادر کا جواز راہ نوازش و عنایت اس مجلس میں رونق افزا ہیں اور جن کی دانشمندی اور تدبر اور فراست مسلم زمانہ ہے، اور نصرت جن کے ہمرکاب ہے (ان کا) اس ریاست سے تعلق پیدا کر لینا ہے۔ آپ سے بڑھ کر زیادہ شفیق' بہی خواہ اور خیر اندیش اس ریاست کے لئے دستیاب ہونا محال سے بھی زیادہ محال ہے۔ آپ کی شفقت صرف بوجہ کسی منصب کے نہیں ہے، بلکہ وہ خاص قرابتی تعلق جو اضعافا مضاعفہ بمنزلہ پدری تعلق کے ہے، آپ کو اس شفقت پر مجبور کر رہا ہے۔

یہ واقعی ریاست کی بڑی خوش نصیبی ہے۔ میں آپ کو اس ریاست کے کسی منصب جلیلہ کے قبول فرمانے پر مبارک باد کہنا اس اعلی درجہ کی لیاقت کے لحاظ سے' جو محتاج بیان نہیں' ایک گونہ کسر شان سمجھتا ہوں، ورنہ یوں تو ایک نہیں ہزار بار مبارک باد کہنے کے لئے تیار ہوں۔ میرے نزدیک تو آپ کے اس عہدہ قبول فرمانے پر اہل ریاست مبارک باد کہے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کہ گویا اب ان کی سرسبزی کے دن آئے، بارش کی آمد پر بارش کو کیا مبارک باد کہیں؟ مبارک باد تو اسے کہنا زیادہ سزاوار ہے جو اس بارش سے آئندہ مالا مال ہونے کا متوقع ہو۔

جناب نواب زادہ عبدالکریم خانصاحب جیسے معاملہ فہم' زمانہ شناس کا بھی والا جاہ نواب

صاحب بہادر بالقابہ کی مصاحبت میں رہ کر رفاہ عام امور میں اپنے نیک مشورہ سے افادہ فرماتے رہنا بھی بے حد خوش نصیبی ہے۔

حضرات! ایسے ہی زمانہ شناس دیگر ارکان ریاست بھی قدرت نے مجتمع کر دیئے ہیں' جو ترقی کے اصل راز ہیں۔

جناب دیوان طالع ورخان صاحب بہادر کی ذات سے بھی ترقی ریاست کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ آپ کی مساعی جمیلہ بھی آپ کو مشکور بناتی ہیں۔ آپ کی بے رو و ریا معدلت کا ریاست میں عام ہونا یہ ایسی نادر صفت ہے' جس کے ہمرکاب ترقی اور ناموری ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ یہ ریاست ہمیشہ پھلے پھولے اور سرسبز ہو۔

حضرات! آپ صاحبوں کا تکلیف فرما کر اپنی تشریف آوری سے مجلس کو رونق بخشنا' اس پر میں اپنے دوست میزبان کی طرف سے آپ تمام عنایت فرماؤں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مجھے جناب نواب نصر اللہ خاں صاحب بہادر کی خدمت عالیہ میں تو شکر و سپاس کے بعد ''گلستاں'' کے اس قطعہ کے سنانے پر جو حسب حال ہے' اکتفا کرتا ہوں ؎

زقدر و شوکت سلطاں نگشت چیزے کم — از التفات بمہماں سرائے دہقانے

کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسید — کہ سایہ برسرش انداخت چوں تو سلطانے

خداوند ذوالجلال ہمیشہ آپ سب کو باخوش سلامت رکھیں، والسلام خیر ختام۔

....

مناظرہ کی تعریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب مرتب ہے ایک مقدمہ‘ نو بحث‘ ایک خاتمہ پر۔ مقدمہ تعریفات میں۔(مقدمہ ماخوذ ہے مقدمۃ الجیش سے)

مناظرہ کیا ہے؟ دو مخالف کا دو جزوں کی نسبت میں متوجہ ہونا تا کہ صواب ظاہر ہو جائے۔

مقدمہ تعریفات اور متعلق تعریفات میں۔ مناظرہ کہتے ہیں: دو متخاصم کا اظہار صواب کے واسطے دو چیزوں کی نسبت میں متوجہ ہونے کو، یعنی دو متخاصم جو مخالف فی المطلب نسبت میں دو چیزوں کے درمیان توجہ کریں، اور دونوں کی غرض اظہار صواب ہو تو یہ اصطلاح میں مناظرہ ہے۔

اور توجہ‘ اس تعریف میں علت صوری اور متخاصم‘ علت فاعلی اور نسبت‘ علت مادی اور اظہار صواب علت نمائی ہے۔ تو یہ تعریف چاروں علتوں پر مشتمل ہے۔ اور اظہار صواب کی قید سے مجادلۃ اور مکابرہ خارج ہو گئے۔ اور مجادلۃ کہتے ہیں: منازعۃ کو جو اظہار صواب کے لئے نہ ہوں، بلکہ اس میں غرض الزام خصم ہو تو جو مجیب مجادل ہے، تو اس کی سعی یہ ہے کہ اپنے پر الزام غیر آنے سے سالم رہے۔ اور اگر سائل ہے تو اس کی سعی یہ ہے کہ مجیب کو ملزم کریں، اور کبھی دونوں مجادل ہوتے ہیں۔ اور مکابرہ بھی منازعہ ہے جو اظہار صواب کے لئے نہ ہو، لیکن اس میں الزام خصم مطلوب نہیں ہوتا۔ اور مجادلہ اور کابرہ دونوں مناظرہ کی ضد ہیں، اور یہاں اس کی تعریف اس لئے بیان کی گئی کہ اشیاء کی حقیقت اضداد سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ ہمارے اس زمانہ اثبات بالدلیل سے کسی کتاب یا ثقہ سے نقل کر

دینا اولی ہے، کیونکہ دلیل کے ثابت کرنا موجب کثرت نزاع کا اکثر ہوا کرتا ہے، اس لئے ہم یہاں نقل کی تعریف بھی لکھ دیتے ہیں' کہ نقل کہتے ہیں: کسی کے قول کو اس طرح لانا اور پیش کرنا کہ وہ قول واقع میں ویسا ہی ہو اور آگاہ کر دینا کہ یہ فلانے کا قول ہے۔ یعنی نقل میں دونوں کے قول کو اس طرح پیش کرنا کہ لفظ متغیر نہ ہو' کچھ ضروری نہیں ہے، معنی میں تغیر نہ ہونا چاہئے، اور یہ بھی ظاہر کر دینا کہ یہ فلانے کا قول ہے، مثلاً کہنا کہ: ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ: وضو میں نیت کرنا فرض نہیں ہے۔ اور کسی کے قول اپنی طرف سے پیش کرنا اور یہ کسی طرح نہ بتلانا کہ یہ غیر کا قول ہے، اقتباس ہے اور مقتبس اس اصطلاح میں مدعی ہے، اور ناقل کی نقل کی تصحیح سامنے والے کو اگر معلوم ہے تو اس کو بھی اس کی تصحیح طلب کرنا صحیح نہیں کہ وہ اس وقت یا مکابر ہے یا مجادل ہے، اگر معلوم نہیں تو تصحیح کا طلب کرنا ضروری ہے کہ یہ خواص مناظر ہے، اس لئے تصحیح نقل کی تعریف بھی ہوتی ہے۔

حمد وشکر کی تعریف

''اللھم انا نحمدک الحمد من الآئک'': تعظیم اور تبجیل کے طریق پر خوبی پر ساتھ تعریف کرنے کا نام حمد ہے۔

تعریف صرف زبان سے ہی ہوتی ہے، اور شکر کسی نعمت پر تعریف کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ زبان سے' دل سے اور اعضاء سے بھی ہوتا ہے۔

حمد کی تعریف میں خوبی کا لفظ انعام اور نیک اخلاق اور اچھے اعمال کو شامل ہے۔ حمد اور شکر دونوں کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، اس لئے کہ حمد کبھی نعمت کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور کبھی کسی اور خوبی کے مقابلہ میں۔ اور شکر مقابلہ میں فواضل کے ہی ہوتا ہے۔

حمد میں یہ بھی شرط ہے کہ ظاہر و باطن میں تعریف کرنا تعظیم پر مبنی ہو، اگر تعریف کرنے کے خلاف اس کا اعتقاد ہوگا' یا افعال جوارح اس کے خلاف ہوں گے تو وہ تعریف نہ ہوگی، بلکہ استہزاء اور مسخری ہوگی۔

اگر کوئی کہے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حمد مجموع فعل لسان و جنان وارکان ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ حمد تو فعل لسان ہی کا نام ہے، فعل جنان و ارکان اس فعل لسان کے حمد ہونے کے لئے شرط نہیں، نہ اِس کے جز میں نہ اُس کے جز میں۔

اعتراض:......لفظ خوبی کا اگر اختیاری اور غیر اختیاری دونوں قسم کی خوبیوں کو متناول ہو تو حمد کا لفظ مدح کے مرادف ہوگا، مگر ''مدحت اللولو ء علی صفائھا'' کہتے ہیں اور ''حمد ت اللولو ء'' نہیں کہتے، حالانکہ اس تقدیر پر دونوں کہنا جائز ہوتا ہے۔ اور اگر وہ صرف اختیاری خوبی کے ساتھ مختص ہو تو اللہ پاک کی تعریف اس کی صفات ذاتیہ کے ساتھ کرنا حمد نہ ہوگا۔

جواب:......اس کا یہ ہے کہ لفظ تو دونوں کو متناول ہے، لیکن وہ تو محمود بہ ہے۔ یہاں ایک اور قید کا اعتبار کرنا ضروری ہے کہ وہ تعریف کرنا امر اختیاری کے مقابل ہو جو محمود علیہ ہے، اس وقت میں حمد فاعل مختار کے ساتھ مختص ہوگی نہ مدح، اس لئے کہ ممدوح علیہ کا ممدوح بہ کے مانند غیر اختیاری ہونا جائز ہے۔

اگر کوئی کہے کہ جب منعم کی تعریف شجاعت اور قدرت کے ساتھ' اس کے انعام کے سبب سے کی جاویں تو شجاعت محمود بہا ہے اور انعام محمود علیہ ہے، مگر جب بہادر کی تعریف اس کی بہادری کے ساتھ کی جائے تو کوئی بھی محمود علیہ نہ ہوگی۔

ہم کہیں گے کہ: شجاعت اس حیثیت سے کہ تعریف کرنا اس کے ساتھ ہے' محمود بہ ہے

اوراس حیثیت سے کہ اوس کا قیام اپنے محل کے ساتھ ہے محمود علیہ ہے، پس اعتبار تغائر ہے، اسی لئے کہتے ہیں: اس کے بہادر ہونے کے سبب سے اس کی تعریف بہادری کے ساتھ ہوئی۔

بعضے کہتے ہیں کہ غیر اختیاری بات کے ساتھ مدح کرنا بھی صحیح نہیں ہے، اور ''مدحت اللولوء'' والی مثال معتبر نہیں ہے مصنوعی ہے، اور صباحت خدااور رشاقت قد کے ساتھ جو تعریف کرنا مشہور ہے' یہ جمہوری خطا ہے یا مؤل ہے، اس لئے کہ وہ افعال جمیلہ پر دلالت کرتے ہیں۔

بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ: صفات کمالیہ کے ظاہر کرنے کا نام حمد ہے۔ یہ اظہار کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے، جو فعل سے ہوتا ہے وہ زیادہ قوی ہے، کیونکہ افعال جو آثار کے ہیں اس پر قطعاعلیت دلالت کرتے ہیں' جس میں تخلف متصور نہیں ہے اور افعال کی دلالت وضعی ہے' جس کا تخلف مدلول سے جائز ہے۔

خدائے پاک کا اپنی ذات کی تعریف کرنا بالافعال ہے کہ اس نے غیر متناہی ممکنات کو وجود عنایت فرمایا، اور بے شمار انعام واکرام سے انہیں گراں بار کیا، جس سے اس کی کامل صفات کا ظہور ہوتا ہے اور ہر ہر ذرہ اس پر دال ہے۔......... میں اس قسم کی دلالت غیر متصور ہے، اس لئے حضور انور ﷺ نے ''لا احصی ثناء علیک'' فرمایا۔

.........دونوں مترادف نہیں مگر چونکہ کتاب میں حمد کو جس کا موردلسان ہے' آلاء سے شمار کیا ہے، جو نعمت ظاہرہ ہے۔ مناسب ہے کہ آلاء کی تفسیر نعم ظاہرہ کے ساتھ کی جائے۔

متن کی تعریف

متن کی مشہور تعریف: ''ما ینتھی الیہ الاسناد'' ہے۔ یہ تعریف ظاہراً دور کو متضمن

ہے،اس واسطے کے اسناد کی تعریف اظہار طریق المتن ہے۔

دوسری تعریف:......متن حدیث کے وہ الفاظ ہیں جو صاحب حدیث سے مسموع ہوں اور جن کے ساتھ معانی کا تقوم ہے۔

اس تعریف پر ترجمہ حدیث مسمے عین نہ ہوگا، کیونکہ الفاظ ترجمہ کا صدور صاحب حدیث سے نہیں ہوا ہے اور نہ ''من حیث ھی ھی ''الفاظ حدیث کا نام متن ہے، بلکہ من حیث انه یتقوم بھا المعانی۔

حدیث کی تعریف

رسول اللہ ﷺ کے اور صحابی کے اور تابعی کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

دوسری تعریف:......حدیث آنحضور ﷺ کے ہی قول فعل اور تقریر کا نام ہے۔

اصول حدیث کی تعریف

اصول حدیث:......علم با قوانین ہے، جن سے حدیث کی احوال اور اس کی مقبول ومردود ہونے کی حیثیتیں معلوم ہوجاتی ہیں، یعنی اصول حدیث میں ایسے قواعد اور قوانین مذکور ہیں، جن سے حدیث کی وہ حالتیں معلوم ہو جاتی ہیں جن پر حدیث کے مقبول ومردود ہونے کا مدار ہے، جب وہ حالتیں کسی حدیث کے متعلق معلوم ہوجائیں گی تو ضرور ساتھ ہی یہ معلوم ہوجائے گا کہ یہ حدیث مقبول ہے یا مردود۔

غایت اصول حدیث

مقبول اور مردود حدیث علم کا حصار ہے کہ فلاں حدیث مقبول ہے اور فلاں حدیث مردود، اس لئے کہ جو حالتیں فلاں حدیث کے متعلق واضح ہوئی ہیں وہ اس کے مقبول

ہونے کی مقتضی ہیں اور جو فلاں کے متعلق کہتے ہیں، وہ اس کے مردود ہونے کی مقتضی ہیں۔

موضوع علم حدیث

موضوع اس علم کا حدیث ہے۔ اور اس علم میں حدیث ہی کی احوال کی بحث ہے، مگر حدیث کی حجیت ہمارے بہ نسبت اسناد پر موقوف ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: آدمی کے دروغ گو ہونے کے ثبوت میں یہی بس ہے کہ وہ جو کچھ سنے بلا تحقیق و تفتیش کہنے لگ جائے۔

اور ''صحیح مسلم'' میں عبداللہ ابن المبارک رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ: ''اسناد دین سے ہے، اگر اسناد نہ ہوتی ہر شخص جو چاہتا کہہ دیتا'' اس لئے اس علم کے مسائل دو باب پر منقسم ہوئے۔

حقیقت واصل بحق

شیخ ابوبکر بن صائع نے جس مرتبہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اس مرتبہ تک علم فطری اور بحث فکری کے طریق سے منتہی ہو سکتے ہیں، اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ لوگ اس مرتبہ تک پہنچے تھے، مگر انہوں نے ان میں گامزنی نہیں کی..بعینہ یہی مرتبہ ہے اور اس جہت سے کو اس میں وضاحت زیادہ ہوتی ہے، اور جس سے اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، وہ کوئی قوت نہیں ہے (اگر اسے قوت ہی کہیں تو یہ کہنا مجازاً ہوگا، اس لئے کہ جمہوری الفاظ اور اصطلاحات میں کوئی ایسا اسم ہی موجود نہیں ہے، جو اس امر پر دلالت کرے جس سے اس قسم کا مشاہدہ ہوتا ہے) وہ مرتبہ اس مرتبہ کے مغائر ہے۔

یہ ذکر کردہ حالت منجملہ ان احوال کے ہے، جس پر شیخ ابو علی ابن سینا نے تنبیہ کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: جب اس کا ارادہ اور ریاضت ایک حد تک پہنچتی ہیں، تو طلوع نور حق سے

تجلیات لذیذہ اس پر وارد ہوتی ہیں' جو بجلی کے مانند چمکتی اور جامد ہوتی رہتی ہیں، پھر جب ریاضت اور توجہ اس کی زیادہ ہوتی جاتی ہے تو ان تجلیات کا بھی تکثر ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس میں متوغل ہوجاتا ہے، اور بغیر ارتیاض کے بھی تجلیات اسے محیط رہتی ہیں، جب کسی شئی کو دیکھتا ہے تو اس سے بھی جناب قدس کی طرف مائل ہوجاتا ہے، اس چیز سے بھی اس پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے، جس سے وہ مورد تجلی ہوجاتا ہے، اس حالت میں اسے ہر شئی میں رویت حق ہوتی ہے، پھر اس حالت کی ریاضت اسے رفتہ رفتہ اس مقام تک پہنچا دیتی ہے کہ اس کے تمام وقت کا انقلاب سکینت ووقار کے ساتھ ہوجاتا ہے، اس وقت اسے معارف مستقرہ' جو صحبت مستمرہ کے مشابہ ہے' حاصل ہوتے ہیں۔

شیخ اسی کے متصل تدریج مراتب کے وصف میں جس کی انتہا نیل مرام پر ہوتی ہے' فرماتے ہیں کہ: اس کا سر روشن اور صاف آئینہ کے مانند ہوجاتا ہے' جو حق کے محاذی رہتا ہے، اس وقت اس پر لذات عالیہ نزول کرتے ہیں اور اس کے نفس کو عجیب فرحت اثر حق کے ملاحظہ سے حاصل ہوتی ہے، اس مرتبہ میں اس کی نظر حق کے طرف اور اپنے نفس کی طرف بھی ہوتی ہے، اس لئے وہ ہنوز مقر و در ہتا ہے، پھر وہ اپنے نفس سے غائب ہوکر فقط جناب قدس ہی کا ملاحظہ کرتا ہے، اور اگر اپنے نفس کا ملاحظہ ہوتا ہے بھی ہے تو صرف اس جہت سے کہ وہ حق کو ملاحظہ کرنے والا ہے، اس وقت وہ حقیقی واصل بحق ہوجاتا ہے۔

.................................نظری کے سبیل سے نہیں ہے جو قیاسات اور تقدیم مقدمات اور انتاج مناہج سے حاصل ہوتی ہے،.........ذیل کی مثال سے ادراک نظری اور اس ذوق کے درمیان میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔

فرض کرو! ایک مادرزاد نابینا جید الفطرۃ' قوی الحس' ثابت الحفظ' سدید الخاطر ہے، کسی

شہر میں پیدائش کے وقت سے سکونت رکھتا ہے' وہاں کے لوگوں کواور حیوانات و جمادات کو جواس شہر میں ہوتے ہیں، اورشہر کی گلی کوچوراہوں اور بازاروں ومکانات کوان قوت مدرکہ کے ذریعہ سے جوحق سبحانہ تعالیٰ نے اس میں ودیعت کئے ہیں، پہچانتا ہے، بغیر کسی رہنما کے شہر کا گشت کرتا ہے، اور جوکوئی ملے اسے پہچان کراولاً سلام کرتا ہے، ان کواوران کے اسماءکواور بعض حدود......کو جانتا ہے، مدت متمادی تک وہ اس طرح زندگی گذارانے کے بعد بقدرت ایزدی بینا ہوگیا، اور تمام شہر کا گشت کیا اور جس کا پہلے ہی شناسا تھا' اسے بنظر بصارت ملاحظہ کیا، کسی چیز کو اپنے اس اعتقاد وخیال کے خلاف جو نابینا ہونے کی حالت میں تھا' اس نے نہیں دیکھی اور انوکھی بھی کوئی چیز اسے نظر نہیں آئی، الوان کے بہ نسبت جو اس کا خیال ذہن میں تھا ویسے ہی نظر آئے، غرض اس کی بصیرت کما حقہ ہر چیز کا مشاہدہ کر چکی تھی، مگر تاہم اس صورت میں دوعظیم امر اس کے لئے حادث ہوئے، جس میں ایک دوسرے تابع ہے، یعنی زیادتی وضوح، اور انبلاج اور لذت عظیمہ کے طور ولالت تک نہ پہنچنے والے ناظرین کی حالت' نابینا کی پہلی حالت کے مشابہ ہے، اس حالت میں ان الوان کوان کی شروح انحاء کے ساتھ معلوم ہیں۔ وہ امور سمجھنا چاہئے جن کا ابوبکر بن صائغ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''وہ حیات طبیعیہ کی طرف منسوب ہونے سے زیادہ اجل ہے' جس بندہ پر خدامہربان ہوتا ہے اسے وہ موہبت فرماتا ہے''

اور جونظار کہ طورولایت تک واصل ہو چکے ہیں اور اللہ پاک نے انہیں وہ چیز جس کو ہم کہہ چکے کہ ''بر سبیل مجاز اس کو قوت کہہ سکتے ہیں'' عنایت فرمائی ہے' ان کی حالت وہ دوسری حالت ہے۔

....

النظر على قسمين

النظر على قسمين : نظر حسن ونظر سئى، النظر السئى ما يتعلق بالشئى على وجه الاستعجاب أوعلى ارادة اصابتهٖ شراً ، والنظر الحسن مايتعلق بالشى على جمالهٖ او خلقه ينظر مابين ... امتن عليه فيقول ما شاء الله ، او على ارادة اصابته خيراً ، فالنظران سيايان فما اصابت اثرهما الذين ذلك النظر سبب ارادى لقوله تعالىٰ لهما ، النظر الاول يزيل النعمة والثانى يزيدها ، قال النبى صلى الله عليه وسلم : العين حق ، أى تصيب الشر وتصيب الخير كما انه لا توثر عين كل واحد من الرجال فى الشر كذلك لا يوثر عين كل واحد فى الخير بل لهما رجال انتخبهم الله عن النوع الانسان منه ، فالمنتخبون لهما انواع : رجل توثر عينه فى الشر باذن الله فقط ، ورجل عينه توثر فى الخير باذنه فقط ، ورجل عينه توثر فيهما، وهذا الرجل الذى له نفس قوية ، والثا نى له نفس طيبة ، والاول له نفس خبيثة نعوذ بالله من النفس الخبيثة واثرها وتصرفها ، والله اعلم بالصواب ،

هذا ما خطر بالبال بقول الملك المتعال والله اعلم

فصل: اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کس چیز پر ایمان لانے کی خبر دی ہے

(۱)......غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات' فرشتے اور قیامت پر: ﴿ یؤمنون بالغیب ﴾۔

(۲)......قرآن پر اور تمام پہلے نازل شدہ کتابوں پر ایمان لاتے ہیں: ﴿یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک ﴾۔

(۳)......جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لاویں، نیک کام کریں، اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس اجر ہے: ﴿من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل الصالحات فلهم اجر هم عند ربهم ﴾۔

(۴)......تمام فرشتوں اور نبیوں پر، اللہ تعالیٰ' قیامت اور کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، ان کو بھالئے ہے: ﴿ ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر الیوم الآخر والملائکة والکتاب والنبین ﴾۔

(۵)......کل مومن اور رسول اللہ پر' فرشتوں پر' کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں، تمام میں کسی کو خارج نہیں کرتے: ﴿ آمن الرسول بما انزل الیه من ربه ﴾الآیات۔

(٦)......متشابہات پر ایمان لاتے ہیں، یہ مقولہ راسخین فی العلم کا ہے: ﴿ والراسخون فی العلم یقولون آمنا به ﴾۔

ذکر علامہ کفلیتوی

ولادت:......۱۲۸۳ھ۔

وفات:......۱۰؍رجب المرجب ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۶؍جنوری ۱۹۱۳ء۔

حضرۃ العلام مولانا عبدالحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات، ان کی علمی و تدریسی و دینی خدمات، عربی ادب میں ان کی مہارت، ان کی قابل ذکر تصانیف اور ان تصانیف کا مختصر تعارف وغیرہ امور کو اس رسالہ میں جمع کیا گیا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات کفلیتہ

عرض مرتب

محض اللہ تعالی کے فضل وکرم اوراس کی توفیق سے بلا کسی استحقاق کے حضرۃ العلام مولانا عبدالحئ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ کے رسائل کو ازسرنو مرتب کرنے اوران پر تحقیق وحواشی اورمفید اضافہ ومقدمہ وغیرہ امور کی سعادت نصیب ہوئی۔ راقم اس نعمت عظمی پر رب اکرم کی بارگاہ میں کن الفاظ سے شکرادا کرے۔

حضرۃ العلام علاقہ گجرات کے مایہ ناز عالم، عربی ادب کے شہسوار، تصنیف وتالیف کے مسلم صاحب قلم، جید الاستعداد، وسیع المطالعہ عالم تھے۔ یہ اہل گجرات اور خصوصا کفلیتہ کے باشندوں پر قرض تھا کہ آپ کی جملہ تصانیف کو جدید طرز پر طبع کر کے عام کریں، الحمدللہ یہ سعادت راقم کے مقدر میں آئی، اور آج ان رسائل کے طبع کا وقت آ گیا۔

راقم الحروف حضرت کے اہل وطن متعدد افراد کو اس اہم کام کی طرف متوجہ کرتا رہا، مگر بظاہر کوئی کامیابی کی سبیل نظر نہیں آ رہی تھی کہ کام بھی بڑا وقت طلب اور محنت کا تھا، ساتھ ہی ان کی طباعت خطیر رقم کی متقاضی تھی، اچانک ایک مرتبہ حضرت کے خاندان ہی کی ایک فرد الحاج حافظ موسی صاحب کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا، موصوف نے فورا کہا کہ: تو ان رسائل کو مرتب کر طباعت کی ذمہ داری میری ہے، اس پر راقم کو ہمت ہوئی اور کام شروع کیا، اور الحمدللہ اب تکمیل کو پہنچا۔ بہت پہلے یہ کام ہو جانا چاہئے تھا، مگر بعض عوارض اور گھریلو پریشانی کے باعث تاخیر پر تاخیر ہوتی گئی، مگر اللہ تعالی یہاں ہر ایک کام کا ایک وقت طے اور متعین ہے اسی وقت وہ انجام کو پہنچتا ہے۔

اللہ تعالی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے آمین۔ اللہ کرے اہل ذوق اور خصوصا اہل گجرات ان قیمتی رسائل کے مطالعہ سے مستفید ہوں۔

مرغوب احمد لاجپوری

اظہار واقعہ

دسمبر کے مہینہ کی کوئی تاریخ تھی، کہ اچانک ایک خط موصول ہوا، دیکھا تو ''جامعہ علوم القرآن جمبوسر'' کے بانی و مہتمم، علماء گجرات کی ایک خاموش مگر باہوش شخصیت، صاحب نسبت عالم، حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے درج ذیل دعوت نامہ تھا:

رابطہ ادب اسلامی، گجرات

تاریخ: ۸/ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۶/نومبر ۲۰۰۹، جمعرات

دعوت نامہ

محترم المقام حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب زید مجدہ

بعد ماہو المسنون! امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوں گے، نیز آنمحترم و جملہ متعلقین واحباب عافیت، مسرت اور شادمانی سے ہم کنار ہوں گے۔

بعدہ خدمت عالیہ میں یہ روح پرور اور حیات افروز مژدہ پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ ''رابطۂ ادب اسلامی'' نے اپنے اٹھائیسویں سہ روزہ مذاکرۂ علمی کے لئے رابطہ کی گجرات شاخ کے صدر مقام یعنی ''جامعہ علوم القرآن'' جمبوسر کا انتخاب کیا ہے۔ اور منطقہ کی مناسبت سے موضوع بھی ایسا ہی طے کیا ہے، جس میں کام کی بڑی گنجائش ہے اور جو علماء گجرات کے ذمہ قرض ہے، گویا اہالیان گجرات کے در پر رابطہ کی دستک ہے کہ آیئے گجرات کی سرزمین پر بیٹھ کر گجرات کے اسلاف کرام کا ذکر خیر کریں اور حال کا ناطہ ماضی سے جوڑ کر تابندہ بنیاد رکھیں۔ تو لیجئے! موضوع حاضر ہے:

''مولانا محمد طاہر پٹنی و دیگر علماء گجرات اور ان کی ادبی و علمی خدمات''

جس پر مؤرخہ ۶؍تا ۸؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۲؍تا ۲۴؍جنوری ۲۰۱۰ء، بروز جمعہ‘ سنیچر‘ اتوار سہ روزہ سیمنار منعقد ہوگا‘ انشاء اللہ تعالی۔

مذاکرۂ علمی کی صدارت عالمی رابطہ کے ادب اسلامی کے نائب صدر اوراس کے شعبۂ برصغیر کے صدر جناب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی فرمائیں گے۔ مذاکرۂ علمی میں آپ کی شرکت ہمارے لئے باعث مسرت ہوگی۔

مقالہ نگار حضرات اپنی شرکت کے ارادہ اور مقالہ کے عنوان سے صدر دفتر اور مقام انعقاد دونوں کو: ۸؍جنوری تک مطلع کرنے کی زحمت کریں تاکہ مقالات کی ترتیب وتنسیق میں سہولت ہو۔ مذاکرۂ علمی کے دوران قیام وطعام کی ذمہ داری جامعہ جمبوسر کی ہوگی۔

دعا فرمائیں اللہ تعالی اس مذاکرۂ علمی کو صوبۂ گجرات کی نشأۃ علمیہ وادبیہ کے لئے مہمیز بنادے اوراس کے جملہ مقاصد میں مکمل کامیابی عنایت فرمائے۔

(حضرت مولانا مفتی) احمد دیولوی (دامت برکاتہم العالیہ)

صدر: مجلس استقبالیہ‘ ۲۸واں مذاکرۂ علمی۔ وصدر رابطہ ادب اسلامی‘ گجرات

حضرت مدظلہ کے حکم پر راقم نے تین علماء کی عربی خدمات پر ایک مختصر مقالہ کم وقت میں تیار کیا ہے، اللہ تعالی اسے قبول فرما کر اخلاف کو اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔ راقم حضرت موصوف کا تہہ دل سے مشکور ہے کہ ایک طالب علم کو ایسے اہم وقت میں یاد فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی، جزاکم اللہ تعالی احسن الجزاء۔

اس مقالہ میں سے حضرت مولانا عبدالحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ کے حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

نام......وطن......ولادت

آپ کا نام عبدالحئ بن حافظ احمد بن سلیمان بن یوسف ہے۔
وطن قصبہ کفلیۃ ہے' جو گجرات کے مشہور شہر سورت سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔آپ کی ولادت ۱۲۸۳ھ میں ہوئی۔

والد ماجد[۱]

آپ کے والد ماجد کو علماء سے بیحد محبت تھی' اور فقراء کی محبت میں بیٹھنا بہت پسند کرتے تھے۔خدا تعالیٰ کا خوف وخشیہ ان کے دل میں جاگزیں تھا۔اور زبان ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتی تھی۔خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کے حسن خاتمہ کے لئے ایک خاص نشان ظاہر ہوا کہ طاعون کے ذریعہ سے ان کی وفات ہوئی' جو حضور رسول کریم ﷺ کے فرمان واجب الاذعان کے بموجب شہادت کی موت ہے۔[۲]

مولانا عبدالحئ صاحب رحمہ اللہ جس وقت پیدا ہوئے تو ان کے والد ماجد ان کو اپنے شیخ ومرشد یعنی حضرت مولانا لیاقت علی الہ آبادی رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے،حضرت شیخ نے ان کے لئے طول عمر اور حصول علم کی دعاء فرمائی اور ان کا نام عبدالحی رکھ دیا۔

---

[۱]......مولانا رحمہ اللہ کے والد محترم بڑے عابد وزاہد تھے۔حسن خاتمہ کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ساٹھ (۶۰) سال سے متجاوز ہوئے تو اچانک طاعون کا حملہ ہوا۔چند دن اس مرض میں بے چین و مضطرب رہ کر وفات پائی۔

[۲]......عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : ما تعدون الشهداء فيكم ؟ قالوا يارسول الله ! من قتل فی سبيل الله فهو شهيد ، قال: ان شهداء امتی اذاً لقليل، من قتل فی سبيل الله فهو شهيد ، ومن مات فی سبيل الله فهو شهيد ، ومن مات فی الطاعون فهو شهيد ، ومن مات فی البطن فهو شهيد۔(رواہ مسلم ص۱۴۳، کتاب الجہاد)

حضرت شیخ ایک متقی پرہیز گار عابد و زاہد بزرگ تھے۔خوف خداوندی سے اکثر اوقات گریہ و بکا میں مشغول رہتے تھے۔اور صحبت خلق سے خلوت مع اللہ کو ترجیح دیتے۔خدا تعالیٰ کے احکام پہنچانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔ ا؎

تعلیم

مولانا عبدالحئی جب سن تمیز کو پہنچے تو مکتب میں آمد و رفت شروع کی اور تین سال کے عرصہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔قرآن شریف حفظ کرنے کے زمانے میں ہی کچھ اردو اور گجراتی کے رسالے بھی پڑھ لئے اور اردو گجراتی لکھنا اور حساب بھی سیکھ لیا۔

اس کے بعد اپنے ماموں زاد بھائی مولانا ہاشم بن موسیٰ کفلیتوی کی خدمت میں

ا؎......مولانا لیاقت علی الہ آبادی رحمہ اللہ: آپ قرآن و حدیث کے متبحر عالم اور سنت رسول ﷺ کے پابند تھے۔اعلائے کلمۃ اللہ کے حرص میں اپنی مثال آپ تھے۔انداز تبلیغ مخلصانہ اور طرز عمل مثالی تھا۔ عقیدۃً وعملاً مولانا سید احمد صاحب بریلویؒ (م ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء) کے ہم مشرب تھے۔تعلیم کا آغاز بھوپال میں ہوا، اور تکمیل ٹونک میں ہوئی۔فراغت کے بعد کچھ عرصہ فوج میں ملازمت اختیار کی۔ فیروز پور چھاؤنی میں قیام رہتا۔ وہاں زیادہ وقت عبادت و ریاضت، مطالعۂ کتب و تبلیغ و تدریس میں صرف ہوتا۔ چند سکھ سپاہیوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام بھی قبول کیا۔ پھر ترک ملازمت کرکے وطن تشریف لائے اور درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ میں مشغول ہوگئے۔ چند ہی سال گذرے تھے کہ مولاناؒ کا رخ جنگ آزادی کی طرف ہوگیا۔ اب آپ نے الہ آباد کو مستقر بنا کر منظّم فوج کی ترتیب دی۔ عدالت اسلام کا صحیح نقشہ پیش کیا، کچھ حالات کی بنا پر مولانا کو روپوش ہونا پڑا۔اور کانپور، دہلی، کشمیر وغیرہ ہوتے ہوئے گجرات کے مشہور شہر بڑودہ تشریف لائے اور کچھ عرصہ تک قیام فرما کر راقم کے آبائی وطن لاجپور آگئے۔ یہاں آپ نے مراسم و بدعات کی بیخ کنی میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔تقریباً دس، بارہ سال روپوش رہ کر اپنوں ہی کی غداری سے گرفتار کر لئے گئے اور انڈامان میں قید رہے۔اور وہیں وفات پائی، رحمه الله رحمة واسعة۔

نوٹ:......آپ کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے! ص ۲۲۔

حاضر ہوئے اور بوستاں تک فارسی، اور عربی علم صرف ونحو اور علم فقہ کی ابتدائی کتابیں ان سے پڑھیں۔

مولانا ہاشم بن موسیٰ نہایت نیک پرہیزگار صابر وشاکر بزرگ تھے۔ انہوں نے مولانا محمد فاضل صاحب سورتی رحمہ اللہ کی خدمت بابرکت میں تحصیل علم کی تھی مگر افسوس کہ ابھی آپ کی تیس سال کی عمر تھی کہ آپ کو جنون ہوگیا اور اسی حالت جنون میں اپنے وطن کے قریب ایک ندی میں گر کر وفات پائی۔ [1]

ان کی وفات کے بعد مولانا عبدالحیٔ صاحب شہر سورت میں چلے گئے، اور مولانا محمد فاضل صاحب سورتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کافیہ، کنزالدقائق، مختصر الوقایہ، شرح وقایہ، ایساغوجی، اور اس کی شرح قال اقول، وغیرہ کتابیں ان کی خدمت میں پڑھیں۔

حضرت مولانا محمد فاضل صاحب رحمہ اللہ

مولانا محمد فاضل صاحب رحمہ اللہ کی عمر اس وقت اسّی (۸۰) سال سے زیادہ ہوچکی تھی۔ آپ تمام علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور ہمیشہ تعلیم وتدریس ووعظ ونصیحت افتاء وارشاد میں مشغول رہتے تھے۔ قرآن مجید کی تفسیر بیان فرمانے میں آپ کو خاص طور پر ید

---

[1]......مولانا محمد ہاشم صاحب رحمہ اللہ نے، مولانا محمد فاضل صاحب رحمہ اللہ سے صرف میں ''شافیہ'' اور نحو میں ''الفیہ'' تک اور فقہ میں ''شرح وقایہ'' تک تعلیم حاصل کی، پھر نکاح کی امنگ وخواہش کی وجہ سے نکاح کرلیا، نکاح کے بعد متعدد موانع کی وجہ سے علم کی تکمیل نہ کرسکے، ورنہ آپ بڑے ہی ذہین تھے۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ نے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ: ''وکان رحمہ اللہ زکیا، فطینا، لو اجتهد فی الطلب لكان له شأن''۔ آپ کی عمر تیس (۳۰) سال کی تھی صفرائے سوداء (کالا پت) کے مرض میں مبتلا ہوگئے، اسی حالت میں جنون ہوگیا، جس سے بے قابو ہوگئے، اور اپنے آپ کو ایک ندی میں گرادیا، اور وفات پائی۔

طولی حاصل تھا، اور کتاب اللہ کے دقائق اور معارف اور نادر نکات ایسی صاف و شیریں سلجھی ہوئی تقریر میں بیان فرماتے تھے کہ عامی سے عامی اشخاص سمجھ لیتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے، لیکن افسوس کہ خاص سورت والوں نے آپ کی قدر نہ کی۔ اہل سورت نے بوجہ تکبر وغرور کے نہ صرف یہ کہ قدر نہ کی بلکہ برملا مخالفت اور دشمنی پر تل گئے، اور آپ کے علوم سے کما حقہ فائدہ نہ اٹھایا، اور آپ کے فیض صحبت کی برکات سے محروم رہے۔ حضرت مولانا اس زمانہ میں کہ ریل گاڑی نہ تھی سورت سے دہلی تک پیادہ پا سفر کی مشقتیں برداشت کر کے تحصیل علوم کے لئے خاتم المحد ثین مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اور ان کی توجہ ظاہری و باطنی سے استفادہ فرمایا تھا، اور مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ تقریباً نوے سال کی عمر میں اپنے وطن سورت میں وفات پائی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ سورت سے بمبئی [۱] چلے آئے، اور کمّو سیٹھ اور زکریا سیٹھ اور جامع مسجد کے مدارس اسلامیہ میں شرح جامی اور قطبی اور نور الانوار اور مختصر معانی تک کتابیں پڑھیں۔

---

[۱]...... بمبئی میں مولانا عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ نے شیخ نظام الدین صاحب رحمہ اللہ سے ''نور الانوار'' اور ''مختصر'' پڑھی، شیخ نظام الدین رحمہ اللہ زبردست عالم، فقیہ، متقی، قانع بزرگ تھے۔ مساکین وفقراء کی صحبت اختیار فرماتے تھے۔ علماء کے آپس کے اختلاف اور عوام کے کاموں میں دلچسپیوں سے دور رہتے تھے۔ ہر وارد وصادر کی مدارات فرماتے۔ بمبئی میں وفات پائی۔

مدرسہ زکریا میں مولانا شیخ شعیب افغانی رحمہ اللہ سے سید صاحب کی ''شرح ایساغوجی'' اور ''بدیع المیزان'' اور ''ہدیہ سعدیہ'' وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ شیخ شعیب رحمہ اللہ علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ بڑے لائق، تمام علوم کے جامع اور عربیت کے ماہر تھے۔ ان کے بعض کتب پر شرح وحواشی بھی ہیں۔

۱۳۰۲ھ میں مولانا عبدالحئی صاحب بھوپال چلے گئے اور حضرت علامہ مفتی محمد عبدالحق صاحب رحمہ اللہ ۱؎ سے ''حمداللہ'' کا کچھ حصہ، مولانا سراج احمد دیوبندی رحمہ اللہ سے ''تصریح''اور''شرح چغمینی'' اور'' دیوان حماسہ'' کا کچھ حصہ، مولوی ظفر احمد صاحب دیوبندی رحمہ اللہ سے''مقامات حریری''اور''دیوان متنبّی''اور مولوی نذیر احمد صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ ۲؎ شاگرد رشید مولانا عبدالحق خیر آبادی رحمہ اللہ سے''ملاحسن شرح سلم'' پڑھی، اور فاضل محدث مولانا حافظ احمد صاحب ۳؎ سے حدیث شریف کی کتب صحاح ستہ پڑھیں اور جناب فاضل اجل مولانا شیخ حسین یمنی رحمہ اللہ ۴؎ سے صحاح ستہ کے اوائل یعنی ہر کتاب میں سے شروع کا تھوڑا سا حصہ پڑھا۔

جناب مولانا عبدالحئی صاحب نے بھوپال سے واپسی کا ارادہ فرمایا تو آپ کو فاضل علامہ مولانا حافظ احمد صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اور مولانا شیخ حسین یمنی رحمہ اللہ محدث نے علم حدیث کی اجازت اور سندیں لکھ کر عطا فرمائیں، ۵؎ جیسے کہ حضرات محدثین رحمہم اللہ

۱؎......آپ کو علوم متعارفہ میں خاص ملکہ حاصل تھا اور فنون متعارفہ میں وافر حصہ پایا تھا۔آپ نے شرح مسلم پر حاشیہ لکھا ہے' جسے علماء نے بہت پسند فرمایا۔شروع میں آپ بھوپال کے مفتی مقرر ہوئے' پھر قاضی بنائے گئے۔

۲؎......شاگرد رشید مولانا عبدالحق خیر آبادی رحمہ اللہ۔

۳؎......آپ احادیث نبوی کے رازداں وصاحب بصیرت محدث تھے۔اپنی عمر کا بیشتر حصہ احادیث کی تعلیم وتدریس میں گزارا۔انتہائی متواضع' زاہد عن الدنیا تھے۔اولادوں میں تقویٰ پرہیزگاری نہ ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہیں مقیم رہے۔

۴؎......آپ کو احادیث میں مہارت کاملہ حاصل تھی، اور اسماء رجال میں ملک راسخ حاصل تھا، اپنے آپ کو آثار وسنن کی اشاعت کے لئے وقف کر دیا تھا۔(دیکھئے! ذکر صالحین ص۴۷۳ ج۱)

۵؎......شیخ حافظ احمد صاحب رحمہ اللہ اور شیخ حسین یمنی رحمہ اللہ نے اپنی سند میں جو کلمات مولانا عبدالحئی

کا طریقہ ہے۔ یہ سندیں مولانا محمد عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالے میں پوری پوری نقل فرمادی ہیں۔

نیز حافظ محمد احمد صاحب رحمہ اللہ نے مولانا عبدالحیٔ صاحب کے پاس اپنا مد (ایک پیمانہ ہے جو صاع کی ایک چوتھائی کے برابر ہوتا ہے۔ ۱؎) جو حضور رسول کریم ﷺ کے مد کے برابر تھا' معہ سند کے بھیجا۔ یہ سند بھی مولانا عبدالحیٔ کے رسالے میں منقول ہے۔ ۲؎

اس کے بعد مولانا محمد عبدالحیٔ مرحوم بھوپال سے اپنے وطن کفلیتہ میں چلے آئے اور کچھ دنوں قیام کر کے کانپور چلے گئے اور مدرسہ دارالعلوم میں ٹھہرے۔ یہاں مولوی الٰہی بخش صاحب پنجابی رحمہ اللہ سے ''ہدایہ آخرین'' اور ''رسالہ قطبیہ'' اور ''سراجی'' پڑھی۔ ۳؎

مولانا الٰہی بخش صاحب مرحوم ۴؎ حضرت فاضل اجل مولانا احمد حسن صاحب پنجابی ثم

صاحب رحمہ اللہ کے متعلق لکھے ہیں' ان کو نقل کرتا ہوں۔ شیخ حافظ احمد صاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''ان المولوی الحافظ الخطیب عبد الحئی بن الحافظ احمد الکفلیتوی المعروف بالسورتی ، قد قرأ علیّ فی جماعة بقراء ة مستقلة ' بلا مشارکة ، فکتبت له الاجازة بالشروط المعتبرة عند اهل الحدیث لانه اهلها''۔

شیخ حسین یمنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''فقد وقد الینا الشاب النجیب واللوزعی الاریب عبد الحئی بن الحافظ احمد الکفلیتوی وقرأ علی الحقیر اوائل الامهات الست ، فوجدته المعیا والفیته فهما ذکیا''۔

۱؎......ایک صاع: ۳.۵۳۸ر کیلو کا ہوتا ہے۔ اس کو لیٹر سے ناپا جائے تو: ۵.۸۸ر لیٹر ہوگا۔ اس حساب سے صاع کا چوتھائی: ۱.۴۷ر لیٹر ہوگا۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے! ''الشرح الثمیری'' ص ۳۲۷ ج ۱، کتاب الزکوۃ۔

۲؎...... یہ مد آج بھی مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ کے خاندان میں موجود ہے۔

۳؎......ان کے علاوہ ''میر زاہد'' اور ''ملا جلال'' ''شرح عقائد'' اور ''خیالی'' وغیرہ کتابیں بھی پڑھیں۔

۴؎......سلامتی عقل اور ذکاوت طبع کی وجہ سے دارالعلوم میں اپنے شیخ کے سامنے ہی مسند تدریس پر جلوہ

الکانفوری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے اور علوم درسیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔

اس کے بعد مولانا عبدالحئ صاحب مرحوم رامپور چلے گئے اور وہاں مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی رحمہ اللہ [1] کے حلقۂ درس میں شرکت فرماتے رہے، اور مولوی محمد نادر الدین صاحب پنجابی رحمہ اللہ سے ''قاضی مبارک'' (''شرح مسلم'' بحث موضوع تک) ''حمداللہ'' اور ''صدرا الشیر ازی'' پڑھیں۔

رام پور سے مولانا محمد عبدالحئ مرحوم علی گڑھ آئے اور مولانا محمد لطف اللہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ''شمس بازغہ'' اور ''حمداللہ'' اور ''تصریح'' تھوڑی سی پڑھی۔

اس کے بعد مولانا محمد عبدالحئ مرحوم دوبارہ کانپور گئے اور دارالعلوم میں مقیم ہوئے اور کانپور کے مشہور و معروف فاضل مولانا احمد حسن صاحب مرحوم [2] سے ''تفسیر بیضاوی''

افروز ہوئے۔ نوجوانی ہی سے صالح اور متقی تھے۔ معقول و منقول کے جامع تھے۔ اپنے امور و احوال میں مستقل مزاج تھے۔ آخری دم تک تدریس میں مشغول رہے۔

[1] ...... مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ یکتائے زمانہ و علامۂ وقت تھے۔ منطق و فلسفہ اور اصول و فنون میں آپ کی تبحر علمی پر سب کا اتفاق تھا۔ تدریس و تصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ متعدد علوم و فنون میں کتابیں تالیف فرمائیں۔ بقول مولانا عبدالحئ صاحب رحمہ اللہ: ''علوم نقلیہ اور فنون مشہورہ کی سرداری آپ پر ختم ہوگئی تھی''۔

[2] ...... مولانا احمد حسن صاحب رحمہ اللہ، شیخ لطف اللہ صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ علوم درسیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ دور دور سے طلبہ آ کر علمی پیاس سے سیرابی حاصل کرتے تھے۔ آپ کے تلامذہ فضلائے کاملین میں تھے۔ حضرت حاجی امداد صاحب رحمہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں ''مثنوی'' پر بہترین حاشیہ لکھا۔ آخری عمر میں بمرض بواسیر غالباً ۱۳۲۲ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کی وفات پر مولانا عبد الحئ صاحب رحمہ اللہ نے جو مرثیہ کہا اس کے چند اشعار درج ہیں: (البصائر ص ۴۸ ج ۱)

قد فاق اهل العصر فی ادراکه وفيضه العالی علی الداماء

فما بدی فی عصره من مثله فی حكمة و مسكة فی الراء

اور ''شرح معانی الآثار طحاوی'' اور ''مسلم شریف'' اور ''توضیح وتلویح'' اور ''شرح مسلم'' (اور ''قاضی ابن مبارک'' اور ''خلاصۃ الحساب'') وغیرہ پڑھیں۔

اس کے بعد مولانا عبدالحیٔ مرحوم صاحب کو علم طب کا شوق دامنگیر ہوا تو لکھنؤ جا کر وہاں کے مشہور فاضل طبیب حکیم عبدالعزیز سے شرح موجز (کا کچھ حصہ اور شرح اسباب (نفیسی کی) پڑھی لیکن چونکہ حکیم صاحب کے یہاں درس میں دیر لگتی تھی ۱؎ اس لئے دہلی چلے گئے اور مدرسہ طبیہ میں جناب حاذق الملک حکیم محمد عبدالمجید خان صاحب ۲؎ سے ''شرح موجز'' و''شرح اسباب'' و''کلیات القانون'' (اور ''حیات القانون'' اور ''تشریح القانون'') پڑھیں اور ان کے مطب میں بیٹھے اور ملکۂ تامہ حاصل کیا۔

تدریس

تکمیل طب کے بعد پھر وطن واپس گئے اور اعزاء واقارب کی ملاقات سے مسرت

کم من کتاب قد افادت نفسه	وبثه فی سائر الانحاء
کم من نکات لاح من تصریحه	کم من صعاب حلّ بالایماء
اسکنک الرحمن یا احمد حسن	فی جنة عالیة غناء
هذا دعاء الطیب من رب السما	اجابة برحمة سخّاء

۱؎.....مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ اس کی تشبیہ چیونٹی کی چال سے دیتے تھے:

ولما کان دابة فی التعلیم دبیب النملة۔

۲؎.....جن کو فن طب میں ید طولی حاصل تھا، امراض کی تشخیص اور ان کے علاج میں ملکۂ راسخہ اور فراست تامہ رکھتے تھے۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ نے آپ کو ''عمدة الحکماء الحاذقین و زبدة الاطباء الماهرین'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔ علم طب آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔ آپ کے والد محمود خاں صاحب بھی حکماء میں سے تھے۔ آپ علم طب کی اشاعت میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے۔ اسی حرص میں آپ نے مدرسہ طبیہ قائم کیا، جس میں خود درس دیتے تھے۔ مریضوں کا علاج للہ فی اللہ کرتے تھے۔

حاصل کی اور کچھ دنوں فارغ البالی اورخوشی وراحت میں رہ کرقصبۂ راندیرتشریف لے گئے اورسیٹھ حاجی اسماعیل پیپرڑی کے مدرسہ اسلامیہ محمدیہ میں منصب تدریس پرمقرر ہوئے۔

کچھ عرصہ تک وہاں طلبہ کودرس دیا کہ کانپورسے مولانا احمد حسن صاحب کا کرامت نامہ آپ کی طلبی میں راندیر پہنچا، آپ فوراً کانپور روانہ ہوئے وہاں جاکرمعلوم ہوا کہ دارالعلوم کی طرف سے جلسہ دستار بندی منعقد ہونے والا ہےاورفارغ التحصیل علماءکودستارفضیلت عطاہونے والی ہے، چنانچہ جلسہ منعقد ہوا جس میں اطراف واکناف ہندوستان کے بڑے علماءموجود تھے، ان حضرات علماء نے ان تمام فارغ التحصیل علماء سے جن کودستارفضیلت عطاہونے والی تھی‘ بطورامتحان کچھ سوالات کئے، پھرمولانا محمد لطف اللہ صاحب علی گڑھی رحمہ اللہ نے اپنے دست مبارک سے ان حضرات کے سروں پردستارفضیلت باندھی اوران کےعلوم میں برکت کی دعافرمائی اورشریعت حقہ پرقائم رہنےاورعلوم دینیہ کی خدمت اور اشاعت کرنے کی نصیحت کی اورمولانا احمد حسن صاحب رحمہ اللہ نے مولاناعبدالحئ صاحب رحمہ اللہ اوران کے ہمراہیوں کوسندعطافرمائی‘اس سند پرتمام علماءحاضرین جلسہ نے دستخط فرمائے۔[۱]

[۱]...... یہ سندمقدمہ البصائر کے ص ۵۱ر پردرج ہے۔اس سند میں مولانا احمد حسن صاحب رحمہ اللہ نے مولاناعبدالحئ صاحب کے متعلق جوالفاظ تحریرفرمائے ہیں وہ قابل درج ہیں،موصوف رقمطراز ہیں:

’’وقد وُفِّق لها من الله الرّبّ الجليل ، الفاضل الاعز النبيل ‘ الاديب الذكى ‘ اللبيب الالمعى المولوى الحكيم عبد الحئى بن الحافظ احمد الكفليتوى ‘ صانه الله تعالى من مخالب الغبى والغوى ، ترك الوطن والاحباب ‘ واقتعد غارب الاغتراب ‘ مستحليا لمرارة مصائب الاسفار ‘ ومستلذا لرزايا قطع المنازل والاقطار ، فورد بعد طى المهامة والأكام فى هذه المدرسة ‘ التى اسمها ’’فيض عام‘‘ حرسها الله من حوادث الليالى والايام ‘ الواقعة ببلدة كانفور ‘ المحمية عن الفتن والشرور ، فاشتغل بقراء ة الكتب الدرسية علىّ ‘ واجتهد فى تحصيل العلوم النقلية و

اس کے بعد مولانا عبدالحئیؒ مرحوم راندیر تشریف لے گئے اور مدرسہ محمدیہ میں بدستور سابق منصب تدریس پر مقیم ہو کر طلبہ کو فیض پہنچانے میں مشغول ہوئے۔ پھر اہل مولمین نے آپ سے درخواست کی جامع مسجد کی امامت وخطابت آپ قبول فرمالیں۔ مولمین برہما کا ایک شہر ہے، جس میں نواح سورت اور راندیر کے بہت سے تجارت پیشہ مسلمان مقیم ہیں، اوران کی بڑی بڑی تجارتیں رنگون اور برہما میں ہیں۔

سفر برما

مولانا نے اپنے احباب اور اہل وطن کی درخواست کو قبول فرمایا اور راندیر کے مدرسہ سے قطع تعلق کر کے (۱۳۰۹ھ میں) مولمین تشریف لے گئے دس سال تک وہاں خدمت خطابت پر قیام فرمایا، اور چونکہ اس عرصہ میں مولانا کو علمی خدمات میں مشغول رہنے کا وقت

العقلية لدىّ ، وسمّر عن ساق الجدّ لتكميل مقصوده وا تمامه ، ولم يال جهداً فى طلب مرامه فبعد ما رقاه الله فى الفضل والكمال ، وحلّاه بيواقيت الفضائل والجزيله واللال ''۔

ترجمہ:......اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی توفیق فاضل مشہور، لائق ادیب، ذکی ماہر مولوی حکیم عبدالحئی محمد بن حافظ احمد کفلیتوی کو حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے، غباوت اور گمراہی سے۔ اس نے وطن کو چھوڑا اور احباب کو چھوڑا اور سفر اختیار کیا، سفر کے مصائب کو شیریں سمجھتے ہوئے اور لذیز سمجھتے ہوئے قطع منازل اور اطراف کی مصیبتوں کو۔ پس وارد ہوا بعد طے کرنے جنگلات اور ٹیلوں کے اس مدرسہ میں، جس کا نام ''فیض عام'' ہے، اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کی حفاظت فرمائے رات، دن اور ان کے حوادثات سے۔ یہ مدرسہ واقع ہے شہر کانپور میں، جو محفوظ ہے فتنوں اور شرارتوں سے۔ پس مشغول ہو گیا وہ یہاں کتب درسیہ کے پڑھنے میں مجھ سے، اور خوب کوشش کی علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل میں، اور پوری تیاری کی اپنے مقصود کی تکمیل میں، اوراس کے پورا کرنے میں، اور کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اپنے مقصد کے طلب میں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ترقی دی فضل میں، اور آراستہ کیا فضائل کثیرہ کے یاقوتوں کے ساتھ اور موتیوں کے ساتھ۔

مل گیا' اس لئے تالیف وتصنیف میں مشغول ہوئے اور علم دین کے قیمتی خزانے رسالوں اور کتابوں کی صورت میں تیار کر لئے۔

سفر حج

پھر آپ کو حج بیت اللہ کا شوق دامنگیر ہوا تو مولمین سے روانہ ہوکر ۱۳۲۱ھ میں (فلغلان کے راستہ سے) مکہ معظّمہ پہنچے اور رمضان المبارک کا مہینہ مسجد حرام میں عبادت وذکر الٰہی میں گزارا' اور وہیں ذوالحجہ تک قیام فرما کر ارکان حج ادا کئے، پھر مکہ معظّمہ سے روانہ ہوکر سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے پاک شہر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ مسجد نبوی اور روضۂ مطہرہ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں' اور جان ودل کو خوشی بخشی' اور غلبہ شوق کی وجہ سے ہمراہیوں کے ساتھ واپس نہ ہوئے بلکہ قافلہ چلا گیا' آپ مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے' سات مہینے تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور مسجد نبوی میں لوجہ اللہ طلبہ کو علوم دینیہ کی تعلیم دیتے رہے۔

اس درمیان میں مدینہ منورہ کے مشہور فاضل علامہ سید برزنجی ومولانا سید محمد سعید بن مولانا سید محمد مغربی شیخ الدلائل رحمہم اللہ سے اجازت وسند حاصل کی۔ [۱]

موسم حج کے قریب مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ تشریف لائے اور دوسرے حج سے فارغ ہوکر مکہ معظّمہ کے حضرات علماء کرام سے اجازت حاصل کرنے کی تمنا پیدا ہوئی تو اس پاک شہر کے علماء کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا سید حسین طرابلسی اور حضرت علامہ ابوالخیر شیخ احمد صاحب رحمہما اللہ سے اجازت نامے اور سندیں حاصل کیں۔ [۲]

---

[۱]...... یہ سند مقدمہ البصائر کے ۵۸ و ۶۶ پر درج ہے۔

[۲]...... یہ سندیں مقدمہ البصائر کے ۶۹ و ۷۳ پر درج ہیں۔

رنگون میں جامع مسجد کی خطابت پر تقرر

پھر با دل گریاں و بریاں مکہ معظمہ سے واپس ہوئے اور چند مہینے وطن میں قیام کیا کہ شہر رنگون کی مشہور و معروف سورتی مسجد کے ٹرسٹیوں نے آپ کو سورتی جامع مسجد رنگون کی خطابت کے لئے مدعو کیا' آپ نے حضرت حق تعالیٰ کی جناب میں استخارہ کر کے اسے منظور فرمالیا اور تقریباً نو سال رنگون میں خطیب رہے، اس اثناء میں یہی رات دن دینی خدمات میں مشغولی کے سوا دوسرا کام نہ تھا۔

بلا مبالغہ یہ کہنا صحیح ہے کہ احمد آباد کے فاضل علماء کے گذشتہ علمی دور کے بعد' دوسو برس میں سرزمین گجرات میں اس شان کا جامع العلوم' فاضل' وسیع النظر' محقق عالم' پیدا نہیں ہوا۔

رحمة الله عليه رحمة واسعة ۔[1]

قدرت ایزدی نے جناب مولانا مولوی محمد عبدالحئ صاحب مرحوم کو ان کی جانشینی کے لئے اولاد عطا نہ فرمائی' تو ان کی علمی تالیفات کو ان کا صحیح اور سچا جانشین بنادیا' جو انشاء اللہ قیامت تک ان کے مآثر علمیہ کو اہل دنیا کے سامنے روشن رکھیں گی' جو واقعی طور پر ان کی حقیقی یادگاریں ہیں۔

وعظ و تذکیر کے علاوہ' دینی رسائل تالیف و تصنیف فرماتے اور خلق خدا کو علمی فیض پہنچاتے رہے۔ مولمین و رنگون کے زمانہ ہائے قیام میں مولانائے ممدوح نے علوم دینیہ کے جو بیش بہاء ذخیرے تالیف فرمائے ان کی مختصر فہرست یہ ہے:

---

[1]......اگر قلم اجازت دے تو میں اس بات کے اظہار کی جرأت کروں کہ حضرت مولانا احمد میاں صاحب لاجپوری رحمہ اللہ (جن کا تذکرہ ص ۳۴۸ پر گذرا) کی عمر وفا کرتی تو یقیناً آپ کی علمی شان نرالی ہوتی۔

تصانیف

(۱)......''البصائر فی تذکیر العشائر ''عربی زبان میں وعظ کی معتبر اور مفید کتاب ہے۔

(۲)......''اطیب المرام''عربی نظم فرائض کا عمدہ رسالہ۔

(۳)......''اداۃ التنبیہ''اردو میں مشابہت بکفار کے بیان میں۔

(۴)......''الشہاب الثاقب ''بانی انجمن اتحاد مذاہب۔

(۵)......''الخلافہ''اردو میں خلافت اسلامیہ پر مفصل بحث۔

(۶)......''المدافع الالھیہ''اردو بابی مذہب کا رد۔

(۷)......''اجابۃ السائل عن القنوت فی النوازل ''اردو مصائب کے وقت قنوت پڑھنے کا حکم۔

(۸)......''القول المجلی''عیدگاہ میں نماز عیدین کی مسنونیت کا بیان۔

(۹)......''السبیل الاقوم فی توضیح المسلم''مسلم الثبوت کی نادر اردو شرح۔

(۱۰)......''سلعۃ القربۃ فی شرح النخبہ''نخبۃ الفکر کی مطلب خیز اردو شرح۔

(۱۱)......''سوانح علوم اسلامیہ''علوم اسلامیہ کی تاریخ اور متقدمین اہل اسلام کے کارنامے۔

(۱۲)......''عقد الفرائد فی نظم العقائد''عربی نظم میں عقائد اسلامیہ کا بیان۔

(۱۳)......''کلمۃ الفصل''اختلافی مسائل تقلید وغیرہ کا منصفانہ فیصلہ۔

(۱۴)......''مجموعۃ خطب منبریہ''جمعہ وعیدین کے خطبے۔

(۱۵)......''نظم الدرمعہ شرح القول الاغر ''متن وشرح دونوں عربی علم صرف کا عمدہ رسالہ۔

(۱۶)......''نزھۃ الانظار''عربی نظم میں منطق کا رسالہ۔

(۱۷)......''نضرۃ النعیم مع ترجمہ اردو'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے بیان میں۔

(۱۸)......''نسیم الصبا'' اردو سود کی حرمت کا بیان۔

(۱۹)......''ہدیۃ السفر'' ارکان اسلام۔

(۲۰)......''رسالہ حکم اجرت تلاوت''۔

(۲۱)......''رسالہ حکم ثیاب مقصورہ''۔

(۲۲)......''رسالہ حکم التحرک فی الصلوۃ''۔

(۲۳)......''رسالہ حالات خود عربی''۔

(۲۴)......''ترجمہ حصون حمیدیہ''۔

مذکورہ بالا تصنیفات وتالیفات میں سے سوائے مؤخر الذکر پانچ رسالوں کے تمام کتابیں حضرت مؤلف کی زندگی میں طبع ہوکر شائع ومقبول ہوچکی ہیں۔ان کے علاوہ مولانا ممدوح کے قلم فیض رقم کے اور بھی مسودات ہیں جو پورے نہ ہوسکے یا ہوگئے، مگر طبع نہ ہوسکے۔

اور مولانا نے اپنی حیات میں اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے کہ رویت ہلال کے بارے میں ٹیلی گراف کی خبر کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟ عربی میں ایک سوال مرتب فرما کر ہندوستان وعرب واستنبول کے علماء کی خدمت میں بھیج کر جواب حاصل کئے تھے،ارادہ تھا کہ انہیں مرتب فرما کر شائع فرمادیں کہ پیام صادق آپہنچا اور داعی اجل کو لبیک کہہ کر دارالسلام کی طرف کوچ فرمایا۔

ان مسودات کو مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیری رحمہ اللہ نے مرتب فرمایا اور معہ ایک تمہیدی مضمون کے جس میں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو صاف روشن کردیا گیا ہے،

رسالہ کی شکل میں طبع کرا کر شائع فرما دیا ہے۔ اس رسالہ کا نام ''البیان الکافی فی حکم الخبر التلغرافی'' ہے۔

مولانائے ممدوح نے اپنی سوانح خود ایک عربی رسالے میں تحریر فرمائی ہے ہم نے اکثر مندرجہ بالا حالات اسی رسالے سے لئے ہیں۔

وفات

بالآخر مولانا جامع مسجد رنگون کی خدمت خطابت اور اس کے ضمن میں تالیف و تبلیغ واشاعت جیسے پاک شغلوں میں ہی مصروف رہے کہ وعدۂ الٰہیہ آپہنچا اور چند روز کھانسی نزلہ میں مبتلا رہ کر بتاریخ ۱۰؍رجب المرجب ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۶؍جنوری ۱۹۱۳ء یوم دوشنبہ کو عصر کے بعد دار فانی سے رحلت گزیں عالم جاودانی ہوئے: ''انا للہ وانا الیہ راجعون''

اہل علم وارباب فضل وکمال سے محبت رکھنے والے حضرات کے دلوں پر غم کا پہاڑ گر پڑا اور با' دل بریاں وچشم گریاں اس علم وتقویٰ کے خزانے کو رنگون کے مقبرۂ عامہ [1] میں زمین کے سپرد کر دیا ۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید زجام دہر مئے کل من علیہا فان [2]

یہ مضمون'' الجواھر الزواھر ترجمہ البصائر فی تذکیر العشائر '' سے لیا گیا ہے، جو مولانا مرحوم کی خود نوشت سوانح حیات عربی سے حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے مرتب فرمایا ہے۔

---

[1]...... راقم الحروف کو رجب ۱۴۱۳ھ مطابق جنوری ۱۹۹۳ء میں' سفر برما کے دوران حضرت رحمہ اللہ کی مزار پر حاضری اور ایصال ثواب کی توفیق نصیب ہوئی، الحمد للہ علی ذلک۔ محشی

[2]......۔

عربی ادب میں حضرت رحمہ اللہ کی مہارت کے چند نمونے

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ نے ''مجموعۃ الخطب'' کے نام سے جمعہ کے خطبوں پر بڑے بلیغ و فصیح زبان میں: ۶۷/ خطبے تحریر فرمائے ہیں۔ ہر مہینہ کے پانچ، اس طرح ساٹھ اور دو خطبۂ اولی عیدین کے اور ایک خطبۂ ثانیہ، اور ایک خطبۂ ثانیہ تمام جمعوں کے لئے، اور ایک خطبۂ منظومہ، اور ایک خطبۂ نکاح اور آخری خطبۂ استسقاء۔

ان خطبوں کا ایک کمال یہ ہے کہ اکثر خطبوں میں شروع سے آخر تک کافیہ بندی کا نرالہ انداز قابل مطالعہ ولائق رشک ہے۔

اس مجموعہ کی تعریف کے لئے یہی بات کافی ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنا مجموعۂ خطب '' خطبات الاحکام'' میں جن خطبوں سے استفادہ فرمایا' ان میں ''مجموعہ الخطب'' بھی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اکثر اوائلها کاکثر ترتیبها ماخوذ من الاحياء للغزالی حجة الاسلام ، والبعض من عبد الحئی السورتی واللكنوى من الاعلام''۔ (خطبات الاحکام ص۴)

''مجموعۃ الخطب کا پیش لفظ پڑھئے! اور حضرت کا عربی ادبی مقام پہچانئے!

كلمة الشيخ على مجموعة الخطب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى افحم ببديع فرقانه مصافع الخطباء ، واذهب ببليغ فرقانه رُوآء شقاشقِ البلغاء ، والصّلوة والسّلام على من طلع من مشرق الرسالة والاِصطفاء ، فتلألأ بشعاعه ما بين الارض والسّمآء ، وعلى آله الازكياء ، واصحابه الاصفياء ، اما بعد ! فيقول المعتصم بحبل الله القوى ' محمد عبد الحئى السورتى ' انه قدِ

اخُتـلـج فـی سالف الزمان ، ان انظمَ ببنان البيان ، خُطَبا وجيزةً تقشعرُّ منها الجلود و تـذرف العيينان ، وتَوُجل القلوبُ وتتذكر الاذهان ، وتكون وصلة الفلاح يوم تقطع الـقـلـوب بتـعاقب الاشجان ، ووسيلة النّجاة يومَ تشخص الابصار بنوائب النّيران ، بيدَ اَن تراكم علا ئِقِ الزمان ، عوائق الحدثان ، يُثَبِّطُنِی عن ايقا ع ما خطر فی الجنان، فـكـنـتُ اتـردَّد حيـرانَ اذ قادتنی ارادةُ الرحمن ، وساقتنی مشيّة المنّان ، الی البلدة مُؤلَمِيُنَ حرَّس الله مسلميها عن الذلة والهوان ، فنفضت غُبار الاٰلام فيها والاحزان ، وانتهـزت فيهـا فـرصةً لاقتـنـاص المرام ، واغتنمت نُهزة لِّتحرّک الاصابع باساوِد الاقـلام ، فـصـرفـت فـی انشـائها برهة مّن الايّام ، فجاءَ تُ فی ستّة اشهرٍ بحمد الله الملک العلاّم ، كما تراها متكئةً علی اريكة الظُّهُور، مسطورة فی رقٍّ منشور،

الـلّهم انا نسئلک بالاستكانة والضّراعة ، ببضاعة الامل والطّماعة ، ان تجعلها لـنـا اجـرا و ذخـرا يّوم القيامة وشافعة ، ومشفّعةً لنا يوم لا تنفع النّدامة ، اللّهم انک تعلم ما ظلمنا انفسنا بالمأثمة ، فاغثنا وارحمنا برحمةٍ عامةٍ ،

اغثـنـا يـا غيـاث الـعـالمينا — تـحيّـرنـا وكُـنَّـا ظـالـمينـا
تـقـاعسـنـا عن الحقّ الصّريح — واقبـلـنـا الـی الامـر الـقـبيـح
واخـفـرنـا عهـودا بـالهـواء — وجـاوزنـا حدوداً م بِـالشقـآء
فسـامِحُ انت اوخُذ فی عذابک — فـانـا قـد اتيـنـا عـند بـابک
مـددنـا كف تسـألٍ بـذُلٍّ — ونـرجـو رحـمةً اَنـزل بـفضل
فـان تـغـفـر لـنـا والمسلمينـا — فـانـا مـن عبـادٍ مّجـرمينـا
فـان تـأخـذ بسخط فی المعاد — فـلا نشـكـوه يـا مـولـی العبـاد

وسهل يا الهى كل صعب وكفّر يا الهى كل ذنب
بجاه المصطفى خير العشائر شفيع الناس اذ تُبلى السرائر
ولن ينسا شفيع الناس امه اذا اشتدت امورٌ فى القيامه
اذا تدنوا ذكاء من رؤس وكان الناس فى صَعبٍ و بُؤسٍ
فيدعو ربه سرا و جهرا لِتُنجى امة يخشون ضرّا
عليک المصطفى خير البريّةِ صلوة الله تترىٰ والتّحيّه
وانج الطّيُبَ من شرّ الحسودِ ومن شرِّ العِدىٰ يا ربَّ جودِ

والمرجوُّ من ارباب البراعة ، وفرسان اليراغة، اِن عثروا على الخَلل ، او اطّلعوا على الخطل ، فيسدُّوه و يصاحوا بلطائف الحِيَل ، فانى مع قصورِ باعى و قلة بعاعى لستُ ازكى نفسى عن الزَّلَل ، وما اُبَرِّأ كلامى عن العِلل ، وما توفيقى الا بالله العلى الاجل ، واٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على سيد المرسلين ، وعلى آله وصحبه اجمعين۔

حضرت رحمہ اللہ نے جمادی الآخر کا پہلا خطبہ اس طرح تحریر فرمایا کہ اس کے اکثر حصہ (آیات واحادیث کے علاوہ) میں کوئی نقطہ والاحرف نہ آئے۔ملاحظہ فرمائیے!

الخطبة الجمعة لغير المنقوطة

الحمد للّٰه على ما سمک السّماء وسوّٰى ، ودَحَى المِهادَ لحُلُولِ الورى ، احمده على ما اعطى كرائم الاٰلآء ، وهداالى المسالک السَّمُحآء ، هو الله الواحد لا اله الا هو الملک العلاّم ، صل الله وسلم على رسوله محمد اكرمِ الكرام ، اَلمُؤطِّدُ اساس الاسلام ، الموصلِ سائر الاحكام ، وعلى آله مراسِمِ الهدى ما طار

الحمام ، وَلَدَ آدم الدارُ الاُولی دارُ المکر و الکساد ، ماحصل علی سطحها لاحد سائرُ مرامه و المُراد ، الهلاک کلُّ الهلاکِ علی امراً صرم عمرُه علی مَمَرِّ الهوی، وعلی مسلک الهدی ما سعی ، ودار حول حِمَی الحرام کالاعمی ' وعصی الله ورسوله وما ارعَوی ، وَالرَّدٰی کُلُّ الرَّدی علی مسلم ما صلی و ماصام ، ومال الی الهراء والمِراء وحاول الرَّهط اللِّئام ، ورحم الله امراً صرم عمرُه رائما مّکارم الاعمال ، وصاعداً مّصاعدا الکمال ، وعد امرا للمعاد ، وحصَّل عملا موصِلا الی المُراد ، وراعی حدود الله و مرَّ علی صراط السداد ، اوصلکم الله الی المرکام ، وامرکم علی مسالک الصلحاء الکرام۔

اللہ تعالی نے حضرت رحمہ اللہ کو جس طرح نثر کلام پر قدرت کاملہ عطا فرمائی تھی' اسی طرح اشعار میں بھی یکساں صلاحیت سے نوازا تھا، برجستہ عربی اشعار کہتے تھے، اسی کا ایک نمونہ آپ کا وہ منظوم خطبہ ہے جو'' مجموعۃ الخطب'' کے آخر میں ۲۲/ اشعار پر مشتمل ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بھی یہاں نقل کردوں:

الخطبة المنظومة

بسم الله الرحمن الرحيم

اَجُودُ بِدَمْعٍ وَهُوَ بِالْحَقِّ يَشْهَدُ عَلٰی حَرِّ عِشْقِیْ حَرُّهُ لَيْسَ نَخْمَدُ

وَقَدْ كُنْتُ قِدْماً فِی الْهَوٰی اَتَقَلَّبُ لَطِيْفٍ سَرٰی فِی اللَّيْلِ اِذْ كُنْتُ اَرْقُدُ

اَيَا نَفْسُ مَهْلاً وَّاَتَّقِیْ زُخْرُفَاتِهٖ فَمَنْ هَمُّهُ فِی السُّوْءِ يُلْقٰی وَيُطْرَدُ

وَلاَ تَرْغَبِیْ فِیْ زَهْرَةِ النَّشْأَةِ تُعَدُّ كَنَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ وَتَفْسُدُ

تُشَابِهُ ظِلاًّ اَوْسَرَاباً م بِقِيْعَةٍ وَوَهْماً عَرٰی فِی الْقَلْبِ اٰناً فَيَفْقَدُ

وَكَمْ مُتْرَفٍ فِيْهَا سَعٰى مُتَبَخْتِراً ‏ ‏ ‏ ‏ وَقَدْ كَانَ عَبْدَ النَّفْسِ لِلشَّرِّ يُوْلَدُ
وَكَمْ مِنْ كَمِيٍّ غَرَّهُ قُوَّةٌ لَّهُ ‏ ‏ ‏ ‏ فَقَدْ كَانَ يُؤْذِيْ مَن يَّرٰى وَ يُهَدِّدُ
كَأَنَّ الْمَنَايَا لَن يُّمِتْنَ نُفُوْسَهُمْ ‏ ‏ ‏ ‏ وَاَنْفُسَهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدَّارِ تُخْلَدُ
اَدَارَتْ وَحٰى بُوْسٍ وَّ ذُلٍّ عَلَيْهِمْ ‏ ‏ ‏ ‏ فَكُلٌّ كَأَمْثَالِ الْاَذِلَّةِ يُعْهَدُ
وَذَاقُوْا مَذَاقَ الْمَوْتِ كُرْهاً وَّ شُكْرَةً ‏ ‏ ‏ ‏ وَفِى حُفْرَةٍ ذَاتِ الْمَصَائِبِ اُوْرِدُوْا
اَلَمْ تَدْرِ مَا خَانَتْ بِكِسْرٰى وَ قَيْصَرٍ ‏ ‏ ‏ ‏ وَفِرْعَوْنَ و شَدَّادٍ وَّمَنْ كَانَ يُلْحِدُوْا
فَتِلْكَ بُيُوْتٌ قَدْ خَوَتْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ ‏ ‏ ‏ ‏ عَفَا مَا بَنَوْا قَصْراً مَّشِيْداً وَّ شَيَّدُوْا
اُوْلُو الْعَقْلِ عَنْهَا يَصْرِفُوْنَ وُجُوْهَهُمْ ‏ ‏ ‏ ‏ لِمَا اَنَّهَا زُوْرٌ تَغُرُّ فَتَشْرُدُ
وَكُنْ يَا اَخِيْ فِيْهَا غَرِيْباً وَّ عَابِراً ‏ ‏ ‏ ‏ وَنَفْساً كَاَصْحَابِ الْقُبُوْرِ تَعَدَّدُ
تُخَالِفُ نَفْساً فِيْ هَوَاهَا مُدَاوِماً ‏ ‏ ‏ ‏ وَتَكْسِرُ سَوْرَاتٍ عَنِ الْحَقِّ تُبْعِدُ
عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فِيْ كُلِّ مَطْلَبٍ ‏ ‏ ‏ ‏ فَاَطْيَبُ زَادٍ فِى اغْتِرَابٍ تَزَوَّدُ
مَخَاوِفُ قَبْرٍ كُلَّ اٰنٍ تُفَكِّرُ ‏ ‏ ‏ ‏ فَاَوَّلُ مِرْقَاتِ الْقِيَامَةِ مَرْقَدُ
فَمَنْ كَانَ يَنْجُوْا فِيْ تَرَاهُ فَقَدْ نَجٰى ‏ ‏ ‏ ‏ وَمَنْ فِيْهِ مَقْهُوْرٌ فَفِى النَّارِ يُوْقَدُ
وَاِيَّاكَ وَالنِّيْرَانَ فِيْ كُلِّ حَالَةٍ ‏ ‏ ‏ ‏ فَاِذْهٰى دَوَاهِيْ لِلْعُصَاةِ تَرَصَّدُ
وَرُمْ فِيْ مَرَاضِى اللّٰهِ بِالْبِرِّ وَالتُّقٰى ‏ ‏ ‏ ‏ اِلٰى جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ بِاللُّطْفِ تُرْشَدُ
مَدَدْنَا يَدَىْ سُؤْلٍ اِلٰى اللّٰهِ رَبِّنَا ‏ ‏ ‏ ‏ لِيَخْتِمْ لَنَا بِالْخَيْرِ اِيَّاهُ نَقْصِدُ
صَلٰوةٌ عَلٰى خَيْرِ الْبَرِيَّةِ دَائِماً ‏ ‏ ‏ ‏ وَمَنْ هُوَ فِيْ دِيْنٍ وَّ دُنْيَا مُحَمَّدُ

القصیدة

بسم الله الرحمن الرحیم

اَلاَ اِنَّنِی کَأسَ الْـجَوٰی اَتَجَرَّعُ   وَنَارُ الْهَوٰی فِیْ جَوْفِ قَلْبِیْ تَلْمَعُ
وَقَدْ ضَاقَ صَدْرِیْ مِنْ هُمُوْمٍ مُّلِمَّةٍ   وَتَجْرِیْ عُیُوْنِیْ بِالدِّمَاعِ وتَهْمَعُ
قَدْ اِمْتَدَّ دَآئِیْ بِالصَّبَابَةِ وَالْاَسٰی   وَقَدْ کَادَ قَلْبِیْ بِالْفِرَاقِ تَقَطَّعُ
وَمَالِیْ اِلَّا مِنْ لِقَآءِ مُحَمَّدٍ   شِفَاءٌ یُّزِیلُ الغَمَّ عَنِّی وَ یُقشِعُ
فَدَیْتُ لَهُ نَفْسِیْ وَ وُلْدِی مَحبَّةً   واُمِّی، اَبِیْ، جَدِّیْ وَمَا کُنْتُ اَجْمَعُ
هَدَانَا سَبِیْلاً مُّسْتَقِیْماً نَصِیْحَةً   وَعَلَّمَنَا عِلْماً بِهٖ الْعَقْلُ یُرْفَعُ
اَتَانَا بِقُرْاٰنٍ کَرِیْمٍ مُّبِیْنٍ   بِنَظْمٍ بَلِیْغٍ عَاجِزٍ عَنْهُ مُصْقَعُ
عَلٰی جَبَلٍ لَّوْ اَنَّهُ کَانَ یُنْزِلُ   فَتَنْشَقُّ مِنْ خَوْفٍ تَرٰی اَوْ تَصَدَّعُ
لِاِعْلاَءِ دِیْنِ اللّٰهِ قَاسٰی شَدَائِدَا   وَاَذَاهُ قَوْم مِنْهُمُ الْخَیْرُ یُطْمَعُ
وَحَامِلُ کُلِّ کَاسَبٍ کُلَّ مَعْدِمٍ   وَقَدْ شَدَّ اَحْجَاراً لِجُوْعٍ یُّصَرِّعُ
وَقَدْ کَانَ فِی الطَّاعَاتِ تَلْهَجُ نَفْسَهُ   وَقَدْ کَانَ مَغْفُوْراً بِمَا کُنْتَ تَسْمَعُ
مَسِیْرَةَ شَهْرٍ رُعْبَهُ کَانَ ذَائِعاً   وَکَانَتْ اُسُوْدُ هَیْبَةً مِّنْهُ تَفْزَعُ
وَاسْقَهِم فِی الْحَرْبِ لَوْ عَنْ اَمْرِهٖ   وَاَثْبَتَهُمْ فِیْهٖ اِذَا فَرَّ اَشْجَعُ
بِرِیْحِ الصَّبَا فِی الْحَرْبِ کَانَ مُؤَیِّداً   کَمَا اَنَّ عَاداً بِالدُّبُور لَاُقْمِعُوْا
وَاَیَّدَهُ جُنْد نَزِیْل مِّنَ السَّمَاءِ   اَذَاقُوْا وَبَالَ الْکُفْرِ قَوْماً تَوَصَّعُوْا
وَحَاجَةُ مَاءٍ مَرَّةً قَدْ تَعَرَّضَتْ   فَاِصْبَعُهُ قَدْ کَانَ بِالْمَاءِ یَنْبَعُ
وَسِیْلَةُ قَوْمٍ مُسْلِمِیْنَ بِاسْرِهِمْ   اِذَا اشْتَدَّ اَمْرُ فِی الْقِیَامَةِ یَشْفَعُ

وَاَعْطَاهُ حَوْضاً کَوْثَراً خَالِقُ الْوَرٰی　　فَیَسْقِی شَرَاباً سَائِغاً لَایُصَدَّعُ
هُنَالِکَ نَرْجُوْ مِنْکَ یَا خَیْرَ مُرْسِلٍ　　شَفَاعَتُکَ الْعُلْیَا الَّتِیْ یَنْفَعُ
فَنَحْنُ عُصَاةٌ هَائِمُوْنَ عَمَایَةً　　اَطَعْنَا هَوَاءَ وَالْخَطِیْئَةَ نَجْمَعُ
جَمِیْعُهُمَا صَلّٰی عَلَیْهِ اللّٰهُ مَا طَارَ طَائِرٍ　　وَصَلّٰی عَلٰی اٰلٍ سَجَایَاهُ اَسْنَعُ
وَسَامِحُ طَیِّباً فِیْ خَطَایَا جَمِیْعَهُ　　وَمَنْ کَانَ ذِیْ حَقٍّ لَهُ اللّٰهُ اَسْمَعُ

علم عقائد میں ایک رسالہ عربی اشعار میں لکھا، اس کا نام ہے ''عقد الفرائد بنظم العقائد'' یہ رسالہ میں ۱۵۵/اشعار پر مشتمل ہے، اس کے ابتدائی پانچ اشعار یہ ہیں۔

عقد الفرائد بنظم العقائد

یَقُوْلُ عَبْدُ الْحَئی فِی ابْتِدَاءٍ　　سُبْحَانَ رَبِّ الاَرْضِ وَالسَّمَاءِ
مُصَلِّیاً عَلَی الرَّسُوْلِ الْعَرَبِ　　مُحَمَّدٍ ذِی الْمَشْرَبِ الْمُهَذَّبِ
وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الْاَطَائِبِ　　مَادَارَتِ الافْلَاکِ بِالْکَوَاکِبِ
وَبَعْدُ اِنِّی اَنْظِمُ الْعَقَائِدَ　　فِیْ سِمْطِ تَحْرِیْرٍ بِفِکْرٍ نَاقِدٍ
لِلْفَاضِلِ النَّجْمِ النَّبِیْهِ النَّسَفِ　　بُرْهَانِ عِلْمِ الدِّیْنِ قُطْبِ الشَّرَفِ

علم صرف میں آپ کو کیسا کمال حاصل تھا' اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے علم صرف پر عربی اشعار میں ایک رسالہ لکھا' جس کا نام ہے ''نظم الدرر'' پھر اس کی شرح بھی عربی ہی میں لکھی' جس کا نام رکھا ''القول الاغر''۔ اس میں تقریباً ۷۰۰/اشعار ہیں۔ اس کی ابتدا اس طرح فرمائی۔

نظم الدرر فی شرحه المسمی القول الاغر

یقول عبد الحئی ذو الاٰثام　　حَمْداً لِمَوْلَی الْحَمْدِ وَالاِنْعَامِ

مُصَلِّیاً عَلٰی جَمِیْلِ الشِّیَمِ   مُحَمَّدٍ نَبِیِّ خَیْرِ الاُمَمِ
وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہِ الْمُزْدَھِرَۃْ   وَمَنْ تَلاھُمْ مِّنْ نُفُوْسٍ بَرَرَۃْ
وَبَعْدُ اِنِّی قَدْ اَجَلْتُ طَرْفِیْ   فِیْ مَا اَفَادَہُ حُمَاۃُ الصَّرْفِ

علم میراث میں آپ کو کیسا ید طولی حاصل ہوگا کہ آپ نے تقریبا ۳۰۰/ سے زائد اشعار پر مشتمل ایک رسالہ اس مشکل علم کے قواعد واصول پر تحریر فرمایا' جو پہلی مرتبہ ہندوستان میں شائع ہوا' پھر مصر میں طبع ہوا۔

اس رسالہ کی مقبولیت وافادیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے' کہ کسی زمانہ میں جامعہ ازہر کے نصاب میں داخل تھا، اب داخل ہے یا نہیں اس کا علم نہیں۔ اس رسالہ کے ابتدائی ۷/ اشعار درج ذیل ہیں ۔

اطیب المرام فی فرائض الاسلام

یَقُوْلُ عَبْدُ الْحَیٔ ذُوْ عِصْیَانِ   اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الشَّأنِ
وَاَزْھَرُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ   عَلَی الرَّسُوْلِ الْمُصْطَفَی الْکَرِیْمِ
وَآلِہِ الْاَمَاجِدِ الْاَطْھَارِ   وَصَحْبِہِ الْاَمَاثِلِ الْاَخْیَارِ
مَا لاَحَتِ النُّجُوْمُ فِی السَّمَاءِ   وَطَارَتِ الطُّیُوْرُ فِی الْھَوَاءِ
وَبَعْدُ فَھٰذَا اَطْیَبُ الْمَرَامِ   فِیْ عِلْمِ مِیْرَاثٍ بِنَظْمٍ سَامِ
مُرَصَّعاً بِجَوْھَرِ الْاِیْجَازِ   وَصَافِیاً عَنْ وَّصْمَۃِ الْاُلْغَازِ
وَنَاظِماً لِّنِصْفِ عِلْمِ الدِّیْنِ   وَرَافِعاً لِّلشَّکِّ بِالْیَقِیْنِ

حضرت رحمہ اللہ حج سے فراغت پر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں کی حاضری پر شوق وعشق نبی میں درج ذیل اشعار کہے ۔

الکلام المنظوم: عند زیارۃ الروضۃ الاقدس صلی اللہ علیہ وسلم

قال الشیخ رحمہ ا للہ:

ھذا ما تجاسر علیہ قلبی واللسان، حین ما قرَّتِ العینان، بمشاھدۃ روضۃ سید ولد عدنان، صلی اللہ علیہ و سلم ما تعاقب المسلمون ؎

یَاخَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ جِئْتُ حِماکَاَ مُسْتَشْفِعاً مُسْتَأنِساً بِثَرَاکَا
فَارْحَمْ عَلیَّ فَاَنْتَ رَحْمَۃُ عَالِمٍ وَاسْلُبْ شَجَا قَلْبِیْ بِرَشْحِ نَدَاکَا
کَمْ فِیْ فِرَاقِکَ شِدَّۃً قَاسَیْتُھَا وَانْصَبَّ دَمْعِیْ اِذْ جَریٰ ذِکْرَاکَا
کَمْ مِنْ ثَنَائِکَ مِنْ قَوَافٍ صُغْتُھا وَشَقَیْتُ قَلْبِیْ وَالِھاً بِھَوَاکَا
حَتّٰی مَتٰی فِیْکُمْ یُقَاسِیْ کُرْبَۃً عَبْدٌ ضَعِیْفٌ ذَائِبٌ بِنَوَاکَا
ھَا قَدْ اَتَیْتُکَ مِنْ بَعِیْدٍ زَائِراً فَانْظُرْ اِلٰی حَالِیْ بِعَیْنِ رَضَاکَا
وَارْفَعْ حِجَابَ الْبَیْنِ عَمَّا دُوْنَنِیْ وَاجْعَلْ قَرِیْرَ الْعَیْنِ مِنْ لُقْیَاکَا
وَامْنُنْ عَلٰی عَبْدٍ غَرِیْبٍ مُذْنِبٍ وَاَغِثْ رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ نَادَاکَا
قَدْ عَمَّ مَنُّکَ کُلَّ مَنْ تَحْتَ السَّمَا مِمَّنْ یُحِبُّکَ اَوْ یَکُوْنَ عَدَاکَا
اِنِّیْ اِمْرَأٌ مُسْتَثْقِلٌ بِذُنُوْبِہٖ مُسْتَیْقِنٌ فِیْ نَفْسِہٖ اِھْلَاکَا
فَاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ لِذَنْبِہٖ ھٰذَا الَّذِیْ یَرْجُوْہُ مَنْ لَاقَاکَا
مَالِیْ سِوَاکَ وَسِیْلَۃٌ فِیْ نَیْلِ مَا یَرْجُوْہُ یَا مَنْ حَیَّ فِیْ مَثْوَاکَا
صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا خَیْرَ الْوَریٰ مَازَارَ رَوْضَکَ زَائِرٌ وَالَاکَا

حضرت رحمہ اللہ کی تصانیف میں سب سے ضخیم اور علوم کثیرہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ایک کتاب ''البصائر'' ہے جس میں مختلف موضوع پر ساٹھ بصیرتیں عجیب وغریب مضامین کو

ایک انوکھے انداز میں اس قدر دلچسپی کے ساتھ جمع کی گئی ہیں کہ قاری حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ائمۂ مساجد اور واعظین وخطباء کے لئے بے انتہا قیمتی تحفہ ہے۔ اس عربی کتاب کا ترجمہ ہندوستان کے مشہور عالم حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ نے فرمایا' انشاء اللہ جلد ہی اس کی طبع جدید منظر عام پر آئے گی۔ ''البصائر'' کا پیش لفظ نظر ناظرین ہے:

خطبة المؤلف على ”البصائر فى تذكير العشائر“

نحمدك اللهم على ما وشَّحتَ قلوبَ المذكِّرين بِلوامع البصائر، و وشَّيتَ عقول الهادين بسواطِع السرائر، وصَدعتَ غواشىَ الغَوايةِ بقواطع الزّواجر، وبسطْتَ مِهاد الهداية بزواهر البشائر، ونصلى و نسلم على من انذر العشائر، وبشَّرَهم بما يَقِرُّ به النواظر، رسولُكَ محمدٌ افضلُ الهُداةِ سيّد الاخاير، وعلى اٰله وصحبه النّجوم الزواهر، ما اقْتَعد الواعظون معارجَ المنابر،

وبعد :فيقول المتمرِّغ فى تِرب العصيان ، اَلمُرتجى من ربه شاٰبيب الغُفران، محمد عبد الحئى بن الحافظ احمد الكفليتوى ' المعروف بالسورتى' وقاهما الله تعالى شرةَ الغِمْرِ العَتِى، انّ التذكير مما حثَّ عليه القرآن والحديث، وتولّاه خيار الناس فى القديم والحديث، لانه الجهاد بالكتاب والسنة، لابالكتائب والاسنة، واعلاء كلمة الله باللسان، لا بالقواضب والسّنان، ليهلِك من هلك عن بينه، ويحى من حى عن بينه، ولمَّا نِيطَتْ بِىَ العِمامة ، واُلقِىَ علىَّ اَعْباء الاِمامة، وفوِّض الىَّ زِعامة التّذكير، وما كان لى منه محيص ولا نكير، استقريت الكتب المتداولة المدوَّنةِ فى هذا الباب، وسرَّحتُ فى صفحاتها نظرَ الاكتساب ، فلم اجد كتاباً

یشفی الھِیام، ویُروِی الانام، فَاَلَّفتُ مع تشتُّتِ البال وتفاقُمِ البَلْبالِ' کتابا موزعا الی ستّین بصیرۃ سنیَّۃ قمینۃ ' ان یُّصیر بھا النواظر قریرۃ، افتتحتُ کل بصیرۃ بالآیات البینات، ثم طرزتُھا بالمعانی والفتاسیر التی افادتھا الثقات، ثم اتیتُ بتمھیدٍ یتضمّن الاحادیث المسندۃ ، والقصص والحکایات المعتمدۃ والتحقیات العجیبۃ، والتّعقیبات الغریبۃ'متناسقۃ مَبانیہ' مُتعانقۃ معانیہ' کانّھا حلق مسرودۃ ' او دُرر منظومۃ منضودۃ، وسمَّیُتُہ '' البصائر فی تذکیر العشائر''

جعلہ اللہ تعالی تبصرۃً للمُتذکّرین ، وتذکرۃً للمُتبصّرین، واِنّی مع خُمود طبیعتی وجمود قریحتی' ما اُبرّئ نفسی من العِشار، وما اُزَکّی کلامی من العَرار، فَالْمَرجُوُّ من افاضل الجَھابذۃ واَماجِدِ الموابِذۃ ، ان یُّسَرِّحُوا الانظار فیھا بعین الرضا، ولا یُجِیلوا قِداح الافکار فیھا بطبع الازراء، کما ھو دَیْدَنُ ذوِی الشَّحْناء، فان عَثروا فیھا علی عَثَراتِی، واطَّلعوا علی عوراتی، فعلیھم اَن یُّسلِبُوا علیھا غِطاءَ الاِغْضاء، او یُوَشِّحُوھا بِحُلِیّ الاصلاح کما ھو داب الحنفاء، وعلی اللّٰہ توکّلت وھو حسبی' و نعم الوکیل،

حضرۃ العلام مولانا عبدالحئ صاحب رحمہ اللہ کی تصانیف کا مختصر تعارف

راقم الحروف نے جب حضرت رحمہ اللہ کی جملہ تصانیف کی جدید طرز پر اشاعت کا کام شروع کیا تو ہر رسالہ و کتاب کی ترتیب کے بعد اس پر مختصر عرض مرتب و تعارف کتاب کے عنوان سے کچھ کچھ لکھنے کا موقع بھی ملا، یہاں ان ہی مضامین کی تلخیص نقل کی جارہی ہے، ان سے ایک نظر میں حضرت رحمہ اللہ کی جملہ تالیفات کا مختصر تعارف اوران کی اہمیت کا علم ہوجائے گا، ممکن ہے کہ کسی صاحب نظر کو ان تعارف کے بعد اصل کتاب کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو اور وہ ان سے استفادہ کرسکے۔

مرغوب احمد لاجپوری

''سوانح علوم اسلامیہ'' کا تعارف

علماء امت اوران کی تصنیفی و دینی خدمات یقیناً آپ ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ کوئی قوم اور مذاہب عالم' اسلام کے علماء اوران کی حیرت انگیز دینی خدمات کی مثال نہیں پیش کرسکتے۔ یہ ایک حقیقت ہے چاہے ضد وعناد سے اس کا انکار کیا جاتا رہے۔ اسی حقیقت کی ایک ادنی جھلک دیکھنا ہوتو ''سوانح علوم اسلامیہ'' کا مطالعہ کیا جائے۔

اس میں حضرت العلام مولانا عبدالحئ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے حصول علم کے فضائل، اورقرآن کریم کے علوم اوراس کا اعجاز اوراس کی وجہ سے علم نحو وصرف' علم لغت' علم فصاحت و بلاغت' علم حدیث' علم اسماء الرجال، علم اصول حدیث' علم اصول فقہ وعلم فقہ اور علم کلام وغیرہ وجود میں آئے' اس کی مختصر مگر بڑی عمدہ تصریح فرمائی ہے۔ پھر آپ نے بڑی تفصیل سے بتلایا کہ ان علوم کا ماہر درحقیقت عالم کہے جانے کا مستحق ہے۔ آج کے دور میں جو درحقیقت علم کی تنزلی کا دور ہے، لچھے دار اور جوشیلے وعظ کا دور دورا ہے، اور عوام تو عوام

بعض خواص تک غیر محقق واعظ کے پیچھے اپنے اوقات کو ضائع کر رہے ہیں، اہل علم کا تو فرض یہ تھا کہ ایسے وعظ سے جس میں نہ درد ہو نہ امت کا غم، نہ آخرت کی فکر آ رہی ہو، نہ دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو رہی ہو، اور نہ عملی زندگی میں کوئی تبدیلی آ رہی ہو' خود بھی دور رہتے اور حتی الامکان عوام کو بچنے کی تاکید کرتے، مگر خود ہی اس میں ایسے پھنسے کہ انہیں دیکھ کر دوسرے بھی پھنستے ہی گئے۔ مولانا رحمہ اللہ نے ایسے علم سے عاری واعظ اور وعظ پر بھی خوب تنقید فرمائی۔

عرب جاہلیت کے جاہلانہ حالت' اور ان حالات کی قرآن کریم نے کس طرح تبدیلی کی، اور کیسے کیسے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے' اس کو لکھا۔ حصول علم میں علماء امت نے کس طرح مشقت برداشت کی اور سفر کی تکالیف کو جھیلا، اور اپنے جذبات کو کس طرح دبا کر ان علوم کو حاصل کیا، اور پھر ان کی اشاعت اور ان میں کس لگن سے زندگیاں صرف فرما دیں، ان میں سے چند واقعات اور کچھ اسلاف امت کے حالات بڑے عمدہ طریقے سے لکھے، جنہیں پڑھ کر قاری اثر لئے بغیر نہیں رہتا۔ اس ضمن مین ابو بکر محمد انباری اور حمزہ بن محمد رحمہم اللہ کے کارنامے اہل علم کے لئے واقعی قابل مطالعہ ہیں۔ پھر ان علماء اور اسلاف کی خدمات کا مقصد دنیوی آرام طلبی نہیں تھا، اس لئے کہ اس پر احادیث میں سخت وعید آئی ہے، ان وعیدوں کو بیان کر کے لکھا کہ: ان حضرات کا مقصد صرف رضائے الٰہی تھا، انہوں نے بادشاہوں کی طرف سے بڑے بڑے مناصب کو ٹھکرا دیا' ان واقعات کو لکھا، اور سلاطین کی اولاد کی تعلیم کی پیش کش کو کس طرح استغناء سے ٹھکرا دیا، اگر وہ ان مناصب اور پیشکشوں کو قبول کر لیتے تو دینا کی دولت سے مالا مال ہو جاتے، مگر ان درویشوں نے آخرت کو اور شان علم کو نہ صرف باقی رکھا، بلکہ قیامت تک آنے والے اہل علم کو سبق دے

گئے۔مولانا نے ان حضرات کے تذکرے ''مشتے نمونہ ازخروارے'' کے طور پر لکھے۔

علماء کی اسی شان استغنا کا نتیجہ تھا کہ بادشاہوں تک ان کی قدر دانی کرتے تھے،ان کی خدمت کوشہزادے اپنی سعادت سمجھتے تھے، بلکہ ان کے جوتے اٹھانے تک میں سبقت لیجانا غنیمت جانتے تھے،ان کی ایک دومثال بیان کی،اورلکھا کہ یہی علماء کی قدر ومنزلت نے بادشاہوں کوترقی بخشی،مگر جب سلاطین اسلام کا رخ بدلا اور علماء کی قدر دانی سے پہلوتہی کی،اوربعض علماء کی طبائع پر بھی طمع کا عکس واقع ہوتا ہوانظر آیا تو،سلطنت پر خلل واقع ہوا، اوررفتہ رفتہ سلطنت کے زوال تک کی نوبت آئی۔

پھرسرسیداحمد خان نے کس طرح کالج کی ابتدا کی اوراپنے باطل نظریات سے کس طرح ان بچوں کی ذہن سازی کی،اورکس طرح علوم دینیہ کونقصان پہنچایا وغیرہ کوبھی ببانگ دہل لکھا۔اورعلماء کوسرسید کے خلاف کیوں لکھنا پڑا،اس کوواضح کرکے لکھا کہ خلفاء عباسیہ کے دور میں علوم جدیدہ میں کس طرح ترقی ہوئی،مگرعلماء نے اس کی مخالفت نہیں کی اس کی کیا وجہ ہے؟اس فرق کولکھا۔پھراپنے علاقہ گجرات اورسورت کا تفصیلی ذکرکیا کہ احمدآباد میں کس شان کے علماءآئے اور پیدا ہوئے،اوران کی تصنیفی خدمات سے عرب وعجم کس طرح مستفید ہورہے ہیں،مگراہل گجرات خصوصا اہل سورت نے حقیقی علماء اورعلم کی کس طرح ناقدری کی،اورنرے واعظوں کوکیا مقام دیا،اس پرصاف صاف لکھا،اوران کو غیرت دلائی،اوروہ اسباب بیان کئے کہ علماء نے سورت سے کیوں راہ فراراختیار کیا اور وہاں کے قیام کوکیوں ترک کرنے پر مجبور ہوئے۔اور بہت مفید تجاویز پیش کیں کہ کس طرح ان کوتاہیوں کی تلافی کی جانی چاہیے۔

آخرمیں ہدایت کے عنوان سے اس امرکوواضح کیا کہ خلافت زمین کی بابت فرشتوں پر

انسان کوترجیح صرف علم کی وجہ سے ملی ہے۔حضرت طالوت کوسیادت علم کی دولت ملی،ان وجوہات سے بھی صاف ظاہر ہورہاہے کہ علم حقیقی طور پرترقی کا زینہ ہے۔

ان عنوانات کوحضرت نے بڑے سلیقہ سے مرتب فرمایاہے۔بہرحال یہ ایک مفیداور قابل تقلید رسالہ ہے،اہل علم کوخصوصاپوری توجہ سے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔اللہ تعالی اس رسالہ کوحضرت مؤلف اورمرتب ونشرمیں تعاون کرنے والے تمام حضرات کے لئے ذخیرۂ آخرت وذریعۂ نجات بنائے،آمین۔

مرغوب احمدلاجپوری

کتاب’’اطیبُ المَرام فی فرائضِ الاسلام‘‘پرایک طائرانہ نظر

یہ رسالہ حضرۃ العلام مولانا عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ نے اسی اہم فن کے قواعداور مسائل میں تحریرفرمایاہے،بڑاہی قابل قدرکام ہے۔تقریبا:۳۰۳/اشعاراس میں ہیں،ان اشعارمیں علم فرائض کےقواعدکوبڑےسلیقہ سے بیان فرمایاہے۔

حضرۃ العلام رحمہ اللہ سے پہلے بھی علماءامت نے اس فن کومنظوم بیان کیاہے،مثلا:

(۱)......منظومہ:فخرالدین احمدبن علی بن الفصیح ہمدانی(م:۷۵۵ھ)۔

(۲)......منظومہ:ابوعبداللہ تاج الدین عبداللہ بن علی سنجاری(م:۷۹۹ھ)۔

(۳)......منظومہ:محمودبن عبداللہ بدرالدین گلستانی(م:۸۰۱ھ)۔

(۴)......منظومہ:ابوالعزعزالدین طاہربن حسن معروف بابن حبیب حلبی(م:۸۰۸ھ)۔

’’اطیبُ المَرام فی فرائضِ الاسلام‘‘......’’اطیب‘‘’’طاب‘‘سےاسم تفضیل ہے،زیادہ اچھا،زیادہ خوش گوار۔مـــرام:مقصد۔فرائض اسلام کوبیان کرنے کا یہ پاکیزہ اورخوشگوار مقصد ہے۔

مرغوب احمدلاجپوری

''السبیل الاقوم'' کا ترجمہ

درس نظامی کی ایک مشکل سمجھی جانے والی' اور اصول فقہ کی عالی مرتبت' فقید المثال اور عدیم النظیر کتاب ''مسلم الثبوت'' کا یہ آسان اور مطلب خیز ترجمہ ہے۔

سبیل کے معنی ہیں: راستہ، اور اقوم: اسم تفضیل ہے، قیّم کے بہت سے معانی ہیں: سر براہ۔ نگران کار۔ متولی و منتظم۔ سیدھا، معتدل۔ قیمتی، وزن دار، بیش قیمت، گراں بہا: کِتَابٌ قَیِّمٌ: قیمتی کتاب۔ یہاں مناسب معنی سیدھا اور معتدل کا ہے۔ اب کتاب کا معنی ہوا مسلم الثبوت کی توضیح وتشریح اور حل کے لئے سیدھا اور معتدل راستہ۔ مرغوب احمد

تعارف رسالہ ''الشهاب الثاقب على من قال باتحاد المذاهب''

رنگون' برما' میں ایک شخص گذرا ہے جس کا نام تھا: انجینئر محمد حسین، اس نے ایک رسالہ لکھا ''اتحاد مذاہب عالم'' اس رسالہ میں اس نے اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ایک نظریہ اور گمراہ کن خیالات لکھے، اس رسالہ کا بنیادی مقصد تھا کہ تمام ادیان ایک ہی ہیں اور سب حق پر ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث سے اس عقیدے کا بطلان اظہر من الشّمس ہے، اس لئے علماء امت نے فوری طور پر اس کے باطل خیالات کی تردید ضروری سمجھی، صاحب تفسیر حقانی حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی رحمہ اللہ نے ایک مختصر رسالہ اس کی تردید میں تحریر فرمایا، اس کے بعد قدرے تفصیل سے حضرۃ العلام مولانا عبدالحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے قلم اٹھایا اور ''الشهاب الثاقب على من قال باتحاد المذاهب'' کے نام سے اس کے اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کا بہترین رد لکھا۔ اس رسالہ میں اس کے تمام عقائد باطلہ کی تردید قرآن وحدیث کے واضح ارشادات سے کھل کر کی گئی۔

موصوف نے دیباچہ میں اس رسالہ کی وجہ تالیف لکھ کر اس کی علمی لیاقت کا پول بھی

کھول دیا، پھر درج ذیل مختلف عنوانات سے اس رسالہ کی تردید کا حق ادا کردیا:

(۱):......دیباچہ: اخیر زمانے میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے۔

(۲):......ایک گمراہ شخص کے عقائد و واہیات۔

(۳):......اس گمراہ کی علمی لیاقت اور مصنف تفسیر حقانی کا مختصر و مؤلف کا تفصیلی رد۔

(۴):......تمہید: قرآن کریم کا ایک عجیب اور نا قابل انکار معجزہ۔

(۵):......انجینئر محمد حسین حال ساکن رنگون کا خانہ ساز اسلام مسمیٰ ''اتحاد مذاہب عالم'' اور قرآن سے اس کی تردید۔

(۵):......مسلمان وہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو اپنا مذہبی بھائی سمجھے۔

(۶):......شریعت اور دین دونوں علیحدہ ہیں۔

(۷):......انبیاء کے دین کی بنیاد توحید ہے، اور دیگر اہل مذاہب کی توحید کا حال۔

(۸):......رسولوں اور فرشتوں پر ایمان لانا بھی دین انبیاء کا رکن سمجھا جاتا ہے۔

(۹):......شریعت کا بیان۔

(۱۰):......مؤلف کا احادیث نبویہ کی اہانت کرنا اور قرآن سے اس کی تردید۔

(۱۱):......حدیث کا زنگ، اور حدیث ناپاک' مصنوعی لچر۔

(۱۲):......صدیق اکبر کا احادیث کو جلا دینا اور عمر فاروق کا روایت پر سختی کرنا۔

(۱۳):......راوی میں جھوٹ کا احتمال ہے اس لئے احادیث پر اعتماد نہیں ہوسکتا۔

(۱۴):......نئی روشنی کے گرویدوں کا تاریخ پر وحی سے زیادہ اعتماد اور اس کی وجہ۔

(۱۵):......حدیثوں کی طرح کلمۂ توحید بھی مؤلف کی زبان درازیوں سے نہ بچ سکا۔

(۱۶):......کلمہ کی طرح نماز بھی مؤلف کے دست برد سے نہ بچ سکی۔

(۱۷):......مؤلف کے دست برد سے نماز کی طرح زکوۃ بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

(۱۸):......قرآن پر اعراب وغیرہ بعد میں لگانے کا الزام۔

(۱۹):......مسئلہ: کفارۂ صوم۔

(۲۰):......حج جو شریعت کا ایک رکن اعظم ہے وہ بھی مؤلف کی نکتہ چینیوں سے نہ بچ سکا۔

(۲۱):......ارکان اسلام پر خونخوار حملہ کے بعد سود کی حلت۔

راقم الحروف نے اس رسالہ کی جدید ترتیب میں چند باتوں کا اہتمام کیا:

(۱):......جدید کمپوزنگ سے آراستہ کیا۔

(۲):......اکثر جگہوں پر عنوانات نئے لگائے، بعض جگہوں پر عنوانات تھے ان کو باقی رکھا اور چند عنوانات میں اضافہ کیا۔

(۳):......آیات کریمہ کی تخریج کی۔ اکثر آیات کا ترجمہ خود مصنف رحمہ اللہ نے حاشیہ میں لکھ دیا تھا، ان کو باقی رکھا اور جہاں ترجمہ رہ گیا تھا، وہاں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے ''آسان ترجمۂ قرآن'' سے ترجمے لکھ دیئے گئے۔

(۴):......احادیث کی تخریج بھی کی گئی، اور جہاں ترجمے نہ تھے وہاں ترجمے بھی کئے گئے'

(۵):...... جہاں فارسی اشعار تھے ان کا ترجمہ بھی حاشیہ میں لکھ دیا گیا۔

اللہ تعالی اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نواز کر حضرت مؤلف رحمہ اللہ اور راقم الحروف اور اس کی طباعت میں تعاون کرنے والے احباب کے لئے ذخیرۂ آخرت و ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

’’الشهاب الثاقب‘‘ رسالہ کے نام کی تحقیق

قرآن کریم میں بھی لفظ ’’شہاب ثاقب ‘‘ آیا ہے ’’سورۂ صٰفت‘‘ میں ہے: ﴿ الا من خطف الخطفة فاتبعه شهاب ثاقب ﴾۔(آیت نمبر:۱۰)

ترجمہ:……البتہ جوکوئی کچھا چک لے جائے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

یعنی شیاطین آسمان پر جا کر راز کی باتیں سن کر ان میں ملاوٹ کر کے پھیلاتے ،اس پر فرمایا کہ: اگر شیطان کوئی بات لے آتے تو روشن شعلہ ان کا پیچھا کرتا۔

’’شہاب‘‘ کے معنی ہیں: آگ کی چمک، چنگاری، انگارہ۔اور ’’ثاقب‘‘ کے معنی ہیں: روشن اور چمکدار۔’’الشهاب الثاقب علی من قال باتحاد المذاهب‘‘ کا معنی ہوا: جو اتحاد مذاہب کا دعوی کرے اس کے رد میں یہ رسالہ روشن اور چمکدار آگ کا شعلہ ہے۔

تعارف رسالہ: ’’هدية السفر لارباب الحضر‘‘

سفر سے واپسی پر دوستوں کے لئے تحفہ وہدیہ کا طریقہ کوئی نیا نہیں ہے، قدیم سے اس رواج پر لوگ عمل پیرا ہیں۔ ہاں کچھ ہدایا مادی اور عارضی ہوتے ہیں اور کچھ ہدایا دائمی اور روحانی۔اصل ہدیہ وہی ہے جس سے روح کو غذا ملے اور طویل عرصہ تک نافع اور کارگر ہو۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ مصر اور شام سے جب اپنے وطن عزیز شیراز کی طرف آرہے تھے تو سوچا کہ اہل وطن کے لئے کیا ہدیہ لے جاؤں؟ لوگ مصر سے قند لاتے ہیں مگر میں قند سے زیادہ شیریں اور مفید باتیں جن میں نصائح اور عبرت کا بے انتہا سامان ہو وہ لے جاؤں تا کہ اہل وطن اس سے ہمیشہ فائدہ اٹھائیں، چنانچہ آپ نے ’’بوستاں‘‘ جیسی لازوال اور شہرۂ آفاق تصنیف ان کو ہدیہ دینے کے لئے لکھی، اور لاریب وہ ایسا ہدیہ ثابت ہوئی کہ آج سات آٹھ صدیاں گذر گئیں مگر ان کی تازگی میں نہ کوئی فتور آیا اور نہ اس کی چاشنی میں کوئی

پھیکا پن، سینکڑوں زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے، ہزاروں مدارس دینیہ میں داخل نصاب کی گئی، لاکھوں انسانوں نے اس سے زندگی گذارنے کے طریقے سیکھے، اور نہ جانے کب تک اس سے استفادہ ہوتا رہے گا۔ شیخ کے الفاظ بھی نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں۔

دریغ آمدم زاں ہمہ بوستاں تہیدست رفتن سوئے دوستاں
بدل گفتم از مصر قند آورند بر دوستاں ارمغانے برند
مرا اگر تہی بود زاں قند دست سخنہائے شیریں تر از قند ہست
نہ قندے کہ مردم بصورت خورند کہ ارباب معنی بکاغذ برند

مجھے برا معلوم ہوا ان تمام باغوں سے دوستوں کی طرف خالی ہاتھ جانا۔

میں نے دل میں کہا کہ لوگ مصر سے قند لاتے ہیں، دوستوں کے پاس تحفہ لے جاتے ہیں۔

میرے ہاتھ اس قند سے اگر خالی تھے، تو قند سے زیادہ میٹھی باتیں (تو میرے پاس) ہیں۔

وہ قند نہیں جسے لوگ بظاہر کھاتے ہیں، بلکہ جسے اہل دل کاغذوں میں لے جاتے ہیں۔

حضرۃ العلام مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ نے ایک سفر سے واپسی پر بجائے مادی ہدیہ کے ایک علمی ہدیہ اہل محبت کے لئے تیار کیا، جس سے اس وقت ہم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور اسی مناسبت سے اس کا نام بھی ''ہدیۃ السفر'' تجویز فرمایا، اور یہ رسالہ مکمل سفر میں تصنیف ہوا۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''کہ اس حقیر کو جب بسبیل سمندر شور شہر مولمین سے سفر وطن مالوف کا اتفاق ہوا تو اس وقت یہ خیال دامن گیر ہوا کہ ہم وطن کے لئے اس سفر سے ایسا بیش قدر ہدیہ لے جانا

چاہئے کہ جس سے وہ تھوڑی مدت نہیں، بلکہ ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں، ہر چند کہ اس بات میں غور کیا گیا، آخر رائے اس امر پر قائم ہوئی کہ حقیقت اور غایت ارکان اسلام کو مختصر مگر مسلسل تقریر میں تحریر کر کے بطور ہدیہ پیش نظر ارباب وطن کے کی جائے۔ عموماً سفر باعث تشویش خاطر ہوتا ہے، خصوصاً سفر سمندر، بالخصوص جب اس میں طغیانی ہو بالکل ہوش ربا ہوتا ہے، جس وقت یہ کمترین جہاز پر سوار ہوا تو چونکہ سمندر میں چند روز تک طغیانی رہی، اس لئے گو طبیعت پریشان تھی، تاہم کمر ہمت بستہ کر کے باستعانت خداوندی اس کار اہم کو شروع کیا، چنانچہ ہنوز سفر ختم نہیں ہو چکا تھا کہ اس کے پیشتر ہی خداوند کریم کی عنایت سے جس امر کا ارادہ کیا تھا وہ مافوق امید پردۂ غیب سے ظہور میں آیا اور اس کا نام حسب مناسبت حال ''ہدیۃ السفر'' رکھا گیا''۔

اس مختصر رسالہ میں حضرت العلام رحمہ اللہ نے بڑی عمدگی سے حدیث ''بنی الاسلام علی خمس'' کی بہت دل چسپ تشریح فرمائی ہے۔ شروع میں ایمان کی اہمیت کو اس انداز سے ثابت فرمایا کہ ہر عدل وانصاف کا حامل اس کو پڑھ کر ایمان کی حقانیت کا کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس ضمن میں بتلایا کہ بغیر ایمان کے اعمال صالحہ گرچہ صالحہ ہوں مگر اخروی نجات کے ضامن نہیں۔ درمیان میں اس کو بھی بیان کیا کہ توحید باری اور وجود باری کی حقانیت کے لئے اور اس پر یقین کے لئے اللہ تعالی نے جو عقل عطا فرمائی ہے وہی کافی ہے، اس سے ایک سلیم الفطرت انسان توحید کو حاصل کر کے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر سکتا ہے، اسی لئے امام اعظم رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ: جو لوگ کہ ایسے مقامات میں رہتے ہیں جہاں ایسا کوئی شخص نہ پہنچا ہو جو ان کو ان امور کی تعلیم کرتا، اگر وہ خداوند کریم کے وجود اور وحدانیت اور باقی صفات پر جو بذریعۂ عقل دریافت ہو سکتے ہیں ایمان نہ لائیں گے باوجود

سلامت عقل کے، تو ان سے بھی بروز قیامت مؤاخذہ کیا جائے گا، اس لئے کہ عقل ان کے لئے بجائے رسول ﷺ اور ہادی کے ہے۔

یہاں حضرت نے امام اعظم رحمہ اللہ کے ساتھ دہریہ کا مناظرہ بھی نقل کیا، اور ان کو عقلی طور سے مطمئن ہونا پڑا کہ واقعی کوئی ذات ہے جو اس دنیا کو چلا رہی ہے۔

اسی طرح شیطان نے کس طرح دہریہ، بت پرست، ستارہ پرست، نصاری وغیرہ کو گمراہ کر کے ایمانی صفات سے محروم کر دیا، اس کو بیان کر کے لکھا کہ شیطان کا یہ حربہ صرف غیر کیساتھ ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ اہل ایمان کو بھی مختلف قسم کی تدابیر سے گمراہ کر دیتا ہے۔

پھر ایمان کی تعریف اور اس کی تین قسمیں: ایمان لسانی، ایمان تقلیدی، ایمان تحقیقی کی حقیقت کو بڑے نفیس طرز پر سمجھایا ہے۔

ایمان کے بعد نماز کی حقیقت، اس کی اہمیت اور اس کی حکمت کو اس طرح بیان کیا کہ نماز کی فرضیت پر شرح صدر اور سکون قلبی کی وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ واقعی اللہ تعالی نے نماز کو فرض کر کے اہل ایمان پر کس قدر احسان عظیم فرمایا۔

اس کو بھی بڑے عمدہ انداز میں لکھا کہ نماز میں خشوع وخضوع کا کیا مقام ہے اور غفلت والی نماز بجائے قرب الہی کے بُعد کا سبب بن سکتی ہے، انشاء اللہ اس موضوع کو پڑھ کر نماز میں دھیان پیدا کرنے کی طرف توجہ پیدا ہوگی اور غفلت والی نماز پر توبہ اور ندامت کا احساس ہوگا۔ اسی طرح نماز میں دھیان پیدا کس طرح ہوگا اس کی طرف بھی توجہ دلائی اور وہ امور بیان کئے جن کے اہتمام سے نماز میں جان پیدا ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد اسلام کے تیسرے رکن زکوۃ کو بیان فرمایا۔ زکوۃ انسان میں حرص ولالچ اور بخل جیسے رذائل سے تزکیہ کا بہترین عمل ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ سے ان رذائل سے

انسان کی زبردست اصلاح ہوسکتی ہے، اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصا آپ ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے مال کی محبت سے نفرت کی سخت تاکید فرمائی، اور اپنے عمل سے کس طرح اپنے مالوں کو خرچ کیا، اس کی وضاحت بھی حضرت نے کی۔

پھر اسلام کے چوتھے رکن حج کی حقیقت کو بیان فرمایا۔ اس ضمن میں سفر حج سے سفر آخرت کی یاد کو اس خوبی سے لکھا کہ زندگی کا مقصد اور دنیا سے بے ثباتی کا استحضار پیدا ہو جاتا ہے۔

آخر میں اسلام کے پانچویں رکن روزہ کو بیان فرمایا، شیطان کس طرح نفس کے ذریعہ انسان کو ہلاکت کی وادی میں اتار دیتا ہے، نفس کی مخالفت اور اس کے شر سے بچنے کا روزہ وہ سبب ہے جس سے نفس کی قوت اور ناجائز خواہش پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے۔

پھر روزہ بھی کئی اقسام رکھتا ہے۔ ایک عوام کا روزہ ہے' ایک خواص کا اور ایک اخص الخواص کا۔ ان تینوں کی حقیقت کو خوب سمجھایا ہے تاکہ روزہ کے فوائد اور ثمرات حاصل کرنے میں ان اقسام سے مدد لی جائے۔

الغرض اس مختصر سے رسالہ میں ارکان اربعہ اور ایمان کی حقیقت کو سمجھنے کا مفید سے مفید تر سامان ہے، ہر اہل ایمان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے خصوصا اہل علم کو اس سے بڑے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔

راقم نے اس کی ترتیب میں چند باتوں کا لحاظ رکھا:

اول یہ کہ......بعض جگہوں پر عنوانات لگائے۔

دوسرا یہ کہ......آیات واحادیث کی تخریج کے علاوہ مفید حواشی کا اضافہ کیا، انشاء اللہ ناظرین کے لئے مفید ہوگا۔

تیسرے یہ کہ......شروع میں تعارف کتاب کے عنوان سے پورے رسالہ کا ایک تعارف کروایا کہ اسے پڑھ کر اصل رسالہ کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو۔

اللہ تعالی حضرۃ العلام رحمہ اللہ کی اس کاوش کو نافع بنائے اور حضرت و راقم اور جملہ اشاعت میں معاونین کے لئے باعث نجات وذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف کتاب ''نضرۃ النعیم فی علم غیب النبی الکریم''

علم غیب کا مسئلہ دومکتبۂ فکر دیوبند و بریلوی میں بڑا معرکۃ الآراء شمار کیا گیا ہے، اور اس موضوع پر بلا مبالغہ ہزاروں صفحات دونوں فریقوں کی طرف سے لکھے گئے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسئلہ بڑا اہم اور اصول دین میں شمار کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق ایمان اور عقیدے سے ہے، ایمان کی کمزوری وعقیدے کا بگاڑ بہت زیادہ خطرناک ہے، اعمال کی کمزوری بھی کم اہمیت کی حامل نہیں، مگر بنسبت عقیدے کے بہر حال کم ہی ہے۔

عقیدے کے بگاڑ سے بعض مرتبہ آدمی ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔اللہ تعالی امت مسلمہ کو صحیح سمجھ اور فہم نصیب فرمائے کہ وہ اپنے ایمان اور عقیدے کے بارے میں بہت چوکنا رہیں کہ ہمارے عقائد ٹھیک اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق ہوں،

الغرض حضرۃ العلام رحمہ اللہ نے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ فرما کر ایک مفید کتاب تحریر فرمائی، جس کا نام رکھا ''نضرۃ النعیم فی علم غیب النبی الکریم''''نُضرَۃ'' کے معنی ہیں: تازگی، تری، رونق، چہرہ کی چمک دمک۔کتاب کا معنی ہوا: نبی کریم ﷺ کے علم غیب کے بارے میں نعمتوں کی تر وتازگی ورونق۔اگر عقیدہ صحیح ہے تو ایمان میں رونق وتازگی ہے، اور یہ ایک نعمت عظیم ہے، اور اگر عقیدہ میں بگاڑ ہے تو ایمان کی رونق زائل ہے۔

علامہ مرحوم نے اس کتاب کو ایک مقدمہ اور دو فصلوں میں مرتب فرمایا، مقدمہ میں تصنیف کی غرض بیان فرمائی کہ جب مجھے دونوں فریق کے اختلافات کا علم ہوا کہ ایک فریق آپ ﷺ کے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے گئے علم کے بغیر بھی جمیع کلیات و جزئیات غیب پر مطلع ہیں، اور دوسرا فریق اس کا سختی سے منکر، اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ اس موضوع پر تفصیلی تحریر کے ذریعہ صحیح عقیدہ کو واضح کروں۔

پہلی فصل کی ابتدا اس اصول سے کی کہ حق و باطل کی پہچان کے لئے کسوٹی اہل سنت ہے، ان کا جو نظریہ ہو وہ حق کی دلیل ہے۔ پھر اسی اصول سے ثابت کیا کہ محققین اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے، اور اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ پھر انبیاء و آپ ﷺ نے جو بہت سے غیب کی باتیں بتلائی ہیں ان کو بیان فرما کر واضح فرمایا کہ وہ علم غیب نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے عطا کیا ہوا علم تھا۔ درمیان میں علم اعتبار و استبصار کی تعریف بھی فرمائی۔ الہام اور نفث فی الروح اور وحی کی حقیقت کو ظاہر کیا۔ فراست اور فراست مؤمن پر کلام کیا، فراست کے ضمن میں حضرت حارث بن مالک اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے واقعات لکھے، پھر بتلایا کہ علم غیب کلی کا قائل ہدایت سے دور ہے، اور آپ ﷺ و انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے علوم حاصل ہوئے ہیں۔ پھر یہ دلچسپ بحث بھی فرمائی کہ مبادی غیب اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اور لواحق پر انبیاء و اولیاء بھی مطلع ہوسکتے ہیں۔ پھر بڑی سختی سے لکھا کہ غیب کو بذات خود جاننے کا دعویٰ نص قرآن کے خلاف ہے، اور اس دعویٰ کی تکفیر کی جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے خسوف کی پیشن گوئی فرمائی، اس کا جواب دیا کہ یہ علم غیب نہیں، اسی طرح بارش کی اطلاع دینا کفر نہیں۔ ان ابحاث سے

معلوم ہوا کہ کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ آپ ﷺ کو تمام غیب کا بالاستقلال علم تھا‘ کفر ہے۔ پھر وہ مثال بیان کی کہ بہت سے علوم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے حضرت ﷺ نے بتلائے، جیسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کی اطلاع دی، بدر کے مقتولین کی خبر کا بعینہ صادق آنا، حضرت زیدؓ حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی اطلاع دینا، ایک آدمی کے لئے بتلانا کہ زمین اس کو قبول نہیں کرے گی، ایک شخص کے لئے جہنمی ہونے کی خبر دینا، مصر کی فتح کی خبر دینا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہزاروں میل دور سے جنگ کے احوال کو معلوم کر لینا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اپنی شہادت کی خبر دینا، شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی فراست اور کشف، اور اولیاء اللہ کا غیب کی خبر دینا باظہار خداوندی تھا وغیرہ کو بیان فرما کر اس بات کو واضح کیا کہ اسی طرح غیب کی خبر کے واقعات اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے کی وجہ سے تھے، اگر کوئی ان واقعات سے آپ ﷺ کو غیب داں سمجھ لے تو بہت جلد وہ گمراہ اور دشمن اسلام شیطان کے جال میں پھنس کر گمراہی کے اندھیرے میں ہلاک ہوجائے گا۔ پھر تفصیل سے ان آیات اور واقعات کو ذکر کیا کہ ان واقعات اور آیات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو کلی غیب کا علم حاصل نہیں تھا، مثلاً: حضرت رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں چوری کا واقعہ اور آیت کا نزول، اسی طرح ایک یہودی کو سزا دینے کے ارادے پر آیت کا نزول، زید بن ارقم کی تصدیق میں آیت کا نزول، کفار کے سوال پر سورۂ کہف کا اترنا وغیرہ وغیرہ۔ درمیان میں مفاتح الغیب پانچ ہیں اور پانچ کی وجہ حصر کو لکھا، اور اس سے بھی ثابت کیا آپ ﷺ کو غیب کا کلی علم نہیں تھا۔ پھر خود آپ کا ارشاد نقل کیا کہ: میری قدرت قاصر اور میرا علم قلیل ہے۔ پھر اور دلائل سے اس بات کو ثابت کیا کہ غیب داں صرف اللہ ہی کی ذات ہیں۔ جیسے

آپ ﷺ کا ''وفینا نبی یعلم ما فی غد'' پر انکار فرمانا، تابیر نخلہ والی روایت میں آپ کا ارشاد فرمانا ''انما انا بشر'' الخ، اس سوال پر کہ کون سی جگہ بہتر ہے اور کون سی بدتر؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جبرئیل سے پوچھ کر بتلاؤں گا۔ پھر اس حدیث کا جواب دیا جس میں ہے کہ میرے لئے ہر چیز منکشف ہوگئی اور میں نے آسمان وزمین کی ہر چیز کو معلوم کرلیا، والی روایت سے اشکال اور اس کا تفصیلی جواب دیا۔

پھر دوسری فصل کے شروع میں انبیاء کی حیات بعد الممات کو لکھا جس میں واقعۂ معراج میں آپ ﷺ کا مختلف انبیاء کی زیارت کرنا اور بخاری کی روایت جو مجھ کو خواب میں دیکھے گا وہ بیداری میں دیکھے گا' کا مطلب بیان کیا، پھر بتلایا کہ اتباع سنت رویت کا بڑا ذریعہ ہے، اس ضمن میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا فرشتوں کو سلام کرنا، پھر داغ دینے پر سلام کا بند ہوجانے والے قصہ کو بطور دلیل ذکر کیا۔ پھر بہت تفصیل سے اس بات کو لکھا کہ بیداری میں انبیاء کی زیارت ممکن ہے یا نہیں؟، اس سلسلہ میں علماء کے واقعات لکھے، مثلا امام سیوطی کا بیداری میں ستر مرتبہ آپ ﷺ کی زیارت کرنے کو بیان کیا، اس میں امام سیوطی کی ہی ''تنویر الحلک فی امکان روية النبی صلی الله علیه وسلم والملک'' کا حوالہ دیا کہ اس کتاب میں جن صحابہ اور علماء واولیاء کو بیداری میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی ان کے واقعات ہیں۔ مگر بیداری میں زیارت ہر ایک کے بس میں نہیں اس کے لئے دو لاکھ مقامات کا حصول ضروری ہے، اس کو بھی ذکر کیا، پھر رویت بطریق عادت ہے یا بطور مثال اس پر بحث کی اور لکھا کہ یہ رویت روحانی ورویت جسمانی کی درمیانی حالت ہے، اس کا ادراک وہی کرسکتا ہے جس کو اس سے اتفاق ہوا ہو۔ اس بات پر اکابر کے اقوال بھی ذکر کئے۔ پھر اس پر بحث فرمائی کہ آپ کو ہر آن وہر مکان میں ہر وقت حاضر ماننا یہ قول

تفریط ہے، پھر آپ کو حاضر ماننے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات دیئے۔ درمیان بحث یہ بھی آ گیا کہ منکر نکیر ایک ہیں یا کئی ہیں؟ اسی طرح ملک الموت ایک ہیں یا کئی ہیں؟ ''هذا الرجل'' سے کون سا رجل مراد ہے؟ اس طرح ان مفید ابحاث پر یہ کتاب تکمیل کو پہنچی۔ آخر میں آپ کی ایک عربی نظم :۲۱/اشعار پر مشتمل بھی خوب ہے، ان اشعار میں علم غیب پر بہت نفیس انداز میں کلام فرمایا ہے۔ مرغوب احمد لاجپوری

تعارف کتاب ''نَظْمُ الدُّرَرْ شرحِ اَلْقَوْلُ الْاَغَرْ''

حضرۃ العلام مولانا عبدالحیٔ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ کی یہ کتاب بھی علم صرف کے قواعد میں بڑی معرکۃ الآراء کتاب ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے درج ذیل عنوانات کے تحت صرف کے قواعد کو بڑے حسن اور عمدہ ترتیب سے اشعار میں مرتب کیا ہے۔ وہ عنوانات یہ ہیں:

''فی تعریف علم الصرف،وفی غرضه،وفی موضوعه،وفی ما یکون التصریف فیه،فی المیزان،فی القلب والحذف فی الموزون،فی تعداد حروف الاسم والفعل،فی بیان المجرد والمزید،فی اوزان الاسم الثلا ثی المجرد،فی اوزان الاسم الرباعی المجردفی اوزان الاسم الثلا ثی والرباعی المزید،فی اوزان الاسم الخماسی المجرد،فی اسم الخماسی المزید،فی اسم الخماسی المزید،فی ابواب الفعل الثلا ثی المجرد،فی ابواب الثلا ثی المزید المطلق،فی ابواب الثلاثی المزید الملحق،فی باب الرباعی المجرد،فی ابواب الرباعی المزید،فی خصائص باب فتح حسب وکرم،فی خصائص باب الافعال،فی خصائص باب التفعیل،فی خصائص باب التفعل،فی خصائص باب الافتعال،فی خصائص باب الاستفعال،فی خصائص

باب المفاعلة،فی خصائص باب التفاعل،فی خصائص باب الانفعال،فی تقسيم الفعل،فی تقسيم الاسم وابنية المصدر الثلاثی،فی المصادر التی تفيد معنی المبالغة،فی تقسيم الاسم المشتق،فی ابنية اسم الفاعل التی يوجد فيها معنی المبالغة،فی ابنية اسم المفعول الغير المشهورة،فی ابنية الصفة المشبهة،فی ابنية افعل التفضيل،فی ابنية اسم الألة،فی ابنية اسم الظرف،فی تقسيم الاسم والفعل،فی اصول المهموز،فی اصول المثال،فی اصول الأجوف،فی اصول الناقص،فی اصول المضاعف،فی مخارج الحروف،فی صفات الحروف،فی ادغام المتقاربين،فی اجتماع الساكنين او اكثر،والوقف،فی الامالة،فی المثنیٰ،فی الجمع،فی المصغر،فی النسبة،فی حروف الابدال والحذف،فی الحروف الزائدة،فی التمرين' فی الخط،

اس کتاب میں اشعار کی مجموعی تعداد: ۱۸۷ر ہیں۔ ہر قاعدے کو اشعار میں بڑے عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ یقیناً علم صرف میں اس شان کی کتابیں نایاب نہ ہوں تو نادر ضرور ہیں۔راقم نے اپنی بساط کے مطابق اس کی صحت اور عمدہ ترتیب سے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے،اور ساتھ ہی طلبہ کے فائدہ کے لئے ایک مفید مقدمہ بھی ترتیب دیا ہے۔اللہ تعالی اس کتاب کو حضرت مؤلف رحمہ اللہ اور راقم الحروف اور اس کتاب کی اشاعت میں معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے،آمین۔

''نَظْمُ الدُّرَرُ شرحِ اَلْقَوْلُ الاَغَرُ'' کا معنی

''نَظْمُ الدُّرَرُ مع شرحِه المسى اَلْقَوْلُ الاَغَرُ''......''نَظم'' کے معنی ہیں: منظوم کلام، مجموعۂ اشعار۔ بمعنی منظوم، پرویا ہوا، ملایا ہوا۔''الدُّرَرُ''۔جمع ہے''دُرَّة'' کی،اس کے معنی

ہیں موتی، شاندار اور بڑا موتی۔ :''نَظْمُ الدُّرَر '' کا معنی ہوا: شاندار موتی کا ہار۔ گویا یہ منظوم رسالہ ہے صرف کے قواعد میں' جو بیش قیمت موتی کے ہار کی طرح قیمتی ہے۔''قول'' کے معنی ہیں: بات، کلام،، اور''اَغَـــــرُّ'' کے معنی ہیں: روشن رو، خوبصورت، سفید و تابناک۔ ''اَلْقَوْلُ الْاَغَر '' کا معنی ہوا، صاف وستھری اور خوبصورت بات و تابناک کلام۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف رسالہ''سلعة القربة فی شرح النخبة''

الحمد لله الذى خلق الشمس والقمر ،وهدانا بالقرآن والاحاديث والاثر، ومنّ علىّ ان ارتب ترجمة نخبة الفكر فى مصطلح الاثر لابن الحجر، وصلى الله على سيدنا محمد سيد الجن والبشر، وعلى اله و اصحابه مصابيح الغرر ،اما بعد!

حضرۃ العلام مولانا عبدالحئ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ کی یہ مشہور و معروف کتاب ''سلعة القربة فی شرح النخبة '' کی جدید ترتیب عمدہ کمپوز اور مفید حواشی اور آسان و قابل فہم عنوانات سے مزین کر کے ناظرین خصوصا طلباء حدیث کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرر ہا ہوں۔

''سلعة القربة '' وقیع اور قابل قدر شرح ہے اور اس پر کام کی ضرورت

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی یہ شرح نہایت وقیع و قابل قدر و بے انتہا مفید اور حل کتاب کے لئے ایک رہنما رہبر کی حیثیت رکھتی ہے،موصوف نے اس میں تحت اللفظ ترجمہ اور حل کتاب کے بجائے اصول حدیث کی اصطلاحات کے حل کرنے اور سمجھانے پر زیادہ توجہ کی ہے۔ یقیناً اس کتاب سے ایک شرح کی ضرورت آج تک بخوبی پوری ہوئی ۔عموما اس وقت اساتذہ اور طلبہ کے سامنے یہی شرح رہتی ہے، اور اسی سے عامۃً کتاب کے حل کی

کوشش کی جاتی ہے۔

ویسے ضرورت تھی کہ اس کتاب کو عربی عبارت کے ساتھ قدرے تسہیل اور ضروری اضافوں کے ساتھ مرتب کیا جائے، الحمد للہ اس ضرورت کو حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہم استاذ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نوجوان صاحبزادے مولانا محمد عمر انور صاحب مدظلہ نے ''شرح اردو شرح نخبۃ الفکر'' کے نام سے مرتب کیا، ان کے پیش نظر اصل کتاب یہی ''سلعۃ'' رہی ہے، اسی پر انہوں نے کام کر کے آسان تر اور مفید بنانے کی کوشش کی ہے، اور ماشاء اللہ ایک حد تک موصوف اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

''سلعة القربة فی شرح النخبة'':......''سِلْعَة'': کے معنی ہیں: سامان تجارت، سامان، ''القُرْبَة'' کے معنی ہیں: مرتبہ کے لحاظ سے نزدیکی، نیک اعمال جن سے خدا کی خوشنودی اور قربت حاصل ہو، کار ثواب، نیک کام، ذریعۂ تقرب۔ معنی ہوا: ''سلعة القربة'' اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والا سامان تجارت۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف رسالہ ''نُزْهَةُ الانظار''

اس رسالہ میں منطق کی بحث کو بڑی عمدگی سے :۲۰۰/ اشعار میں جمع کیا گیا ہے۔ شروع میں سبب تالیف' پھر مقدمہ' دلالت' لفظ و مفرد کی بحث' مفرد کی تقسیم' کلی' جزئی کی تعریف' دو کلیوں میں نسبت' کلی کی تقسیم' معرف و قضایا کی بحث' قضیہ' حملیہ ' موجبہ کی تقسیم' قضیہ شرطیہ متصلہ و شرطیہ منفصلہ کا بیان، تتمہ' تناقض' عکس مستوی' عکس نقیض' حجہ کی تقسیم' قیاس وغیرہ کی بحث' اشکال اربعہ' اس کی شرطیں' قیاس اقترانی' استثنائی' استقراء' تمثیل' صناعات

خمسہ، علم کے اجزاء وغیرہ امور کو بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ طلبہ وعلماء کے لئے ایک قیمتی سوغات ہے۔

''نُزْهَةُ الْاَنْظَار'' کا معنی:...... ''نزھة'' کے معنی ہیں: تفریح، دور جگہ۔ ''انظار'' کے معنی ہیں: آمنے سامنے ہونا، دیکھنا، غور کرنا۔ علم منطق کی وادی میں غور سے تفریح کرنا۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف رسالہ: ''نسیم الصبا فی حرمة الربا''

حضرت العلام مولانا عبدالحئ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ کا قیام ایک طویل عرصہ ملک برما میں رہا، وہ زمانہ برما کے عروج کا تھا، اہل برما کی مالداری ضرب المثل تھی، اہل مال کے ہر دور میں دو طبقے رہے ہیں: ایک دین و دین والوں سے محبت رکھنے والا، اور دوسرا دنیا کی محبت میں مست اور دین واہل دین سے بیزار۔ یہ طبقہ عامۃً اپنی تجارت میں جائز وناجائز کی پرواہ کئے بغیر کمانے اور خرچ کرنے والا، یہی حال برما کے تجار کا بھی تھا، جو طبقہ دین سے بیزار تھا وہ سود اور رباء کے معاملہ میں بلا کسی خوف کے مصروف۔

حضرت رحمہ اللہ نے ان حالات کو سامنے رکھ کر اس موضوع پر قلم اٹھایا، اور بہت بہترین طرز پر قرآن وحدیث کی روشنی میں عمدہ رسالہ تحریر فرمایا، عقلی دلائل سے بھی سود کی مذمت کو واضح کیا، اس مسئلہ پر وارد ہونے والے شبہات پر بھی کلام کیا، جدت پسندوں کی تاویل کا جواب دیا، خلفاء اسلام کی ترقی کا راز کیا تھا؟ اس کو لکھ کر سلاطین اسلام کے زوال کی وجوہات کی نشاندہی کی، اور سود کے نقصانات بیان کئے، پھر ربا کی قسمیں، ربا کی علت میں مجتہدین کے اقوال، رباء کی دونوں قسموں کی حرمت پر جمہور کا اتفاق ہے کو بیان فرما کر ابن عباس کا ربا بالفضل سے رجوع کو ثابت کیا۔

حضرت مرحوم نے دار اسلام اور دار حرب کی تفصیل‘ ان کی تعریف‘ ان کے شرائط وغیرہ امور تفصیل سے بیان کے برما و ہندوستان دار حرب ہے یا دار اسلام؟ پر بھی بڑی تفصیلی بحث فرمائی۔ کتاب کے آخر میں مسلمان حربی سے سود لے سکتا ہے؟ اور اس سے کون سا مسلمان مراد ہے؟ کیا آیت سود آخر النزول میں سے ہیں؟ کیا سود پر پیسہ لینے کو مسلمانوں کو ضرورت ہے؟ اور شادی بیاہ میں فضول خرچی کے لئے سود لینے کا کیا حکم ہے؟ وغیرہ امور پر خوب قلم اٹھایا۔

راقم الحروف نے اس کتاب میں آیات کی تخریج کی اور جہاں ترجمہ نہ تھا وہاں ترجمہ کیا، بعض جگہوں پر مشکل الفاظ کے ترجمے بھی ’’فیروز اللغات‘‘ کی مدد سے لکھ دیئے۔ شروع میں اسلام میں ربا کی مذمت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک مقدمہ لکھا، اس میں واضح کیا کہ سود ہر مذہب میں ممنوع رہا، ساتھ ہی ربا کی تعریف‘ ربا کی قسمیں اور ان کے احکام وغیرہ امور کیا ہیں؟ لکھ دیئے۔

’’نسیم‘‘ کا معنی ہے: پچھلی رات کی نرم و معطر ہوا، صبح کی ٹھنڈی ہوا۔ اور صبا کہتے ہیں: وہ ہوا جو مشرق سے چلے، وہ پُروا ہوا جو موسم بہار میں چلتی ہے، مشرقی ہوا، صبح کی ہوا۔ کتاب کا نام ہے: ’’نسیم الصبا فی حرمۃ الربا‘‘ گویا معنی یہ ہوا کہ سود کی حرمت پر شریعت کی نرم و معطر موسم بہار کی ہوا۔ شریعت مطہرہ نے سود کی غلاظت و حرارت کو ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا سے حرام کر کے امت کو غلاظت اور حرارت سے بچالیا۔

اللہ تعالی سے دلی دعا ہے کہ اس کتاب کو شرف قبول عطا فرما کر حضرۃ العلام اور مرتب و ناشرین کے لئے ذخیرۂ آخرت و ذریعۂ نجات بنائے، اور کمی کوتاہی کو معاف فرمائے، آمین۔ مرغوب احمد لاجپوری

تعارف کتاب ''اجابة السّائل عن القنوت فی النّوازل''

قرآن وحدیث پر ایمان لانا عین مطلوب، اور بسا اوقات ان کا انکار کفر کی سرحد تک پہنچا دیتا ہے۔ اور قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں فقہاء امت رحمہم اللہ نے جن مسائل کا استنباط کیا ہے ان کا اتباع بھی امت کے اجماع سے لازم وضروری۔

مگر اس دور پر فتن میں کچھ لوگ جہالت وعدم واقفیت یا عناد وہٹ دھرمی کے ایسی باتوں تک کا انکار کر دیتے ہیں، ان کی عقل پر ماتم ہی کیا جانا چاہیے۔ انہیں مسائل میں قنوت نازلہ بھی ہے کہ باوجود اس کا احادیث صحیحہ کثیرہ میں ثبوت ہے، مگر ایک جماعت نہ صرف اس کی منکر بلکہ ماننے والوں کے خلاف عناد وضد اور عدوات ودشمنی تک مول لینے کو تیار۔

اسی پس منظر میں حضرة العلام مولانا عبدالحیٔ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے یہ جامع رسالہ ترتیب دے کر امت پر احسان فرمایا۔ اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے ان ہی کے خاندان کے کچھ افراد کی ہمت وکوشش سے اس کی اشاعت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

راقم الحروف کی سعادت وخوش قسمتی ہے کہ اس کی ترتیب وتحشیہ کا کام میرے نصیب میں مقدر تھا۔ حاشیہ میں تخریج کا محنت طلب کام اللہ ہی کے فضل وکرم سے پورا ہوا، اور کچھ مفید اضافات بھی کئے گئے، امید ہے کہ یہ ناظرین کے لئے مفید وکارآمد ثابت ہوں گے انشاء اللہ۔

اللہ تعالی اس خدمت کو قبول فرما کر اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور مصنف علام رحمہ اللہ اور راقم وناشرین کے لئے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے حوادثات و

مصائب کے وقت قنوت نازلہ کا پڑھنا ثابت ہے، اسی لئے فقہاء امت اور ائمۂ مجتہدین و محدثین کی بڑی تعداد اس کی قائل رہی ہے۔ اور آج تک امت کا عمل بھی اسی پر جاری و ساری ہے۔

امت محمدیہ (ﷺ) کے علماء عظام نے علوم نبویہ کی حفاظت میں جو محنتیں ومشقتیں برداشت کی ہیں اس کی مثال کسی قوم و مذہب میں نہیں ملتی، ہر ہر فن پر کتابوں ورسائل کے انبار جمع کردیئے، فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ قنوت نازلہ پر بھی احادیث وفقہ کی کتابوں میں مستقل باب یا فصل قائم کی گئی، اوراس کے متعلق احادیث وآثار اور مسائل فقہیہ کو جمع کیا گیا۔

حضرۃ العلام مولانا عبدالحئ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو مفصل ایک رسالہ میں جمع فرمایا، جس میں اس بات کو بڑی وضاحت سے لکھا کہ قنوت نازلہ کا ثبوت احادیث نبویہ میں تفصیل سے آیا ہے اور فقہ کی بکثرت کتابوں میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ احادیث کے ذیل میں ولید بن ولید' سلمہ بن ہشام' عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہم جن کی وجہ سے قبوت نازلہ پڑھا گیا ان کا بھی مختصر تذکرہ فرمایا، اسی طرح بئر معونہ کے واقعہ کو بھی اس کے تحت مختصراً بیان کردیا۔ اسی واقعہ میں جب آپ ﷺ نے رعل' ذکوان اور عصیہ پر بددعا کرتے ہوئے لعنت فرمائی تو آیت کریمہ ﴿لیس لک من الامر شئی﴾ سے آپ ﷺ کو لعن سے منع فرمادیا گیا، مولانا نے اس کو بیان فرما کر اس کو بھی واضح فرمایا کہ آپ ﷺ کو لعنت بھیجنے سے کیوں منع فرمایا گیا؟ احادیث کے ذیل میں ان دو روایتوں میں جن میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے، کہ ایک حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں ایک معین وقت تک قنوت پڑھی، اور دوسری روایت میں ہے دنیا سے فرقت تک پڑھی، ان

دونوں حدیثوں میں تطبیق بیان فرمائی۔ بعض حضرات قنوت نازلہ کو منسوخ مانتے ہیں، مولانا نے اس پر بھی کلام فرما کر یہ ثابت کیا کہ قنوت نازلہ کا پڑھنا منسوخ نہیں ہے۔ پھر قنوت نازلہ منسوخ نہ تھی تو آپ ﷺ نے بار بار کیوں نہیں پڑھی؟ اس سوال کا جواب دیا۔ موصوف نے صرف اسی بات پر انحصار نہیں فرمایا، بلکہ اس موضوع کے دیگر مسائل پر بھی خوب تفصیل سے روشنی ڈالی، مثلاً اس بحث کو چھیڑا کہ قنوت نازلہ حکم نماز کے سجدہ میں کیوں نہیں ہوا، جبکہ قبولیت دعا کا سب سے بہتر محل سجدہ ہے۔ پھر قنوت نازلہ اکثر نماز فجر میں ہی کیوں پڑھی گئی؟ پھر قنوت نازلہ کے متعلق فقہی بحث فرمائی، اور فقہاء کی عبارات سے اس کے ثبوت اور عدم نسخ کو تفصیل سے لکھا۔ پھر بتلایا کہ قنوت نازلہ کیا صرف خلیفۃ المسلمین کے ساتھ خاص ہے یا ان کے بغیر بھی پڑھی جاسکتی ہے؟ اس کو دلائل سے ثابت کیا کہ بلا خلفیہ کے بھی قنوت پڑھ سکتے ہیں۔ قنوت صرف جنگ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ بلا و طاعون وغیرہ پر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے قنوت نازلہ کن نمازوں میں پڑھی جائے؟ بعض صرف فجر کے قائل ہیں، بعض جہری نمازوں کے، بعض ساری نمازوں میں پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، مولانا نے اس کے متعلق بھی لکھا۔ قنوت کب پڑھی جائے رکوع کے بعد یا پہلے؟ اسی طرح قنوت نازلہ امام و مقتدی دونوں پڑھیں یا مقدی صرف آمین کہے؟ اور قنوت پڑھتے وقت رفع یدین ہے یا نہیں؟ ان مسائل کو بھی تشنہ نہیں رکھا۔ اسی طرح قنوت نازلہ کے الفاظ کیا ہیں اس کو بھی جمع فرما دیا، الغرض رسالہ اپنے موضوع پر بہت کافی ووافی ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف کتاب ''مسلمانانِ برہما اور تعلیم''

تعلیم کی اہمیت وعظمت کسی اہل عقل پر پوشیدہ نہیں، دنیا کا کوئی انسان اس کی افادیت کا منکر نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی غفلت اور برا ماحول آدمی کو عامۃً اس سے غافل کر دیتا ہے، اس سلسلہ میں والدین اور قوم کے بڑوں کا فرض ہے کہ عوام کو ترغیب دے کر' بچوں کو شوق دلا کر علم کے میدان میں لائیں، اور اسے تعلیم سے مزین کریں، تاکہ یہ بچے مستقبل میں ایک باعزت زندگی گذار سکیں۔ مگر صرف تعلیم کو دنیوی حد تک محدود کر دینا اور حقیقی علم جو اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اور اسی علم کی بدولت نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کی ابدی زندگی کی نجات ہو سکتی ہے' سے بے پرواہی برتنا کم از کم کسی اہل ایمان سے بعید سے بعید تر ہے۔

اسلام' دنیوی تعلیم کی مذمت قطعاً نہیں کرتا، مگر وہ علوم جس سے آدمی اپنے مالک وخالق کو نہ پہچان سکے، اس کو غیر نافع ومضر ضرور کہتا ہے اور اس سے بچنے کی از حد تاکید کرتا ہے۔

عامۃً زر ودولت کی فراوانی اور ثروت ومال کا نشہ انسان کو جہاں بہت سی مضرت رساں چیزوں تک پہنچاتا ہے وہی تعلیم جیسی قیمتی دولت سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ اہل برما کو اللہ تعالی نے مال و دولت کی نعمت سے خوب نوازا تھا، تجارت وصناعت کے میدان میں ان کی ترقی عروج کو پہنچی ہوئی تھی، اس وقت حضرۃ العلام مولانا عبد الحیٔ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ کا قیام بھی وہیں تھا، اور آپ اہل برما کی تعلیمی غفلت کو دیکھ رہے تھے، اور بصیرت کی نگاہ سے محسوس کر رہے تھے کہ اگر ان کی یہی حالت رہی تو وہ وقت دور نہیں ہے کہ جہالت کی اندھیری ان کو نہ صرف عزت سے دور کر دے گی، بلکہ مال ودولت کی نعمت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ اسی فکر وکڑھن نے موصوف کو مجبور کیا کہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت کو کھول کر صاف صاف بیان کیا جائے، چنانچہ حضرت نے ایک رسالہ

میں مضامین کا ایک طویل سلسلہ شروع فرمایا، اور بڑے درد سے قوم کو دینی و دنیوی تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی، اور بتایا کہ علوم جدیدہ میں بھی مسلمانوں کو کس طرح مشغول ہونا چاہیئے، تجارت کے علوم میں کس طرح مہارت حاصل کرنی چاہیئے، اس سلسلہ میں لکھا کہ دوسری زبانوں میں مہارت حاصل کرنا بھی ضروری ہے، مگر اس کے لئے لمبا عرصہ گذارنا پڑتا ہے، اس لئے ان علوم کو اپنی زبان میں منتقل کر کے قوم کے لئے ان علوم کی تحصیل کو سہل بنانا مفید ہے۔ جاپان نے اپنی زبان میں علوم جدیدہ کے ترجمے کر کے کیسی حیرت انگیز ترقی کی، اس کی مثال دی، اور بتایا کہ اہل برما اس سلسلہ میں بڑی غفلت میں مبتلا ہیں، اس لئے بہت صاف صاف اہل ثروت کو متوجہ کیا کہ تمہاری یہ غفلتیں مستقبل کے لئے خطرے کی گھنٹی ہیں۔ اہل برما کی تعلیمی افسوسناک حالت کا جائزہ لیا اور ساتھ ہی اسباب واضح کئے کہ یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے تمہاری تعلیمی حالت قابل افسوس ہے۔ اس ضمن میں اس طرف بھی توجہ دلائی کہ مسلمانوں کو اس وقت فوری طور پر تجارت اور ملازمت کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اور اس طرف سے غفلت کہیں وہ حالات نہ پیدا کرے کہ ہندوستان کی سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ان کی اولاد کس طرح افلاس کا شکار ہوئیں۔ تجارت کے میدان میں ترقی کے لئے ایک ایسے ادارہ کی ضرورت بھی بتلائی جس میں تجارت کے علوم پڑھانے کے ساتھ ان بچوں کو دکان میں عملی تعلیم بھی دی جائے۔ اہل برما کی سخاوت کا تذکرہ بھی کیا کہ ان حضرات کے لئے ایسے ادارہ کا وجود میں لانا کوئی مشکل نہیں جو حضرات دوسری جگہوں پر اس زمانے کے لاکھ خرچ کر سکتے ہیں، کیا وہ اپنی اولاد و نسل کے لئے اپنے ملک میں جہاں ان کو رہنا ہے خرچ کیوں نہیں کر سکتے؟ ساتھ میں اس کا بھی اظہار کر دیا کہ جہاں اپنا قیام ہے وہاں خرچ نہ کرنا

اور دوسری جگہوں پر خرچ کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ مولانا کی یہ تحریر آج کل اہل برطانیہ کے لئے بھی از حد ضروری ہے کہ یہاں سے پوری دنیا میں مالی امداد پہنچ رہی ہے اور اہل برطانیہ محروم ہو رہے ہیں، یہاں کے بچے اعلی تعلیم کے لئے سودی قرضوں کے محتاج ہیں، یقیناً یہ بات یہاں کے اہل علم اور سربرآوردہ لوگوں کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے۔ اولاد کی تربیت کا بہترین ذریعہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں لکھا کہ انہیں والدین سے دور کسی ایسے اسلامی ماحول اور ادارے میں ضرور رکھنا چاہئے جہاں تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہو، گرچہ یہ مشکل ہے مگر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔

ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمان تعلیم ہی کی کمی کے باعث غیر اقوام سے آنکھوں سے آنکھیں ملا کر اپنا لوہا نہیں منوا سکے، اور اس کا خمیازہ انہیں ابھی تک برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ اور اب بھی مسلمانوں نے اس میں غفلت کی تو آئندہ بھی غیر بڑے بڑے مناصب پر قابض ہو کر شعائر اسلام تک میں دست اندازی کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں تجارت پیشہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی ترقی کی تدابیر کیا ہیں؟ ان کی بھی نشاندہی فرمائی۔ ایک زمانہ تھا کہ تعلیمی ترقی اور رسوخ کی وجہ سے یورپ ہماری تقلید پر مجبور تھا، مگر اب معاملہ بالکل برعکس ہو گیا۔ آج جدید علوم میں یا تجارت میں یا کسی صنعت و حرفت میں ہمارا کوئی نمایاں مقام ہے؟ ہاں ایک طبقہ نے غیر کی تقلید کر کے اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیا اور ان کی تقلید بجائے علوم میں ترقی کے ٫لباس٫ شکل و شباہت٫ رسم و رواج اور زندگی گذارنے کے اسلامی طریقے کو چھوڑ کر ان کے غیر مہذب طریقوں میں کی۔ اور ان کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسلام ان کے سائن بورڈ کی سطح پر ایک دردانگیز لہجے میں منظر عام میں اپنے سنگین مظالم کی داستان عرصہ سے سنا رہا ہے، مگر بجز حسرت و یاس کے کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہوا۔

حسرت پہ اس مسافر بے کس کے روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

پھر اہل یورپ کی مذہبی جدوجہد کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

''انگلستان عمدہ سرکاری بائبل سوسائٹی نے گذشتہ سوسال میں بائبل کی اشاعت پر تقریباً چوبیس کروڑ روپیہ کی خطیر رقم صرف کی ہے، آج تک تقریباً سات آٹھ سو مختلف زبانوں میں انجیل کا ترجمہ ہو چکا ہے، سال گذشتہ میں سوسائٹی نے انجیل کی چھیاسٹھ لاکھ جلدیں شائع کیں، اور گذشتہ پچاس سال سے اس کی سالانہ اشاعت میں نوے ہزار جلدوں کا ہر سال اضافہ ہوتا رہا ہے۔ یہ سوسائٹی بحساب اوسط ہر روز ساڑھے دس ہزار روپئے انجیل کی اشاعت پر صرف کرتی ہے۔

افسوس کہ ہم مسلمان اپنے پاک مذہب کی اشاعت سے کس قدر غافل اور بے خبر ہیں، کیا ہماری سینکڑوں بڑے بڑے نام والی اسلامی انجمنیں اور انسٹی ٹیوشنیں بتلاسکتی ہیں کہ وہ ساڑھے دس ہزار روپیہ یومیہ خرچ کرنے کے بجائے مہینہ بلکہ سال بھر میں بھی اس قدر رقم اشاعت اسلام پر صرف کرتی ہیں؟ اور کیا وہ اس بارے میں اپنے آپ کو اشاعت اسلام واحکام الٰہیہ کی ذمہ داری سے سبکدوش قرار دے سکتی ہیں؟''

پھر لکھا کہ ہماری پستی کی ایک بڑی وجہ افتراق واختلاف ہے، مگر ساتھ ہی اس بات کو بھی واضح کیا کہ اتفاق کا معنی یہ نہیں کہ سب کی آراء ایک ہوں، آج بھی عوام تو عوام خواص تک کا یہ رجحان ہو گیا ہے کہ اتفاق کا مطلب یہ ہے کہ سب ایک رائے پر جمع ہو جائیں، یہ ناممکن ہے، ورنہ تو ائمۂ مجتہدین کے اختلافات بھی مذموم ہو کر رہ جائیں گے۔ اتفاق کے معنی ہیں ایک امیر کی اطاعت میں زندگی گذارنا۔ آج یورپ واقوام عالم اس فارمولے پر

عمل پیرا ہو کر ترقی کر رہے ہیں اور مسلمان کسی کی اطاعت میں رہنے سے گریز کر کے تنزلی کی طرف جا رہے ہیں۔ اتفاق ہی نے اسلام کو شروع ہی سے وہ مضبوطی عطا کی کہ سارے غیر ان کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئے۔ اسی اتفاق کی تربیت کے لئے اللہ تعالی نے نماز میں جماعت کا اہتمام سکھایا، اور اس میں عجیب انداز سے اتحاد کی تربیت دی۔ پھر دینی تعلیم کی ضرورت کی اہمیت کو بھی خوب لکھا۔

بہر حال یہ ایک عمدہ اور قابل مطالعہ کتاب ہے، خصوصا اہل علم اور قوم کے لیڈران کے لئے اس کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اللہ تعالی حضرت رحمہ اللہ کی اس خدمت کو بارآور بنائے، اور حضرت و راقم اور ناشرین کے لئے ذخیرۂ آخرت و ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

....

’’اداة التنبّه فی بیان معنی التشبّه‘‘ کے معنی

’’اداۃ‘‘ کے معنی ہیں: چھوٹی مشین، اوزار، آلہ، برتن۔ ’’تنبّہ‘‘ کے معنی ہیں: بیدار رہنا، آگاہ رہنا، تو معنی ہوا: تشبہ کے معانی اور مفہوم کو واضح کرنے میں یہ رسالہ آگاہ اور بیدار رہنے کا برتن اور آلہ و اوزار ہے۔

اسلام میں تشبہ کی حقیقت، اس کی ممانعت، اس کے مفاسد و نتائج، اس کے احکام، اس کی مذمت پر آیات و احادیث، لباس، ڈاڑھی، مونچھ اور سر کے بالوں اور خضاب وغیرہ کے احکام پر مشتمل مفید اور نافع کتاب۔ یہ جدید ایڈیشن بہترین کمپوز، مفید حواشی اور عمدہ عنوانات سے مزین ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف رسالہ:

’’ اَلقَولُ المُجَلیّٰ فی سُنِّیَۃ صلوۃ العیدینِ فی المُصلّٰی ‘‘

عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے، کتب فقہ وفتاوی کی دسیوں کتابوں میں اس پر صراحت مذکور ہے۔ میرے استاذ محترم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہم نے اپنے رسالہ ’’عیدگاہ کی سنیت‘‘ میں بکثرت حوالے نقل فرمادیئے ہیں۔ تفصیل کے طالبین اس رسالہ کی طرف رجوع فرماسکتے ہیں۔

حضرۃ العلام مولانا عبدالحئ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے اس رسالہ میں عید ہی کے ایک مسئلہ کے بارے میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔

یہ رسالہ دراصل ایک استفتاء اوراس کا جواب ہے۔ سوال یہ تھا کہ: بلاعذر شرعی عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے یا مساجد میں؟ اگر عیدگاہ ہی میں سنت ہے تو عیدگاہ کو چھوڑ کر مساجد میں یا کسی میدان میں جو بیرونِ شہر ہو مگر عیدگاہ نہ ہو، بلا عذر شرعی ادا کرنے سے کراہت تحریمی یا تنزیہی لازم ہوسکتی ہے، اور عیدگاہ کا ثواب مل سکتا ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں حضرت رحمہ اللہ نے تفصیل سے لکھا کہ:

جب سے عیدین کی نماز مشروع ہوئی آنحضرت ﷺ اسے عیدگاہ میں ہی ہمیشہ ادا فرماتے رہے، صرف ایک بار بعذر بارش مسجد نبوی میں آپ ﷺ نے ادا فرمائی ہے۔

پھر اس کا احتمال ہے کہ مسجد نبوی چونکہ اس قدر وسیع نہ تھی کہ اہل مدینہ اس میں نماز عید ادا کرسکیں، اس لئے آنحضرت ﷺ عیدگاہ میں یہ نماز ہمیشہ ادا فرماتے تھے، اس کا بھی جواب دیا کہ: لیکن درحقیقت یہ ایک ناقابل اعتبار احتمال ہے۔

حضرت مؤلف رحمہ اللہ نے اس ضمن میں سنت مؤکدہ کی تعریف اوراس کے تارک کا

حکم بھی تفصیل سے لکھا،اور مختلف عبارات سے اپنے موقف کو بڑے عمدہ طریقہ سے لکھ کر بطور نتائج درج ذیل باتیں لکھیں:

(اولاً)......نماز عیدین کا عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے،جس کا تارک مستحق ملامت وضلالت اور حرمان شفاعت سمجھا جاتا ہے۔

(ثانیاً)...... باوجود عیدگاہ کے بلا عذر شرعی نماز عیدین مساجد میں ادا کرنا خلاف سنت ہے۔

(ثالثاً)...... باوجود عیدگاہ کے بلا عذر شرعی مساجد میں نماز عیدین ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنا افضل ہے،مگر بشرطیکہ وہ مسجد اس قدر وسیع ہو کہ تمام اہل شہر کے لئے کافی ہو اگر کافی نہ ہو تو ان کے نزدیک بھی ایسی مسجد میں نماز مکروہ ہے۔

پھر اس بات کی صراحت بھی بڑے واضح انداز میں کی کہ:

رہی یہ بات کہ باوجود عیدگاہ بیرون شہر یا اندرون شہر کسی کشادہ مقام میں عیدین کی نماز ادا کرنا یہ بھی خلاف سنت ہے یا نہیں؟اور ایسے مقام میں عیدین کی نماز ادا کرنے سے عیدگاہ کی نماز کا ثواب مل سکتا ہے یا نہیں؟

کتب متداولہ کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود عیدگاہ کے ایسے مقام میں بھی نماز عیدین ادا کرنا خلاف سنت ہے،اور جو ثواب عیدگاہ بلکہ مساجد میں ملتا ہے وہ ہرگز ایسے مقام میں نہیں مل سکتا،قرون ثلثہ میں آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین وغیرہم خاص عیدگاہ ہی میں نماز عیدین ادا فرمایا کرتے تھے۔

فقہاء نے عید کی بحث میں ''جبانہ'' لکھا ہے،مؤلف مرحوم نے اس پر کلام کرتے ہوئے لکھا کہ:

کتب فقہ میں بجائے ''مصلی'' لفظ ''جبانۃ'' واقع ہے، اس سے گو یہ اشتباہ پیدا ہوسکتا ہے کہ ''جبانہ'' لغت میں ''صحرا'' کو کہتے ہیں، بناء علیہ اگر جنگل کے کسی حصہ میں نماز عیدین ادا کی جائے تو سنت ادا ہو جائے گی، مگر یہ اشتباہ ایک بہت بڑی غلط فہمی پر مبنی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ گو جبانہ لغت میں صحرا کے لئے موضوع ہے، مگر اصطلاح فقہاء میں اس کا اطلاق خاص عیدگاہ ہی پر کیا جاتا ہے تسمیۃ الجزء باسم الکل۔

الغرض یہ مفید اور قابل مطالعہ رسالہ ہے۔ اللہ تعالی اسے قبول فرما کر حضرت مؤلف رحمہ اللہ اور راقم مرتب کے لئے بھی صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

اصل رسالہ میں کوئی عنوان نہ تھا راقم نے اپنی سمجھ کے مطابق مختلف عنوانات قائم کئے، تا کہ تلاش میں سہولت ہو، مفید حواشی کا اضافہ کیا، اور شروع میں بطور مقدمہ کچھ باتیں لکھی ہیں، اللہ کرے مفید اور نافع ہوں، آمین۔

''اَلقَولُ المُجَلیّٰ فی سُنِّیَۃ صلوۃ العیدینِ فی المُصلّٰی''...... ''مُجَلیّٰ'' کے معنی ہیں: روشن، صاف، ستھرا۔ رسالہ کے نام کا معنی ہوا: عیدگاہ میں نماز عیدین کی سنیت کے بارے میں صاف اور روشن قول۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف رسالہ ''الخلافہ''

حضرۃ العلام مولانا عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ کا یہ مختصر مگر جامع اور قیمتی رسالہ ''الخلافہ'' حقیقی معنی میں ''ماقل ودل'' کا مصداق ہے۔ خلافت عثمانیہ کا دورِ عروج تھا اور سلطان عبد الحمید خان کا دور سلطنت ودور خلافت۔ اس وقت کچھ متعصبوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا (اور صحیح معنی میں پیدا کیا گیا) کہ سلطان پر خلیفۃ المسلمین کا عالی شان اور بامعنی لقب استعمال کیا جانا چاہئے اور کیا جاسکتا ہے؟ اور سلطان کے لئے خطبۂ جمعہ میں دعا کی جانی چاہئے؟ اس سوال کے جواب کے لئے حضرت نے یہ رسالہ لکھنا مناسب سمجھا، اور بڑی قوت ودلائل سے اس بات کو ثابت کیا کہ واقعی سلطان اس لقب کے نہ صرف مستحق بلکہ اس وقت اس لقب سے ملقب کئے جانے میں کوئی ان کا ہمسر وشریک نہیں، اور خلافت کے شرائط کے وہ اس قدر جامع ہیں کہ حرمین شریفین کے امراء بھی ان کی برابری نہیں کرسکتے۔

رسالہ کی غرض تو صرف یہی تھی مگر رسالہ میں حضرت نے خلافت کی لغوی وشرعی تعریف، خلافت کی شرطیں کیا ہیں، خلیفہ قریش سے ہونا چاہئے، خلافت قریش کی ایک فلسفیانہ دلیل، خلافت قریش سے غیر قریش کی طرف کب منتقل ہوسکتی ہے؟ خلافت کن چار امور سے منعقد ہوتی ہے؟ کسی بھی مستقل ریاست کے لئے چار نہایت ہی اہم امور کون سے ہیں؟ سلطان عثمان خان اور ان کے جانشینوں کی مختصر تاریخ، ہندوستان کے مسلمانوں کو سلطان المعظم کے ساتھ کیا روابط ہیں؟ سلطان محمد فاتح اس حدیث کے جس کو امام احمد وحاکم نے بسند حسن بشر غنوی سے روایت کی ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: قسطنطنیہ فتح کیا جائے گا اور اس کا امیر بہتر امیر اور اس کا لشکر بہتر لشکر ہوگا' کے مصداق ہیں،

سلطان عثمان کا نواں جانشین سلطان سلیم ہے۔ رسالہ کے آخر میں سلطان سلیم کے مختصر مگر دلچسپ حالات بیان کئے ہیں کہ: سلطان سلیم جب سلطان غوری فرمانروائے مصر وحلب اور شام کو عین معرکہ میں قتل کر کے حلب کو چلا گیا تو علماء و عمائد شہران سے نہایت ہی اعزاز کے ساتھ پیش آئے، اور خطبے میں بخطاب خادم الحرمین ان کے لئے دعا کی گئی۔ جس پر سلطان سلیم کے پاس جو پچاس ہزار قرش کا ایک خلعت تھا وہ خطیب کو نذر کر دیا گیا۔ پھر شام اور مصر کو فتح کیا، اب حرمین پر فوج کشی کا ارادہ کیا، مگر قاضی صلاح الدین بن ظہیرہ کی اس سفارش سے کہ فوج کشی کی ضرورت نہیں، اس غرض کی تکمیل کے لئے صرف ایک فرمان شاہی کافی ہے، چنانچہ: ۹۱۸ھ میں ایک شاہی فرمان شریف برکات کو لکھا گیا۔ اس کے وصول ہوتے ہی شریف برکات نے اطاعت کر لی۔ اس وقت سے سلاطین عثمانیہ کے لئے حرمین میں ممبر پر دعا ہونے لگی، وغیرہ عنوانات سے خوب باتیں جمع فرمادیں۔

اللہ تعالی اس کاوش کو قبول فرما کر حضرت رحمہ اللہ اور راقم وطباعت کے جملہ معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت وذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

اللہ کرے اہل گجرات خصوصاً اور مسلمانان عالم عموماً اس مفید رسالہ وحضرت رحمہ اللہ کی جملہ مفید وقیمتی تالیفات سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف رسالہ ''کلمۃ الفصل''

حضرۃ العلام مولانا عبدالحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے اس رسالہ میں چند مشہور اور اہم مسائل کو بڑی عمدگی اور تحقیق سے تحریر فرمایا ہے۔امت کے ایک مختصر طبقہ کو تقلید سمجھ میں نہیں آتی ،اور بعض حضرات تو تقلید کو شرک سے کم کا درجہ دینے پر بھی راضی نہیں، وہ حضرات کہتے ہیں کہ تقلید صرف نبی کی ہوگی اور اتباع صرف احادیث کا کیا جائے گا،فقہ کوئی چیز نہیں ہے،اور ان میں بعض نے فقہ کے بارے اس قسم کے توہین آمیز اور نا قابل تحریر الفاظ لکھے ہیں کہ ان کو نقل کرنا بھی باعث شرم ہے۔ظاہر ہے ان حضرات کے نزدیک فقہاء امت کے اجتہادات اور ان کی کاوشیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں،اسی لئے انہوں نے بعض مسائل میں فقہاء رحمہم اللہ سے سخت اختلاف کیا،اور بعض مسائل میں اس قدر شدت کی کہ اسلاف کی تاریخ اس قسم کے واقعات اور شدت پسند خیالات سے یکسر خالی ہے۔حضرت صاحب رسالہ نے اس رسالہ میں اولاً تقلید کی افادیت اور ترک تقلید کے نقصانات پر بڑی عمدہ بحث فرمائی اور قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت پیش کیا۔

الغرض حضرت رحمہ اللہ نے درجِ ذیل عنوانات سے اس رسالہ میں بڑی کارآمد اور مفید ابحاث زیب قرطاس فرمائی ہیں:

(۱)......کیا اختلافی مسائل میں ایک فریق نے دوسرے کے موقف کو قبول کیا؟

(۲)......کوئی قابل فخر تصنیف وجود میں آئی ؟

(۳)......التقلید: تحمل اور تفقہ کی تعریف،تفقہ کے لئے تحمل ضروری ہے۔

(۴)......تفقہ کے لئے قرآن وحدیث کس قدر محفوظ ہونے چاہئیں۔

(۵)......تفقہ کے بعد احکام مستنبطہ کو شائع کرنا فرض کفایہ ہے۔

(۵)......اولوا الامر،اھل الذکر،مجتھد کون لوگ ہیں؟

(۶)......تقلید کا ثبوت قرآن وحدیث سے۔

(۷)......تقلید کس کی ہو؟ اور مجہتد کے شرائط۔

(۸)......کون سی تقلید نا جائز ہے۔

(۹)......مجہتدین کی تقلید نہ ہوگی تو غیر مجہتد کی تقلید کرنی پڑے گی۔

(۱۰)......زخم میں تیمّم کے بجائے غسل کروانے پر آپ ﷺ کی ناراضگی۔

(۱۱)......ترک تقلید کے نقصانات پر غیر مقلد عالم کی گواہی۔

(۱۲)...... مذاہب اربعہ کا ماخذ کیا ہے؟

(۱۳)......حنفی مذہب کا ماٗ خذ ابراہیم نخعی،اوران کا ماٗ خذ ابن مسعود اور علی ہیں۔

(۱۴)......آنحضرت سے علم حاصل کرنے کے دو طریقے تھے۔

(۱۵)......امام صاحب رحمہ اللہ کے مناقب۔

(۱۶)......امام صاحب نے حدیث کی اشاعت کی طرف توجہ کیوں نہیں دی؟

(۱۷)......امام صاحب کو صاحب رائے کیوں کہا گیا۔

(۱۸)......امام صاحب کی توثیق۔

(۱۹)......قرأۃ الفاتحہ۔

(۲۰)......خبر واحد سے کتاب اللہ کی تنسیخ ناجائز ہے تو اہل قبا کعبہ کی طرف کیوں پھر گئے؟

(۲۱)......رفع الیدین۔

(۲۲)......وضع الیدین۔

(۲۳)......التامین۔

کوئی صاحب ذوق اس رسالہ کو خالی الذہن ہو کر پڑھے گا تو انشاء اللہ ممکن ہے کہ اس کے کئی اشکالات اور الجھنیں دور ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو شرف قبولیت سے نواز کر ناظرین کے لئے باعث خیر و ہدایت اور حضرت موصوف رحمہ اللہ و راقم الحروف اور اس کی طباعت میں تعاون کرنے والے جملہ احباب کے لئے ذخیرۂ آخرت و ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

....

مختصر تعارف رسالہ: ''عِقْدُ الْفَرَائِد فِيْ نَظْمِ الْعَقَائِد''

اس رسالہ میں عقائد اسلامی کو بہت مختصر اور جامع انداز میں عربی نظم میں جمع کیا گیا ہے۔اس میں کل ایکسو پچپن (۱۵۵) اشعار ہیں۔ یہ رسالہ مدارس عربیہ کے طلباء کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے، اگر ان اشعار کو زبانی یاد کرلیا جائے تو عقائد حافظہ میں مستحضر ہو جائیں گے۔

''عِقْدُ الْفَرَائِد فِي نَظْمِ الْعَقَائِد'' ...... ''عِقْد'' کے معنی ہیں: ہار۔'' الْفَرَائِد' ' فریدۃ' کی جمع ہے، جس سے مراد وہ موتی ہوتے ہیں سیپ میں سے تنہا نکلیں، تنہا ہونے کی وجہ سے وہ بڑی بھی ہوتے ہیں اور زیادہ آبدار بھی ، اس بنا پر وہ بیش قیمت ہوتی ہے۔'' نَظْم'' کے معنی ہیں: منظوم کلام، مجموعۂ اشعار۔ بمعنی منظوم ، پرویا ہوا، ملایا ہوا۔ کتاب کے نام کا معنی ہوا: یہ رسالہ ہے منظوم عقائد میں جو بیش قیمت موتیوں میں پرویا ہوا ہار ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف رسالہ ''المدافع الالھیة فی الرد علی البابیة''

حق و باطل کا معرکہ کوئی نیا نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ بہت پہلے بلکہ ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی ابتدا ہوگئی تو شاید غلط نہ ہوگا۔ ہابیل و قابیل کے مابین جو معرکہ حق و باطل ہوا، اس کو قرآن کریم و احادیث نبویہ نے نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اس سے قیامت کے آنے والے انسانوں کو درس دیا۔

جتنا زمانہ قرن خیر سے دور ہوجاتا جائے گا اسی قدر شر کے غلبہ کا ہونا نص سے ثابت ہے۔ اور شر و فساد میں عقیدہ کا شر و بگاڑ اس قدر خطرناک ہے کہ وہ ایمان کا صفایا کر دیتا ہے، دنیوی فساد سے ممکن ہے کہ انسان کی دنیا برباد ہو، مگر یقین و اعتقاد سے ہمیشہ کی آخرت برباد ہو جاتی ہے۔

ہمارا ازلی دشمن شیطان نے خود مسلمانوں ہی میں گمراہی کا ایسا چال چلا دیا کہ دین کے نام سے فتنوں اور گروہ بندی کا وہ جال بچھایا کہ الامان والحفیظ۔ بعض عقائد نے تو ان کے ماننے والوں کو مسلمان تو باقی رکھا، مگر اہل سنت والجماعت سے خارج کر دیا، اور بعضوں نے وہ نظریئے اپنا لئے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے رہے، مگر شریعت مطہرہ میں ان کے اسلام کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایسے گمراہ کن عقائد کے حامل فرقوں کی بھی کمی نہیں۔ انہیں میں ایک فرقہ بابی و بہائی بھی ہے۔ ان کے عقائد بھی اسلام سے ذرہ برابر میل نہیں کھاتے، جیسا آپ مقدمہ میں پڑھ سکتے ہیں۔ حضرۃ العلام مولانا عبد الحئی صاحب رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی اس گمراہ فرقے نے کچھ شہرت حاصل کی تو ان کی گمراہی سے امت کو بچانے کے لئے موصوف نے قلم اٹھایا اور قدرے تفصیل سے ان کے عقائد اور ان کا رد بیان فرما کر امت پر احسان عظیم فرمایا۔

حضرت نے اس کتاب میں بیان فرمایا کہ آزاد منش افراد نے بلاغور وفکر کے کس طرح نئے مذہب کی بنا ڈالی۔ بابی فرقے نے کس طرح یہ باور کرایا کہ اسلام کا دور بارہ سو ساٹھ سال تک تھا، پھر منسوخ ہوگیا۔ اسلام کی کمالیت کا بہترین طریقے سے جائزہ لیا کہ اسلام کے سامنے جابر سلاطین کی گردنیں جھک جاتی تھیں، مگر اس دور میں اسی پر بے رحمانہ کیسے کیسے حملے ہورہے ہیں، مگر اس کی ابدیت تا حال جوں کی توں باقی ہے، اس لئے کہ اس کی حفاظت کا اعلان خداوندی موجود ہے۔ ہاں ان نام لیوا مسلمانوں پر افسوس کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ پھر اسلام اور اس کے احکام پر ایک ایسا عاقلانہ تجزیہ فرمایا کہ دن رات میں عبادات کتنی مقدار اور کن اوقات میں رکھی گئیں، ہر خالی الذہن اسے پڑھ کر اس کی حقانیت کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر اس فرقہ نے کس طرح مہدویت اور عیسویت کا دعوی کیا، اور شروع میں خوش فہمی سے کچھ کامیابی کے آثار ظاہر ہوئے، بالآخر قید و بند کی سزا دنیا ہی میں ملی، ہاں وہ سزا کوئی سنت انبیاء و اولیاء میں نہ تھی، بلکہ خالص ارتداد وجہ تھی۔ پھر بانی فرقہ ''باب'' کے کچھ ذاتی حالات' اس کے بے بنیاد دعوے' اور کرامت کا اثبات وغیرہ کو بیان کیا، جس میں اپنے ماننے والوں سے احکام شریعت کا معاف ہونا بھی ہے۔ پھر بتلایا کہ درحقیقت باب کسی مذہب کا پابند نہیں تھا، اس کا مقصد اس مکر سے حکومت کا حصول تھا، اور اس نے اپنے مریدین کو عہدوں کے لالچ بھی دیئے تھے۔ پھر اس نے احکام الٰہی میں کیا تبدیلیاں کیں، مثلاً ''سلام'' کی جگہ ''مرحبا'' اذان میں میرا نام ہو' قرآن کے بدلے اپنی کتاب کی تلاوت' وغیرہ۔ اس کا دعوی یہ بھی تھا میں آپ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان میں رابطۂ اجتماع ہوں، اس لئے میرا نام علی محمد ہے اور اللہ تک رسائی میرے بغیر ناممکن ہے اس لئے میں باب ہوں۔ علماء نے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو ایک عربی کلام

جس میں اعراب تک درست نہیں تھے کو پیش کیا، جب اعراب کی پکڑ کی تو کہا مجھ سے اعرابی غلطیاں معاف ہیں۔ پھر اس کے شہر بدر کرنے اور اس کے تین مشہور داعیوں کا تذکرہ اور بعد میں بہائی کا اس کی جگہ لینا اور کس طرح فرقے میں مزید اختلاف ڈالنا وغیرہ حقائق کو ظاہر کیا۔ بہاء اللہ تو نے حد ہی کر دی خدائی کا دعوی تک کر بیٹھا۔ اس کی کتاب اقدس بھی عجائب شر کا اچھا خاصہ نمونہ ہے۔ نماز و اہم عبادات کا جو حلیہ بگاڑا ہے اس کو نقل فرمایا۔ بہائی کے یہاں روزہ کے ایام انیس ہیں۔ زکوۃ میں انیس مثقال اپنے لئے (اسلام نے زکوۃ کو حضور اقدس ﷺ اور اہل بیت کے لئے ناجائز قرار دیا) زنا کی سزا بیت المال میں نو مثقال سونا جمع کرانا، اور خود تمام سزاؤں سے مستثنی۔ ان واہیات کو بیان کر کے حضرت نے بہائیوں سے ایک سوال کیا ہے کہ اس کے خدا ہونے کی کیا دلیل؟ اور ان کے احکام کی مصالح کا بطلان بیان کیا۔ آپ ﷺ کی پیشین گوئی اور قرآن کریم کس طرح باطل فرقوں کے عقائد کو ظاہر کرتا ہے، اس کو بھی لکھا۔ بہائیوں کے رسائل کی نشاندہی کر کے ان کی پکڑ کی، اس ضمن میں قرآن کریم میں ''امر'' معنی کی وضاحت خوب فرمائی، پھر ان کا خیال ہے اسلام ایک ہزار سال کے لئے تھا، اس پر روشنی ڈالی کہ کیا اسلام موجودہ زمانہ کے ساتھ نہیں چل سکتا، درمیان میں عورت کا دعوی نبوت اور مطالبۂ دلیل پر حدیث میں ''نبی'' ہے ''نبیہ'' نہیں سے استدلال، اور مسمی لا کا نبی ہونے کا ثبوت والے لطیفے کو بھی بیان کیا۔ ''عمر الدینا'' الخ، پر عمدہ بحث کی، پھر حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات بیان کر کے ثابت کیا کہ مہدی اور باب میں کوئی مشابہت نہیں، باب کی کتاب ''البیان'' کے کفریات کو بھی بیان کیا، مدعی نبوت پر اسلام کا وار کامیاب ہو گیا والا قصہ بھی قابل مطالعہ ہے۔ ان کے اس غلط عقیدے کا بھی خوب رد کیا کہ آپ ﷺ کی حکومت بارہ سو سال تک

رہے گی۔ پھر حضرت عیسی علیہ السلام کے مختصر حالات تحریر فرمائے، اور بتلایا کہ بہاء اللہ کس طرح مسیح موعود ہوسکتا ہے؟ ان دونوں کے حالات میں کوئی جوڑ نہیں۔ پھر مرزا محمود کی قرآن فہمی پر تعجب کر کے اس کی غلط تفسیر کو واضح کیا۔ پھر بہاء اللہ کی ایک دعوائے مسیحیت کی دلیل اور اس کا سات وجوہات سے محقق رد فرمایا۔ پھر بتایا کہ بہاء اللہ کی یہ پیشین گوئی کہ ریاست کا عصا بہاء اللہ سے جدا نہ ہوگا بالکل جھوٹی نکلی۔ بخت نصر کا عجیب خواب اور حضرت دانیال علیہ السلام کی عجیب تعبیر سے بھی باب یا بہاء اللہ کا عدم تعلق ہونا ظاہر فرمایا۔ اس کے بعد دو اور پیشین گوئیوں کا بھی باطل ہونا ثابت کیا۔ پھر آخر میں بائبل کی پیشین گوئی' اور بہاء اللہ کی خیالی سلطنت اور عیسی علیہ السلام کی آمد کی پیشین گوئی کو بہاء اللہ پر منطبق کرنے کے بطلان کو کھول کر بیان فرما کر ایک غلط عقیدہ کے بیان پر کہ اللہ کی روح نے بہاء اللہ کے ہیکل میں ظہور فرمایا' پر اپنی مفید کتاب کا اختتام فرمایا۔

الغرض یہ کتاب اپنے موضوع پر مکمل اور مفید ہے۔ میں بہائی عقیدہ کے حامل حضرات سے دردمندانہ درخواست کرتا ہوں کہ اس کتاب کو خالی الذہن ہو کر پڑھے، اور خدارا اپنی عاقبت کو دنیاوی لالچ اور ضد میں برباد نہ کریں۔ اللہ کرے حضرت رحمہ اللہ کی یہ تصنیف جس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے اس میں مفید سے مفید تر ثابت ہو، اور اس کی برکت سے امت گمراہی سے بچے، اور جو کسی غلط فہمی یا حب جاہ اور مال کے سبب ان غلط عقائد کے ماننے اور اس کی اشاعت میں پھنس چکے ہوں' ان کی اصلاح کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالی اس اشاعت کو حضرت مؤلف رحمہ اللہ اور راقم الحروف اور جملہ طباعت میں معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت و ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

تذکرہ محدث راندیری

اس مختصر رسالہ میں حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری محدث راندیری رحمہ اللہ کے مختصر حالات، ان کے چند فتاوی اور مختلف کتابوں پر لکھی گئیں تقریظیں وغیرہ جمع کی گئی ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

تذکرہ محدث راندیری

اس مختصر رسالہ میں حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری محدث راندیری رحمہ اللہ کے مختصر حالات‘ ان کے چند فتاوی اور مختلف کتابوں پر لکھی گئیں تقریظیں وغیرہ جمع کی گئی ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

وفات:......۹؍جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء۔

....

نوٹ:......حضرت رحمہ اللہ کے یہ حالات ماہنامہ اذان بلال آگرہ رمضان وشوال ۱۴۱۴ھ مطابق فروری ومارچ ۱۹۹۴ء میں اور گجراتی ترجمہ جو رفیق محترم مولانا عبدالحئی سیدات صاحب نے کیا تھا وہ ’’امید‘‘ گجراتی ۲؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹؍جولائی ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئے تھے۔

رحمت اللہ قاضی صاحب عالم دین مبین
ماہر فن اور مدرس اور محدث بالیقین

حاویٔ معقول ومنقول، جامع فروع واصول، ادیب لبیب، گجرات کے مایۂ ناز محدث حضرت مولانا سید قاضی رحمت اللہ صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ پچاس سال دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں شیخ الحدیث کے منصب عالیہ پر فائز رہے۔

ولادت

آپ کی ولادت شہر سورت میں ہوئی۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔ آپ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد سید احمد اللہ صاحب اور آپ کے جد امجد قاضی رحمت اللہ صاحب گجرات کے زبردست علماء میں تھے۔

قاضی سید احمد اللہ صاحب رحمہ اللہ

آپ کا شمار مشہور فضلاء عصر میں تھا۔ ۱۲۳۵ھ میں ولادت ہوئی۔ فارسی وعربی کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور شیخ پیر محمد صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ تاریخ گوئی اور فارسی اشعار میں ید طولی رکھتے تھے۔ ایک قصیدہ بلانقط کے نبی کریم ﷺ کی شان میں لکھا پھر اس کی عمدہ شرح فرمائی۔ صاحب حقیقۃ السورۃ لکھتے ہیں:

''یک قصیدہ در شان رسول اکرم ﷺ گفتہ و نیز شرح آں بوجہ احسن نوشتہ بودند معلوم نیست کہ کجا است''۔ (حقیقۃ السورۃ ص۹۴)

کچھ عرصہ ضلع سورت کے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ ۲۹/ جمادی الاولی ۱۳۰۹ھ میں رحلت فرمائی۔ بلیشور میں مدفون ہیں۔

(نزہۃ الخواطر ص ۴۷ ج ۷/ وحقیقۃ السورۃ ص ۹۵)

قاضی سید احمد اللہ سید عالی نسب — حافظ و پرہیز گار منشی معجز رقم
ناگہاں رنجور گشت ودار فانی را گذاشت — عالمی زین حادثہ شد مایہ رنج وغم
صبح جمعہ از جمادی الاولین بست ونہم — جادہ پیمای ارم روید زین دار الالم
فکر تاریخ و وفاتش بود ہاتف زدندا — حافظ مرحوم وہادی سال ہجری کن رقم

۱۳ ۰۹

قاضی سید رحمت اللہ صاحب رحمہ اللہ

مولانا رحمت اللہ صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے دادا قاضی سید رحمت اللہ صاحب رحمہ اللہ بھی عالم باعمل اور ممتاز قراء میں تھے۔قراءۃ سبعہ میں ملکۂ تامہ حاصل تھا۔خوش الحانی میں بے مثال تھے۔حکیم عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”کان یقرأ القرآن علی سبع قراء ات ولم یکن فی بلادہ مثلہ فی القراءۃ“

فقہ اور اصول عربیہ سے بھی کامل مناسبت تھی۔سورت میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

دومرتبہ حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔دوسری مرتبہ حج سے واپسی پر جہاز طوفان آب میں غرق ہوجانے کے سبب شہادت کی موت پائی، یہ واقعہ ۱۲۶۴ھ میں پیش آیا۔؎

قاری سبع قرأت خوش لحن — بود سید رحمت اللہ نام شان
ناگہاں از صدست طوفان آب — غرق شد گشتہ آں جہاز واہل آن
کشتی عمر پاک جناب نیز — شد غریق بحر رحمت ناگہان

(نزہۃ الخواطر ص ۷۷ا ج ۷/وحقیقۃ السورۃ ص ۹۴)

تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم واساتذہ کا حال معلوم نہ ہوسکا۔صاحب نزہۃ الخواطر کے بیان کے مطابق آپ نے تحصیل علوم کے لئے مختلف علاقوں کا سفر فرمایا اور وقت کے علماء کبار سے اکتساب فیض کیا۔علم حدیث کا شوق دامنگیر ہوا تو بھوپال تشریف لے گئے اور قاضی محمد بن عبدالعزیز صاحب اور مولانا شیخ حسین بن محسن الیمانی (جن کا تبحر علم حدیث ،علو اسناد اور فاضلانہ درس علماء وطلباء کے لئے جاذب توجہ بن رہا تھا) سے بڑے انہماک سے حدیث پاک کی تعلیم حاصل کی۔

تدریسی وانتظامی خدمات

تحصیل علم سے فراغت کے بعد گجرات کی قدیم دینی درسگاہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں تدریسی دور کا آغاز ہوا۔آپ پوری محنت اور جانفشانی سے مفوضہ خدمت انجام دیتے۔ اول تو اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت، نیز ’’ آنا نکہ خاک را بنظر کیمیا کنند‘‘ کے مصداق اساتذۂ باکمال کے فیض صحبت اور کامل سعی کا نتیجہ تھا کہ اقران واعیان میں امتیازی مقام اور تبحر علمی و جامعیت کی وہ شان حاصل کر لی جو کم ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو، بہت جلد صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر مامور ہوئے اور تقریبا نصف صدی تک سرزمین راندیر سے اہل گجرات کو علمی فیضان سے منور رکھا۔

منتظمین مدرسہ کو آپ کے خلوص واستقلال ومعاملہ فہمی پر کامل اعتماد تھا اس لئے ارباب نظر نے مدرسہ کا انتظام بھی آپ کے سپرد کردیا تو کچھ مدت مہتمم بھی رہے۔

آپ انجمن اسلام راندیر کے بانیوں میں سے تھے اور گیارہ سال اس انجمن کے انتظام وانصرام کو بحسن وخوبی سنبھالا۔

عادات وخصائل......حلیہ ولباس

مولانا رحمہ اللہ علم وعمل، تقوی وطہارت میں علماء سلف کی یادگار تھے۔آپ ایک بلند پایہ محدث تو تھے ہی، تفسیر وفقہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔صلوۃ لیل کے پابند تھے۔مزاج میں قدرے سختی تھی۔طلبہ کی نامناسب حرکات پر خوب نظر رکھتے اور بغرض اصلاح سزا بھی دیتے۔حضرت مولانا احمد اشرف صاحب راندیری رحمہ اللہ (م۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء) فرماتے تھے کہ: مجھے ایک مرتبہ کسی جرم پر صبح گیارہ بجے سے ایک بجے تک انگوٹھے پکڑوائے۔

چہرہ مہرہ گندمی رنگ کا مٹیالہ پن لئے ہوئے، قد میانہ، جسم ذی جسامت، گھنی داڑھی، لباس نہایت صاف ستھرا اور سفید، کرتہ پر صدری اور شیروانی پہننے کا معمول تھا، سر پر چھوٹا سا عمامہ۔

تصنیفات:......درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا ذوق بھی تھا۔کئی مفید تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں، جن کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱):......کحل العینین فی ترک رفع الیدین۔

(۲):......سبع سنابل فی تصریح المسائل۔

(۳):......غنیة المهتدی فی قراء ة المقتدی۔

(۴):......ترتیب المسائل فی اقوی الدلائل۔

(۵):......تلک عشرة کاملة۔

(۶):......تحقیق المسائل عن عمدة الوسائل۔

(۷):......نور العینین۔

(۸):......هدایة البرایا فی احکام الضحایا۔

(۹):......العطر العنبری فی حکم اجابة الاذان المنبری۔

(۱۰):...... کحل البصر فی ذکر وقت العصر۔

(۱۱):......ازالة الوهام عن مسائل الاحکام۔

اولاد

حضرت قاضی صاحب کے چار صاحبزادے تھے:

(۱):......مولوی عبدالحق صاحب۔ (۲):......مولوی عبدالخالق صاحب۔

(۳):...... جناب عبداللطیف صاحب۔ (۴):......جناب عبدالرحمٰن صاحب۔

وفات

علم وفضل کا یہ آفتاب ۹؍جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ءکوغروب ہوگیا، راندیر میں مدفون ہوئے۔ ؎

ابررحمت ان کے مرقد پر گوہرافشانی کرے حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

حضرت مولانا سید عبدالکریم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ (والد ماجد صاحب فتاوی رحیمیہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ) نے مرحوم کی وفات پر ایک قطعہ لکھا جس سے قاضی صاحب کا سن وفات بھی نکلتا ہے، وہ یہ ہے: ؎

چھپ گیا ماہ علم زیرزمیں گل ہوا آہ آہ چراغ دیں
۱۳ ۴۲

نوٹ:......حضرت رحمہ اللہ کے یہ مختصر حالات ’’نزہۃ الخواطر‘‘ ص ۱۴۵ ج ۸؍اور’’حقیقۃ السورۃ‘‘ اور حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کے مکتوب سے ماخوذ ہیں۔

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ لاجپوری ثم راندیری رحمہ اللہ کی مختلف کتابوں پر لکھی گئیں تقاریظ

(۱)''حقیت السورت'' پر (بے نقط عربی) تقریظ

اکلم مع اسم اللہ ارحم الرحماء

الحمد للہ الاحد الصمد علی ما علم آدم الاسماء کلھا ، و کرم اولاد آدم لحصول العلم مع اصولھا ، وعلم اولاد آدم کل العلوم ، و صرح لھم احوال الامصار واھلھا مع علم الاصول ، علی ما سواھم و سلسل العلوم مع الاصرار والحصول ، لکل الماھر المحصل المحرر المعمول ، وصلی اللہ علی رسولہ المکلم مع اللہ علی طور السماء ، کما کلم اللہ مع موسی علیہ السلام علی الطور المعلا ، مع العکس اللامع لمالک السماء ، اسمہ المکرم موصول مع اسم اللہ علی اللوح المطھر ، کما ورد لما رأی آدم اسمہ مع اسم اللہ المعطر ، کلم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ و کرر مرارا کلامہ المکرر ، وعلی آلہ و اولادہ امدا ، و علی کل الامام الموصل الی الھدی ، ودار السلام مع المرام سرمدا۔

اما وراء الحمد والسلام امھد کلام الدرر المحرر علم الحوال والاعوام مصرحا لسمط کلامہ الممر علی مرور الدھور مع الاعلام وحرر سطور کلم اللؤلؤ اللوامع ما ادرکہ المدرک وما احسہ ماھر للعلوم وما لمس واللہ لو ادرکہ مدرک لصرح ھو محرر مع المداد الممسک والمعطر علی اللوح المسوّط مع ماء الورد المطھر ولو لمحہ لامح لکل لمحہ ولو طالع مطالع لسر سرور الملک ولو سلک سالک مسلکہ لصار حرصہ وادراکہ علو علی الملک۔

ولله در المحرر اولى العلم الكامل ماطال الدهر لاصرار السطور مع الدلائل والوسائل كل ما سلك احد مسلكه سواه ، والله هو عالم لكل المحاصل والمراسم و محصل لكل اطوار المعالم و المكارم و مؤسس لاساس اصول الحكم ومدلل لدلائل العلوم مع الحكم ، كلامه احرى للدرس المهم واحلى كالسكر والعسل لحصول موارد الكرم ، (وهو الشيخ البهادر المؤرخ لباب مكة المحمية البلدة المباركة السورت اعلى الله عليها) على كل العمود محلحلا و ادرأ حسد كل حاسد مع الحسود مسلسلا وارحم الله على كل اهلها المطاوع للاسلام امدا وادام الله على اهلها الحاكم المسلط مع العدل والوسط والاكرام سرمدا الى ممر الدهور والاعصار على كل الصحراء والامصار۔

ترجمہ:...... میں بیان کررہا ہوں اس اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا مہربان ہے۔

تمام تعریفیں ایک بے نیاز اللہ ہی کے لئے ہیں، جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے، لکھائے اور اولادِ آدم (علیہ السلام) کو تحصیل علم کی توفیق کی نعمت کے ذریعہ سے عزت بخشی اور ان کے لئے شہروں اور ان کے باشندوں کے احوال کو کھول دیا۔

اور اللہ تعالیٰ رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے آپ کے رسول ﷺ پر جن کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے آسمانوں کی بلندیوں پر جیسا کہ انسانوں کے مالک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طورِ معلّٰی پر خطاب فرمایا تھا، وہ جن کا اسم شریف اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام کے ساتھ لوحِ محفوظ میں ملا ہوا ہے جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کا اسم شریف اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ ملا ہوا دیکھا تو فوراً "لا اله الا الله محمد رسول الله" پکار اٹھے اور کئی بار اس کلمہ کو پڑھا۔

اور رحمتیں اور سلامتی ہو آپ کی پاکیزہ آل پر اور آپ کے محبت کا دم بھرنے والوں پر۔
اور ہدایت اور سلامتی کے گھر تک پہنچنے والے سردار امام پر ہمیشہ سلامتی نازل ہو۔

بہرحال حمد وصلوۃ کے بعد تحریر شدہ علم الاحوال والاعوام کے موتیوں کے کلام کی لڑی کو پرونا شروع کرتا ہوں۔ آپ نے درخشندہ موتیوں کے مانند کلمات کو تحریر فرمایا ہے کہ اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا اور نہ کوئی ماہر علم اس تک پہنچ سکتا ہے۔ قسم بخدا! اگر کوئی اس کتاب کا حقیقی ادراک لے تو وہ ضرور اس بات کا قائل ہوگا کہ وہ ایک زبردست صاحب علم تھے اور عطر فشانی کرنے والے اور عرق گلاب چھڑکنے والے تھے۔ اگر کوئی کتب بینی کا شوقین اس کتاب کو گہرائی اور دلچسپی سے پڑھے تو بادشاہوں کی خوشی پائے۔ اگر کوئی آپ کے طرز کو اختیار کرنے کی کوشش کرے تو آپ کی حرص کرنے لگے اور اس کو بادشاہوں سے بھی برتری مل جائے۔

اور اللہ تعالی کے لئے خوبیاں ہیں کہ کتاب کے لکھنے والے بڑے صاحب علم اور کامل زمانہ تھے، آپ کے مانند دلائل کے ساتھ کلام پیش کرنے سے سارے عاجز، آپ کے مانند آپ کا طریقہ کوئی اختیار نہ کرسکا۔ قسم خدا کی آپ علم وفن کے عالم تھے اور حکمتوں کی اصل بنیاد رکھنے والے تھے، حلم کے ساتھ علم کے دلائل پیش کرنے والے تھے، آپ کا کلام اہم درس کے زیادہ لائق تھا اور شہد اور ہر طرح کی مٹھاس سے بھی زیادہ شیرین تھا۔ اور وہ ذات بابرکت شیخ بہادر، جو باب مکہ یعنی ''سورت'' کی تاریخ لکھنے والے کی ہے۔

اللہ تعالی آپ کے علم کو بلندی عطا فرمائے اور حاسدین کے حسد سے ہمیشہ محفوظ فرمائے اور اس کے باشندوں پر رحم فرمائے جو کہ ہمیشہ کے لئے حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے اور اللہ نے اس شہر پر حاکم عادل کو عدل وانصاف کے ساتھ دائمی سلطنت عطا کی۔

(۲) ''حقیقت السورت'' پر دوسری تقریظ

بسم الله والرحمن فزنا قديما والرحيم به قهرنا
و هل تغنى جلادة ذى حافظ اذا يوما لمعركة نزلنا

بسملة باب الوجود حمد من اسمه الاقدس فاتحة كل كتاب وفهرسة نسخة الشهود ثناء من باكورة حمده فى رياض الخير مطلع كل باب و نسائم التصلية والتسليم سارية الى حمى النبى الكريم وازهار التحية باسمه على عريش الاصحاب والآل ما برق ذكاء ولمع ال ب

فؤادى داع واللسان مترجم ويا رب يا رحمن فضلك اكرم
وانى لمضطر و ضيعى عاقنى وهل غير رب العبد للعبد يرحم

اما بعد ! هذا الكتاب الموسم بحقيقة السورة باسم التاريخى المشتمل على تحقيق السورة و اكنافها فى بيان احوال اهل العلوم الذى جمعه كريم الخصائل جزيل الشمائل اضاض الثواكل ملاذ الارامل مخرج الدرر من بحر لجى و موقد سراج الرشاد فى الليل الدجوجى عالم فى التواريخ المتدوالة بحذافيرها عارف القوانين المتدارسة بنقيرها و قطميرها صدر ايوان الفضائل العليا متكئى سرير الفواصل الحسنى رفيع القدر عظيم الشان جامع الكمالات الممكنة لنوع الانسان حضرتنا نائب الصوبة عالى الجاه الشيخ البهادر بن شيخ احمد المرحوم السورتى ما برح الاقبال ركائب الرغائب اليه يرجى ما كان الكذب يهلك والصدق ينجى وان امعنت النظر فيه الى تحقيق المطالب وتدقيقه الوسائل وتاليفه الفواضل وتهذيبه الرسائل مع زحام من الهياط والمياط ولف للقماط على الرباط والمناط فى ضيق من الوقت من كثرة المشاغل وضبط لمصالح الامور و فصل المعامل

لادرکت انه یولج الجمل فی سم الخیاط ویبدل القبض بالانبساط الترح بالنشاط وبالجملة فقد جاء فی هذا الزمان الاخیر والدهر الفقیر جامع للفضائل التی قلما تجتمع فی رجل من الانسان حاوی للفواضل التی قصر دون تبیانه لسان الترجمان وهذه ذرة من میدان مناقبه العلیة و قطرة من مجد بحار مکارمه الجلیلة ، اللهم احفظه من نوائب الدنیا وطوائحها واجعل عواقب اموره احسن من فواتحها وکتابه هذا قد هوی من الفوائد النفیسة والعوائد الجدیدة مالم تجمعه کتب المعاصرین من المؤرخین کابرا عن کابر حرره تحریرا بالغا فمن حفظه صار فی الاقران نابغا ، وهو بعبارة سهلة المساق اشهی من قطائف النعیم واشارة عذبة المذاق ، اهنی وامری من میاه التسنیم ' وبیان واضح اطیب من ازج النسیم ' استعارة طیبة اطرب من وجه وسیم ، مع ما اشتمل علیها کتاب من ایضاحات مستملحة وتلویحات موشحة و تحریر مهذب و تقریر مستعذب ، قلما اشتمل علیها کتاب واحتوی علیها خطاب ، فهو کتاب وایّ کتاب و عباب من العلم الوافر ' وایّ عباب صحیفة غراء لم ینسج بعد علی منوالها و نسخة کالغید العذراء ' لم تسمح طبعه بمثالها بل ما روی الراوون نحوها ولا رأیٰ الراء ون ضوئها فیها ما لم تطلع علیه اذهان عالیة ولم تعها اذن واعیة ، کانها حور مقصورات فی الخیام ' لم یطمثها قبل ذلک انس ولا جان ، اذ رایتها حسبتها لؤلؤا منثورا أو حوجمة سقیت من کأس کان مزاجها کافورا ترتیبه الانیق یزری بعقد الدرر ' و تالیفه الرشیق یفصح حدیقة الزهر ، فاق فی الصفا علی الرحیق ' واربی فی القنو علی العقیق ، وهذا تاریخ تالیفه من شعراء البلد ' ینبئ عن حاله الی الابد ، اقام الله لهم کل اود واطال لهم الامد۔

ترجمہ:......شروع کرتا ہوں بڑے مہربان اللہ تعالیٰ ہی نام سے' جس نے ہمیں پہلے بھی

کامیابیوں سے ہمکنار کیا اور اس نہایت رحم کرنے والی ذات کے نام سے جس نے بعد میں غلبہ عطا کیا۔

کیا حفاظت کرنے والی ذات کی طرف سے عطا کئے جانے والے صبر واستقلال سے بے نیازی ہوسکتی ہے اور اگر ایسا ہوتو گویا اس دن ہم نے اعلان جنگ کردیا۔

بسم اللہ کسی بھی شئ کے وجود کا دروازہ ہے اور اس کا مقدس ترین نام ہر کتاب کا افتتاح ہے، ہر خیر کے کام میں ہر باب کا مطلع ہے۔ اور ہمارے درود وسلام کے علم آپ ﷺ پر ہیں۔ اور اللہ تعالی کی سلامتی کے پھول آپ کے صحابہ اور آل پر بکھریں۔

میرا دل پکار رہا ہے اور زبان میری ترجمان ہے۔ اے میرے پروردگار! اے رحمٰن! تیرا فضل سب سے زیادہ معزز ہے۔ اے اللہ! میرا ہر کام تیری پشت پناہی کے لئے مجبور ہے، اے بندہ پر رحم کرنے والے' کیا آپ کے علاوہ بندے کا کوئی اور رب ہے؟

حمد وصلوۃ کے بعد! یہ کتاب جس کا تاریخی نام ''حقیقت السورت'' ہے اور جو سورت اور نواحی سورت اور اس کے اہل علم حضرات کے حالات وسوانح پر مشتمل ہے' جسے کریم خصلتوں والے اچھی عادتوں والے' بحر ذخار سے موتیوں کو نکالنے والے اور تاریک رات میں رشد و ہدایت کا چراغ جلانے والے فن تاریخ کے عالم و فاضل' بلند و بالا فضائل کے حامل' رفیع القدر' عظیم الشان' جامع کمالات' نائب صوبہ' عالی جاہ شیخ بہادر بن شیخ احمد المرحوم سورتی نے جمع کیا ہے، نیک بختی ہمیشہ آپ کی طرف متوجہ رہے' جب تک کہ جھوٹ ہلاکت میں رہے اور سچ نجات دلاتا رہے۔

اگر آپ اس کتاب میں کثرت اژدحام کے باوجود غور وخوض کریں تو اپنی مطلب براری کے لئے' اس کتاب کو ایسا پائیں گے گویا کہ اس کے جامع نے ایک بڑے اونٹ کو

موتی کے سوا رخ میں سمو دیا ہے۔

فی الجملہ اس قحط الرجال کے زمانہ میں اس جامع فضائل شخصیت جیسے مناقب بہت ہی کم لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔آپ نے اپنی زبان ترجمانی سے عمدہ ونفیس فوائد کے عمدہ پھولوں سے اس گلدستہ کو بھر دیا ہے۔اللہ تعالی آپ محترم ومکرم کو نوائب دنیا سے محفوظ رکھے اور انجام کو ابتدا سے بہتر بنائے۔

آپ نے ایک ایسی کتاب لکھی ہے جو ایسے عمدہ ونفیس فوائد پر مشتمل ہے جس سے آپ کے معاصر مؤرخین محروم ہیں۔جو شخص بھی اسے حفظ کر لے وہ اپنے ہمعصروں میں فصیح وبلیغ سمجھا جانے لگے۔

یہ کتاب ہر پڑھنے والے کے لئے سہل ترین ہے،نعمت کے پارچوں سے زیادہ لذیذ ہے،باذوق حضرات کے لئے بہترین تحفہ ہے،تسنیم کے پانی سے زیادہ خوش گوار ہے،واضح بیانات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے' جو بادنسیم کے جھونکوں سے زیادہ اطیب وپاکیزہ ہے۔ نیز یہ کتاب اپنے اندر واضح اشارات اور تلمیحات کو سمیٹے ہوئے ہے۔

بہت ہی کم ایسا پایا جاتا ہے کہ کوئی کتاب اپنے اندر خوبیوں کے ڈھیر سمیٹے ہو' جسے کسی دیکھنے والے نے نہ اس سے پہلے دیکھا ہو اور نہ اس کے بعد دیکھے گا۔جب تم اس کتاب کو دیکھو گے تو بکھرے ہوئے موتی پاؤ گے' جس کی ملاوٹ کافور سے کی گئی ہو۔

اس کی ترتیب بہت ہی لاجواب ہے کہ موتیوں کی ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے،اس کی تالیف بہترین ہے' گویا کہ باغ کے خوبصورت پھول بکھیر دیئے گئے ہوں۔اور یہ شہر کے شعراء کی کہی ہوئی تاریخی تالیف ہے،تاابد اس کے حالات کو بیان کرتی رہے گی۔اللہ تعالی ان کو قائم ودائم رکھے اور ان کو ہمیشگی بخشے۔

عربی منظوم تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحمد اللہ قد ھبت الینا	ریاح العلم بالطبع المزکی
من الشیخ البھادر قد تبین	مرام العلم بالتاریخ ھذا
وقد طالعتھا بالجد والکد	وجدت کلھا احری واسنا
الا یا ایھا القاضی المحرر	قل التاریخ بالوجہ المعلی
قصدت رقمہ من غیر نقص	فانشدت لتاریخ مجلا

۲۵ ۱۳

ترجمہ:

(۱)......اللہ تعالیٰ کی تعریف سے شروع کرتا ہوں کہ ہم پر پاکیزہ نفوس کی جانب سے علم و ہدایت کی ہوائیں چلائے۔

(۲)......(یعنی) شیخ بہادر کی جانب سے، تحقیق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ علم بالتاریخ کا مقصد اس تالیف سے واضح ہوگیا۔

(۳)......اور میں نے اپنی کدوکاوش سے حتی المقدور اس کتاب کا مطالعہ کیا، اور میں نے اس پوری کتاب کو لائق وفائق پایا۔

(۴)......اے قاضی! آگاہ ہو اور بالوجہ المعلا تاریخ کہہ۔

(۵)......میں نے اسے بغیر کسی نقص کے لکھنے کا ارادہ کیا، چنانچہ کہا: تاریخ مجلّا۔

(۱۳۱۵)

فارسی منظوم تقریظ

حبذا نامۂ کہ ہر ورقش صفحۂ آفتاب را روکش
بر ورقہاش جدول زنگار صفت سبزہ بر لبِ انہار
سر لوحش نگار خانۂ چین نقش پرواز معنی رنگین
نقطہ اش نجم آسمان کمال مد او برسپہر صفحۂ ہلال
بلکہ ہر مد زبان پر توصیف از ثناہائے صاحب تالیف
آنکہ طبعش گل بہار سخن نطق او آفرید گار سخن
یعنی شیخ بہادر عالی ذات صانہ ربہ عن الآفات
نام تاریخی او چہ خوش صورت خوب گفتہ حقیقت السورت

۱۵ ۱۳

ترجمہ:

(۱)......بہترین ہے یہ کتاب، جس کا ہر ورق آفتاب کے چہرہ کا مقابل ہے۔

(۲)......اس کے اوراق پر بنی ہوئی سنہری جدول، پانی کی نہروں کے کناروں پر اگے ہوئے سبزہ کی صفت رکھتی ہے۔

(۳)......اس کا سرِلوح (سرخی، عنوان) نگارخانۂ چین کے مانند اور معنی رنگین کی پرواز کی تصویر جیسا لگتا ہے۔

(۴)......اس کا ہر نقطہ کمال کے آسمان کے ستارے کی طرح اور اس کا ہر مد آسمان پر ہلال کے مانند نظر آتا ہے۔

(۵)...... بلکہ اس کا ہر مد مصنف کی تعریف کرنے والی زبان کی طرح ہے۔

(۶)......اس کا باطن بہار سخن کے پھول جیسا اور اس کا ظاہری نطق شعر کی تخلیق کرنے والا ہے۔

(۷)......یعنی (مصنف) عالی ذات شیخ بہادر کی' اللہ تعالی تمام آفتوں سے حفاظت کرے۔

(۸)......اس کتاب کا تاریخی نام بھی کتنا خوبصورت ہے۔ کتنا خوب کہا گیا: حقیقت السورت۔

اردو منظوم' تقریظ

گرامی منزلت عالی نسب ہے	بہادر شیخ وہ عالی حسب ہے
ہر اک علم و ہنر میں ہے وہ یکتا	نظیر اس کا کہاں ہم جاہ کب ہے
بیاں کیا کر سکوں تعریف ان کی	کہ طولِ گفتگو ترکِ ادب ہے
لکھی وہ ان دنوں تاریخ سورت	کہ ہر اک قصہ جس کا منتخب ہے
نرالے لفظ ہیں معنی عجیبہ	قیامت ہے بیاں مضموں غضب ہے
کوئی تاریخ اس تحقیق کے ساتھ	کہیں پہلے ہوئی تھی اور نہ اب ہے
سرِ اعدا قلم کر لکھ دے قاضی	سنہ ہجری یہ تاریخ عجب ہے

۱۵ ۱۳

التقريظ على ” مسلم الثبوت فى نسخ القنوت “

بسم الله الرحمن الرحيم

فاقول ان الطاعون وان كان من اشد النوازل الا انه رحمة و شهادة ، و دعاء نبينا محمد صلى الله عليه وسلم فلا يطلب رفعهن فيلزم الانكار ، فان قيل ان الطاعون والوباء واحد ، والدعاء برفع الوباء ثابت عن النبى صلى الله عليه وسلم كما هو مصرح فى البخارى بعقد الباب خاصة له ، اقول فيه ان الطاعون غير الوباء وانما عُبّر بالوباء لكونه يكثر فى الوباء كما فى العينى شرح البخارى ، ووجهه ان الوباء وهو من المرض العام والطاعون ليس مرضا بل هو من وخذ الجن كما ثبت فى الاحاديث الصحيحة المتداولة ، وقال فى الاشباه : وصرح به ابن حجر : بان الاجتماع للدعاء برفعه بدعة ، وقال صاحب الحموى تحته : اقول ما قاله ابن حجر‘ هو الحق الذى لا مرية فيه ، فان تعريف البدعة صادق عليه ، فان قيل ان القنوت والاجتماع للدعاء والصلوة عند النوازل مشروع ، ولا شك ان الطاعون من اشد النوازل وهو كالخسوف ، اقول هذا قياس فاسد فغير صحيح‘ لعدم وجود الشرائط وعلى تسليم وجود الشرائط فباب القياس مسدود فى زماننا ، انما لِلعلماء اَلنقل عن صاحب المذهب من الكتب المعتمد ، وعلى انه صرح فى بعض الرسائل بان القياس بعداربع مأة منقطع فليس لاحد ان يقيس مسئلة على مسئلة كما هو مصرح فى الحموى ، والاركان الاربعة وغاية الامر انه مختلف فيه هل يجوز الدعاء برفع الطاعون ام لا ؟ فالصحيح انه لايجوز كما مر،

حرره عبد مسكين من عباد الله‘ خادم الطلباء

محى الدين القاضى رحمت الله عفا الله عنه

التقريظ على كتاب ” بستان العارفين “

الحمد لله على نواله والصلوة والسلام على رسوله وعلى اصحابه و اٰله ، اما بعد ، فهذا كتاب مطلوب الطالبين ومرغوب السالكين ' المسمى ب ” بستان العارفين “ قد طالعت بعض المواضع منه ، فوجدت فيه من كلام الناس المحفوظ حروفا فيها عون على عمارة القلوب وصقا لتها وتجلية ابصرها وحياء للتكفير واقامة للتدبير ودليل على محامد الامور ومكارم الاخلاق بلا فتور ' ان شاء الله تعالى ، فلله در المؤلف لان الواصفين له اكثر من العارفين ' والعارفين له اكثر من الفاعيلن ۔

فان العلم علم فى الجنان وليس العلم علم باللسان

هنيئا للمؤلف علم هذا بريئا من خطاياه و ذى ذا

حرره عبد من عباد الله ' خادم الطلبة '

القاضى رحمت الله عفى عنه

ترجمہ:.......تمام تعریف ثابت ہے اللہ تعالی کے لئے کہ اس نے ہم کو نعمتیں دیں اور رحمت کاملہ اور سلام نازل ہو اس کے رسول اور اصحاب اور آل پر۔ امابعد!

پس یہ کتاب جو طالبوں کی مطلوب اور سالکوں کی مرغوب ہے اور جس کا نام ”بستان العارفین“ ہے‘ بعض مواضع سے میں نے مطالعہ کی ، پس اس میں لوگوں کے کلام کو حرف بحرف محفوظ پایا، یہ معاون ہے قلوب کی عمارت اور اس کی صقالت کی اور معاون ہے آنکھوں کی روشنی اور فکر کی احیاء اور تدبیر کی اقامت کی، اور دلیل ہے عمدہ کام اور مکارم اخلاق پر بدون نقصان کے‘ انشاء اللہ تعالی۔ خداوند کریم مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے،

اس لئے کہ اس کے واصفین زیادہ ہیں، عارفین سے اور عارفین زیادہ ہیں عاملین سے۔
پس بیشک علم وہ ہے جو قلب میں ہے اور وہ علم، علم نہیں جو زبان سے پڑھا جائے۔
مؤلف کے لئے یہ علم مبارک ہے۔ اور ان کے خطایا سے برائت کا سبب بنے۔

''نعرۂ اسد اللہ الغالب'' پر حضرت کی تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی نوالہ والصلوۃ والسلام علی رسولہ وعلی آلہ وصحبہ واھلہ۔

امابعد! پس یہ رسالہ کتاب فیضِ انتساب ہے کہ اس کو اکثر جگہ سے میں نے پڑھ کے اور پڑھوا کے سنا ہے، الحمد للہ والمنۃ للہ کہ مطالعہ سے اس کے رہنمائی اور ہدایت کج روانِ بادیۂ غفلت و نادانی کو مفید اور کافی ہوگا۔ اور ایسا عمدہ رسالہ میں نے پایا کہ تعریف سے باہر ہے، کیونکہ سمجھنا مضامینِ مندرجہ عالیہ اس کا تیرگی باطنی و وساوس شیطانی کا معالج شافی و وافی۔ حق یہ ہے کہ آج تک کوئی کتاب نادر اور عمدہ اور حاوی اور جامع فن کلام ومناظرہ میں، اس شرح وبسط کے ساتھ زبان گجراتی میں، بدلائلِ معتمد و براہین مستند تصنیف ومروج نہیں ہوئی کہ جس کے مطالعہ سے مبتدی، کم علم بھی وجوہات باطلہ مختلفہ اہل تشیع کا عالم ہوکر بحثیں اس فن میں، عوام کو کیا رتبہ، بلکہ خواص شیعۂ ذی علم کو بھی تحریر وتقریر میں الزام دے کر لا جواب معقول کرسکیں۔

للہ در المؤلف کہ کس قدر تحقیق و تدقیق وتفتیش کتب متفرقہ اہل تشیع سے چن چن کر عبارات اور ان کے خرافات کو نقل فرما کر دریا کو گویا کوزہ میں بھر دیا ہے۔

تذییل:...... مخفی نہ رہے کہ مدار مخالفت کا درمیان شیعہ وسنی کے مسئلہ امامت ہے۔ اور یہ مسئلہ موقوف ہے پانچ اصلوں پر، ہر ایک ان میں سے غیر ثابت ہے از روئے ایسی دلیل

کے کہ قابل سماعت ہو۔

اصل اول:......خلیفہ بلافصل ہونا جناب امیر (حضرت علی رضی اللہ عنہ)۔

اصل دوم:......منحصر ہونا ائمۂ ہدی کا ایک عدد میں کہ نہ اس سے زیادہ ہوں نہ کم۔

اصل سوم:......طویل العمر و مختفی ہونا امام اخیر کا، یا رجعت بعد الموت علی اختلاف فرقھم فی ذلک۔

سو یہ تینوں اصلیں از روئے کتاب اللہ واخبار متواترہ کے کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتیں ﴿ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا﴾۔

اصل چہارم:......ارتداد وکفر وکتمان حق واظہار باطل واجتماع کرنا صحابہ کا امور شنیعہ پر، حالانکہ آیات بینات واضح الدلالت ناطق ہیں' ان کے حسن حال ومآل پر۔

اصل پنجم:......اعتقاد تقیہ ہے' حق میں ائمۂ ہدی کے، جو چیزیں واسطے شیعہ کے ظاہر کرتے تھے' ان کو اوروں سے چھپاتے تھے، حالانکہ وہ دوسرے بھی ان کے شاگرد وتلامذہ تھے۔ اور انہوں نے ان ہی سے علم وطریقہ حاصل کیا تھا، اور بے وجہ وباعث جھوٹ بولنا ائمۂ ہدی کو کیا ضرور تھا؟

سو ہر ایک بات ان پانچوں باتوں سے کہ نزدیک امامیہ کے حکم ارکانِ خمسہ اسلام رکھتے ہیں۔ مخالف بداہت عقل ودلالت نقل' کتاب وسنت مشہورہ نبوی ہیں، بلکہ منافی ومناقض جمیع شرائع سابقہ ولاحقہ، بہتان سے مخترع ومبتدع ہونا اس دین مستحدثہ کا اور ماخوذ نہ ہونا اس کا خاندان نبوت سے ظاہر وباہر ہے۔

چنانچہ اس لئے دلائل ان اصول پنجگانہ کے دو حال سے خالی نہیں، یا اخبار ہیں کہ مجاہل وضعفاء ومستورین سے مروی ہیں کہ اصلاً قرون سابقہ میں بین العلماء مذکور نہ تھے، اور

رجال ان اخبار کے کاتبۂ عندالامامیہ مجروح' مقدوح' و بے دیانتی ہیں، یا آیات قرآنی ہیں کہ تمسک ساتھ صریح ان آیات کے ہرگز مطلوب تک نہیں پہونچاتا، بلکہ باستعانت اسباب نزول و تخصیص وقائع کہ اکثر ان میں اخبار ضعیفہ' موضوعہ ومفتری ہیں، مع ذلک اصل مدعی پر منطبق نہیں ہوتی ،مگر بزعم مقدمات مخترعہ ممنوعہ، پس جو عاقل ادنی تأمل ان امور میں کرے گا اور حقیقت کار پر مطلع ہوگا اس پر حال اس مذہب نیرنگ کا مثل مہر نیمروز واضح ہو جاوے گا۔

اور نیز مخفی نہ رہے کہ جب ملت اسلام میں بمفاد قول مخبر صادق ﷺ:'' ستفرق امتی علی ثلث و سبعین فرقة ' کلهم فی النار الا واحد ''

(الحديث اخرجه احمد و الترمذی وابو داؤد والحاكم)

بہتر فرقۂ ضالہ زائغہ قرنا بعد قرن' جن کی تفصیل کتب عقائد کلامیہ میں مبسوط ہے' پیدا ہوئے تو اس وقت بحکم استثنائے مذکور اور مصداق:''هم الذين على ما انا عليه واصحابی' وفی رواية : '' الا وهی الجماعة '' گروہ اہل سنت ناجیہ ٹھہرا اور موسوم بجماعت ہوا، اور دین مرضئ حق نے ان کے طریقے میں انحصار پایا اور سارے فرقے اہل باطل و زیغ کہلائیں، وما ذا بعد الحق الا الضلال۔

چنانچہ عہد نبوی میں طبقۃً بعد طبقۃٍ جب کسی فرقۂ ضالہ نے سر اٹھایا اور زبان کھولی' اسی وقت فرقۂ ناجیہ نے جواب صواب ان کا برہان وبیان' وتیغ وسنان سے دیا، یہاں تک کہ اس زمانے میں ہمارے سورت کے بڑے ملا صاحب نے حد اعتدال سے خارج'' کلام مالا مرام'' لکھا' جس کے مطالعہ سے اہل اسلام حق کا دل چورا چورا ہوا، بنابریں اس کے سید علی اکبر نے بقلم ہدایت جواب دے کر ان کے حملۂ زائغہ کی چول ڈھیلی اور سست کردی، کسی

زمانہ میں ''تحفہ'' (''تحفہ اثنا عشریہ'' تصنیف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ) شاہ صاحب نے سرکوبی کرکے جواب دندہ شکن سے بیخ و بنیاد ان عقیدوں کی اکھیڑ دی تھی، تو اس زمانہ میں گجراتی زبان میں سید موصوف نے اپنی اس کتاب ''نعرۂ اسد اللہ الغالب'' میں باجوبۂ مسکتہ خبر لی ہے، جزاہ اللہ بالخیر۔

کتبہ عبد من عباد اللہ، خادم الطلباء القاضی رحمت اللہ
مہتمم مدرسہ اشرفیہ، راندیر

الكلام على وفات شيخه و مرشده

لقد صَبّتُ علينا الدهر — وفات الشيخ مرشدنا مُحباً
فكان جامعا گلزار شاهى — جزاه الله فى الفردوس قُربا
وصار وفاته فى شهر ذيقعدة — لتسع قد مضت رغبا و رهبا
ونادى هاتف تاريخ رحله — شهير قادر قد صار قطبا
۲۷ ھ ۱۳

حضرت کے چند فتاوے

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے چند فتاوی موصول ہوئے، ان کو نقل کرتا ہوں، اللہ کرے حضرت کے اور فتاوی بھی محفوظ ہوں اور کسی قدردان تک پہنچیں

(۱)......رویت ہلال کے سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے ایک طویل استفتاء علماء اور ارباب افتاء کی خدمت میں ارسال کیا تھا، بعد میں ان فتاوی کو حضرت مولانا ابراہیم صاحب راندیری نے ایک کتابی شکل میں بنام ''البيان الكافى فى حكم الخبر التلغرافى'' شائع کیا تھا، اس میں سے حضرت کا جواب یہاں نقل کرتا ہوں:

ٹیلغراف سے رویت ہلال کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

السوال

بسم الله الرحمن الرحيم

ماقولكم (متع الله المسلمين بعلومكم) فى اختلافٍ جرى بين علمائنا فى هلال رمضان والفطرحين غم ' انه اذا ورد فى بلدة تلغراف زائد على الخمسة الى العشرة من بلدة أو بلاد متباينة مختلفة المطالع ' ومتفقتها على رجل أو رجال ' مكتوب فيه رأينا أو رأى عندنا الهلال ' أو ذكر فيه كلمة على حسب اصطلاح وقع بين الطرفين بانه اذا ترى الهلال نذكر كلمة مثلا بغد اوليامن من التخليط والتغيير والاشتباه ' فمنهم من يقول بالتعويل على هذا الخبر مستدلا انه خبر مستفيض يعول عليه امرالهلال ، فقد ذكر فى الدر المختار : نعم لو استفاض الخبر فى البلدة لزمهم على الصحيح من مذهب ، وقال ابن عابدين فى حاشيته ناقلا عن شمس الائمة الحلوانى الصحيح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فيما بين اهل البلدة الاخرى يلزمهم حكم هذه البلدة على انه قد تعارف بين الناس التعويل عليه فى معاملاتهم حتى فى الموت والولادة وامثالهما من الامور المهمة ، وهذا يدل على انه يفيد غلبة الظن لاسيما اذا كان متعدد أو غلبة الظن موجبة للعمل۔

وخالفهم آخرون وقالوا : لا يعول على هذا الخبر مع تسليم استفاضته وشيوعه بوجوه ، اما :

اولا :...... فلانه يشترط فى الخبرالمستفيض الاسلام ، لان اهل الاصول عدوه فى الاخبار الآحاد ، والخبر الواحد لا يقبل الا بنقل عدل ، والعدل ماخوذ فى تعريفه الاسلام كما لا يخفى۔

قال ابن عابدین فی رد المحتار : وفی عدم اشتراط الاسلام نظر لانه لیس المراد هنا بالجمع العظیم ما یبلغ مبلغ التواتر الموجب للعلم القطعی ‘ حتی لا یشترط له ذلک ‘ بل ما یوجب غلبة الظن کما یأتی ، وعدم اشتراط الاسلام له لا بد له من نقل صریح ، انتهی۔

وخبر التلغراف انما یتلقاه من مخبره ‘ من هو قائم بدق السلک و نقره فیخبربه من کان فی الجانب الآخر بنقراته ، فیستنبط منها هذا الخبر ویکتبه ویؤدیه الی من ضرب له التلغراف ، وهولاء غالبهم من المخالفین لملة الاسلام۔

ثانیا:...... فلان الخبر المستفیض انما یکون حجة ‘ لکونه نقلا عن قضاء القاضی، وحکمه کما قال ابن عابدین فی حاشیته علی الدر : ان هذه الاستفاضة لیس فیها شهادة علی قضاء قاض ولا علی شهادة ‘ لکن لما کانت بمنزلة الخبر المتواتر ، وقد ثبت بها ان اهل تلک البلدة صاموا یوم کذا لزم العمل بها ، لان البلدة لا تخلو عن الحاکم شرعی عادة ، فلا بد من ان یکون صومهم مبنیا علی حکم حاکمهم الشرعی فکانت تلک الاستفاضة بمعنی نقل الحکم المذکور، انتهی۔

ولا یخفی علیکم ان هذه البلاد لیس فیها حاکم شرعی ولا قاضٍ ، فلا یکون الحکم المستفاد من التلغراف نقلا عن قضاء القاضی وحکمه ، بل انما هو حکایة عن الرؤیة والاعتماد علیها لا یجوز ، کما فی الدر : لا لو شهدوا برؤیة غیرهم لانه حکایة ، قال ابن عابدین : فانهم لم یشهدوا بالرؤیة ولا علی شهادة غیرهم وانما حکوا رؤیة غیرهم کذا فی فتح القدیر ، قلت : وکذا لو شهدوا برؤیة غیرهم وان القاضی تلک المصر امرالناس بصوم رمضان ‘ لانه حکایة لفعل القاضی ایضا و لیس بحجة بخلاف قضائه وقال فی ا لبحر : لو شهد جماعة ان اهل بلد کذا رأو هلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وهذا الیوم ثلا ثون بحسابهم ولم یرؤا هؤلاء

الهلال لا يباح فطر ولا تترک التراويح هذه الليلة ، لان هذه جماعة لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم۔

وثالثا:...... فقال ابن عابدين : فی حواشيه على البحر : اعلم ان المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت الى البلدة التی لم يثبت بها لا مجرد الاستفاضة ' انتهى۔

ولا اظنكم شاكين ان الخبر المستفيض الحاصل بالتلغراف لا يكون من الواردين من بلدة الثبوت بل من جهة الكتاب المكتوب على التلغراف المعهود بين اهله ، وقد ذكر الفقهاء ان كتاب الشهادة لا يعول عليه ما لم يكن له شاهدان عالمان بما فيه من الشهادة۔

فی الهداية : لا يقبل الكتاب الا بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين لان الكتاب يشبه الكتاب ' فلا يثبت الا بحجة تامة ، و هذا لانه ملزم ' فلا بد من الحجة۔

ورابعا:...... فلان العوام وان كانوا يثقون فی معاملاتهم بالتلغراف ' لكن الحكومة البرطانية مع مخالتفها للديانة الاسلامية لا تعتمد عليه فی امر الشهادة ، ولعل ذلک بسبب احتمال تطرق الخطاء اليه وعدم الانكشاف التام عن احوال الشهود به والتنقب عن كيفية شهادتهم۔

هذا اذا كان التلغراف زائد على الخمسة الى العشرة ، واما اذا كان واحدا فی هلال رمضان واثنين فی الفطر وقد غم الهلال ' فهل يكفی كفاية الواحد العدل فی رمضان الحرين العدلين فی الفطر ؟ وهل يقاس الكتاب المرسل بالواسطة على التلغراف فيما ذكر من الصور ؟ وهل ينزل امام المسجد أو غيره منزلة القاضی فی القضاء بثبوت الهلال خاصة بتراضی المسليمن فی بلاد لا يوجد فيها الحاكم الشرعی ولا القاضی ؟ فما كان الحق عندكم ؟ افيدوه بالتی تطمئن بها القلوب ' و

تثلج بها الصدور ، ليزول النزاع من البين ويتيسر العمل بالصحيح من القولين ، ولكم الحسنى وزيادة۔ كتبه : عبد الحئى ، خطيب جامع مسجد رنگون

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده ، والصلوة والسلام على من لا نبى بعده ، اللهم انى اسألک هدايةً للصواب وتحقيقاً فى الجواب،

اعلم رحمک الله ان ائمتنا الحنفية رحمهم الله صرحوا فى كتبهم مسائل الصيام ، وذكر شروطه بالكمال التمام ، مستدلين بالكتاب والسنة ، وبالادلة القياسية الحسنة ، وها انا انقل اليک ما اطلعت عليه فى كتب ساداتنا الحنفية ، مما يتعلق بهذه المسئلة ، وان كان ذلک فضولا منى ، وحملنى عليه الرغبة فى زوال الاشتباه ، فقد قال الله تعالى :﴿ يسئلونک عن الاهلة ﴾ نزلت فى معاذ بن جبل و ثعلبة بن غنم الانصارى رضى الله عنهما ، قالا : يا رسول الله ! ما بال الهلال يبدو رقيقا ، ثم يزيد حتى يمتلى نورا ، ثم يعود رقيقا كما بدأ ، ولا يكون على حاله ؟ فانزل الله تعالى : ﴿ يسئلونک عن الاهلة ﴾۔

وهى جمع هلال ، مثل رداء و اردية ، سمى هلالا ، لان الناس يرفعون اصواتهم بالذكر عند رؤيته ، من قولهم : استهل الصبى اذا صرح حين يتولد ، واهل القوم بالحج اذا رفعوا اصواتهم بالتلبية ﴿ قل هى مواقيت للناس والحج ﴾ جمع الميقات أى فعلنا ذلک ليعلم الناس اوقات الحج والعمرة والصوم والافطار وآجال الديون وعدة النساء وغيرها ، فلذلک خالف بينه و بين الشمس التى هى دائمة على حالة واحدة ، انتهى مافى معالم التنزيل۔

عن ابن عمر رضى الله عنه قال : ترائ الناس الهلال، فاخبرت رسول الله صلى

الله عليه وسلم انی رأيته ' فصام وامر الناس بصيامه۔

(رواه ابو داؤد والدار قطنی ، وقال : تفرد به مروان بن محمد عن ابن وهب ، وهو ثقة)

واخرجه ايضا الدارمی وابن حبان والحاكم وصححاه ' والبيهقی وصححه ابن حزم كلهم عن طريق ابی بكر بن نافع عن نافع عنه ، وعن عكرمة عن ابن عباس قال جاء اعرابی الی النبيصلی الله عليه وسلم فقال : انی رأيت الهلال يعنی رمضان ، فقال اتشهد ان لا اله الا الله ؟ قال : نعم ، قال : اتشهد ان محمدا رسول الله ؟ قال : نعم ، قال : يا بلال اذن فی الناس فليصوموا غد۔(رواه الخمسة الا احمد)

ورواه ابوداؤد ايضا من حديث حماد بن سلمة عن سماک عن عكرمة مرسلا بمعناه ، وقال : فامر بلالا فنادی فی الناس ان يقوموا وان يصوموا۔

واخرجه ايضا ابن حبان والدار قطنی والبيهقی والحاكم ، قال الترمذی : روی مرسلا ، وقال النسائی انه اولی بالصواب۔

وفی الباب عن ابن عباس وابن عمر ايضا عند الدار قطنی والطبرانی فی الاوسط من طريق طاؤس : قال : شهدت المدينة و بها ابن عمر وابن عبا س فجاء رجل الی واليها وشهد عنده علی رؤية هلال شهر رمضان ، فسأل ابن عمر وابن عباس عن شهادته ، فامراه ان يجيزه ، وقال : ان رسول الله صلی الله عليه وسلماجاز شهادة واحد علی رؤية هلال رمضان ، وكان لا يجيز شهادة الافطار الا بشهادة رجلين۔

قال العلامة الشوكانی : والحديثان المذكوران فی الباب يدلان علی انها تقبل شهادة الواحد فی دخول رمضان ' والی ذلک ذهب ابن المبارک واحمد ابن حنبل والشافعی فی احد قوليه۔

قال النووی : وهوالاصح ' وبه قال المؤيد بالله ' وحكی فی البحر عن الصادق وابی حنيفه واحد قولی المؤيد بالله ، انه يقبل الواحد فی الغيم لاحتمال خفاء

الهلال عن غيره لا الصحو ، فلا يقبل الا جماعة لبعد خفائه۔

واختلف ايضا فى شهادة خروج رمضان ، فحكى فى البحر عن العترة جميعا والفقهاء : انه لا يكفى الواحد فى هلال شوال۔

قال النووى فى شرح مسلم : لا تجوز شهادة عدل واحد على هلال شوال عند جميع العلماء۔

وعن ربعى بن حراش عن رجل من اصحاب النبيصلى الله عليه وسلم قال: اختلف الناس فى آخر يوم من رمضان فقدم اعرابيان فشهدا عند النبيصلى الله عليه وسلم بالله لاهلا الهلال امس عشية ، فامر رسول اللهصلى الله عليه وسلم الناس ان يفطروا۔(رواه احمد و ابو داؤد)

وزاد فى رواية : وان يغدوا الى مصلاهم ، سكت عنه ابو داؤد والمنذرى ، ورجاله رجال الصحيح ، وجهالة الصحابى غير قادحة۔

وعن عبيد الله ابى عمير بن انس بن مالك عن عمومة له : ان ركبا جاؤوأ الى النبيصلى الله عليه وسلم فشهدوا انهم رأو الهلال بالامس ، فامرهم ان يفطرواو اذا اصبحوا ان يغدوا الى مصلاهم۔

(اخرجه احمد وابو ادؤد والنسائى وابن ماجة وصححه ابن المنذر وابن السكن وابن حزم)

فهذه الاحاديث تدل على ثبوت الصوم والفطر من الشهود لا الغير من الخطوط ونحوها ، لان الخطوط فيها تزوير ' والخط يشبه الخط ، فينبغى ان لا يعتمد عليه فى الديانات والالزامات الا ان يقيد الخطوط بقيود كتابة القاضى الى القاضى، وشروطه على ما صرح فى الهداية وغيرها۔

وعن ابن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلمقال :" اذا رايتموه فصوموا ' واذا رايتموه فافطروا ، فان غم عليكم فاقدروا له "۔(اخرجاهما والنسائى وابن ماجة)

وفی لفظ : الشهر تسع و عشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه ، فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين "۔(رواه البخارى)

وفی لفظ انه ذكر : رمضان فضرب بيديه ، فقال الشهر هكذا وهكذا و عقد ابهاميه فى الثالثة ، صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته ، فان غم عليكم فاقدروا ثلا ثين۔ (رواه مسلم)

وفی رواية انه قال : انما الشهر تسع و عشرون ' فلا تصوموا حتى تروه ولا تفطروا حتى تروه ، فان غم عليكم فاقدروا له۔(رواه مسلم و احمد)

وزاد (احمد) قال نافع : وكان عبد الله اذا مضى من شعبان تسع و عشرون يوما يبعث من ينظر ' فان راى فذاک وان لم ير ولم يحل دون منظره سحاب ولا قتر اصبح مفطرا ' وان حال دون منظره سحاب أو قتر اصبح صائما۔

وعن ابى هريرة قال : قال : رسول الله صلى الله عليه وسلمصوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته ' فان غم عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلاثين ۔(رواه احمد والبخارى و مسلم)

وقال : فان غم عليكم فعدوا ثلاثين ، وفى لفظ : صوموا لرؤيته فان غم عليكم فعدوا ثلا ثين۔(رواه احمد)

وفى لفظ : اذا رأيتم الهلال فصوموا واذا رايتموه فافطروا ' فان غم عليكم فعدوا ثلاثين يوما۔(رواه احمد و مسلم وابن ماجة والنسائى)

وفى لفظ : صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته ' فان غم عليكم فعدوا ثلاثين ' ثم افطروا۔(رواه احمد والترمذى وصححه)

وفى رواية احمد والنسائى : فان شهد شاهدان مسلمان ، وفى رواية : فان لم نره و شهد شاهدا عدل ، الخ۔

قال العلامة الشوكانى : فيه دليل على انها لا تقبل شهادة الكافر فى الصيام

والافطار۔

فاقول : فكيف تقبل التلغراف فى الصيام والافطار مع انه من الكفار الفجار۔

وقد قال فى جامع الرموز : والى انه يشترط الاسلام والعقل والبلوغ۔

فمن هذه الاحاديث المنقولة والعباراة الفقهية الصريحة علم علما يقينا بانه يشترط فى الخبر المستفيض ' الاسلام لان اهل الاصول عدوه فى الاخبار والأحاد والخبر الواحد لا يقبل الا بنقل عدل ، والعدل ماخوذ فى تعريفه الاسلام ايضا۔

وانه لا يحصل العلم للمرسل اليه بان المرسل فى الواقع هو الذى اظهر اسمه فى الخبر أم غيره ، وانه ربما يقع الغلط فى الفهم من العامل المرسل ، و العامل المرسل لديه أو المرسل اليه نفسه بانه يفهم الانشاء خبرا لحذف اداة الانشاء أو بوجه آخر ، وبان المرسل اليه لايحصل له العلم بعدالة المرسل واسلامه وهما مشروط فى الاخبار والشهادة ، وبان المرسل ربما لا يذهب الى البوسطة بل يرسل مضمون الخبر مع خادمه الغير العدل۔

فهذه الوجوه وامثالها موجودة فى الخبر التلغرافى ، فلا يصح ان يحكم بقبول هذا الخبر مع وجود هذه الشبهة الشنيعة فيه۔

وقد قال فى الدر المختار : فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئک بطريق موجب ، انتهى۔

وتحته فى ردا لمحتار : هكذا يتحمل اثنان الشهادة او شهدا على حكم القاضى او يستفيض الخبر ، انتهى۔

وفى الشامى : قال الرحمتى : معنى الاستفاضة ان تاتى من تلک البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن رؤيته لا مجردالشيوع من غير علم بمن اشاعه ، انتهى۔

فبهذه العبارات صرح ان التلغراف واخباره ليس بطريق موجب ' و ليس فيه تحمل الشهادة ' ولا على حكم القاضى ، وليس بخبر مستفيض ' بل هو هباء منثور واهله قوم بور ' ولا يعبأ بهم ولا بقولهم ' لان الخبر التلغراف انما يتلقاه من مخبره من هو قائم بدق السلک ونقره فيخبر به من كان فى الجانب الآخر بنقراته۔

فيستنبط منها هذا الخبر ويكتبه ويؤديه الى من ضرب له التلغرف ، وهولاء غالبهم من المخالفين لملة الاسلام ، ولان الخبر المستفيض انما يكون حجة لكونه نقلا عن قضاء القاضى، وحكمه كما قال ابن عابدين فى حاشيته على الدر : ان هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ' ولا على شهادة ، لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر ، وقد ثبت بها ان اهل تلک البلدة صاموا يوم كذا ' لزم العمل بها ، لان البلدة لا تخلو من حاكم شرعى عادة و غالبة ، فلا بد ان يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعى ، فكانت تلک الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور ، ولا يخفى عليكم ان هذه البلاد ليس فيها حكم شرعى ولا قاض، فلا يكون الحكم المستفاد من التلغراف نقلا عن قضاء وحكمه ، بل انما هو حكاية عن الرؤية والاعتماد عليها لا يجوز۔

واما نزول امام الجامع او الخطيب مقام القاضى فى بلاد ليس فيها حاكم شرعى بتراضى المسلمين ، فامر ثابت حق۔

قال فى الدر المختار : لو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلين مع العلة للضرورة ، انتهى۔

وفى عمدة الرعاية : والعالم الثقة فى بلدة لا حاكم فيه قائم مقامه۔

وفى السراجية : رجل رأى هلال رمضان برستاق وليس هناک قاضٍ ولا والٍ' ولم يات المصر ليشهد ' فعليهم ان يصوموا بقول هذ الرجل ، ان كان ثقة ، انتهى۔

وقال فی رد المحتار نقلا عن التاتارخانية : واما بلاد عليهاولاة كفار ' فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ' ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ، فيجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما منهم ، انتهى۔

وفيه نقلا عن الفتح : واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو فى بعض بلاد المسلمين كقرطبة الآن ' يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا ' فيولى قاضيا ' ويكون هو الذى يقضى بينهم ، وكذا ينصبوا اماما يصلى بهم الجمعة۔

وفى الهندية : بلاد عليها ولاة كفار ' يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ' ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ، ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما ، كذا فى معراج الدراية۔

ومن البين ان المسلمين اذا ولو امرهم رجلا من المسلمين كان هذا موضعة محضة ' فان تولية الامارة الحقيقية مع وجود سلطان كافر متغلب ليست بممكنة ' ولما صحت تولية الامارة من المسلمين ' فاولى ان تصح عنهم تولية القضاء، ودلت عبارة التاتارخانية على الصحة هذا ، فمن افتى بخلاف ذلک فعليه بيان النص والا فقد اخطأ فى فتواه ، هذا ما ظهر لى فى هذه القضية ، والعلم امانة فى اعناق العلماء وليعرض ذلک على العلماء من اهل الهند وغيرهم ليميزوا الخطأ من الصواب، وفوق كل ذى علم عليم ، والله سبحانه وتعالى اعلم وعلمه اتم۔

كتبه : عبد من عباد الله ' خادم الطلبة : القاضى رحمت الله

هذا هو البيان الفيصل بين الفريقين ماقاله المجيب اللبيب فهو فيه

وصحيح عندى وحقيق بالا تباع كتبه العبد :

كتبه : نصر الله، مدرس مدرسه اشرفيه محمد اسماعيل عفى عنه

ترجمہ جواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ ، والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ ، اللھم انی اسالک ہدایۃً للصواب وتحقیقاً فی الجواب۔

جان لے خدا تجھ پر رحم کرے کہ ہمارے ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ نے اپنی کتابوں میں کتاب اللہ اور حدیث رسول اور قیاس شرعی سے نکال کر روزوں کے مسائل اور ان کے شرائط پورے پورے ذکر کر دیئے ہیں۔ میں سادات حنفیہ کی کتابوں میں سے جن امور پر مطلع ہوا ہوں، وہ اس مسئلہ کے متعلق تمہارے سامنے نقل کرتا ہوں، اگر چہ میرا یہ کام فضول ہے، لیکن زوال اشتباہ کی رغبت نے مجھے اس پر برانگیختہ کیا ہے۔

قال اللہ تعالی : ﴿ یسئلونک عن الاھلۃ﴾۔ یہ آیت حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم انصاری رضی اللہ عنہما کے بارے میں اتری ہے، ان دونوں نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ چاند باریک نکلتا ہے، پھر بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا گول نورانی ہو جاتا ہے، پھر گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ ابتدائی حالت کی طرح باریک ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا؟ تو اللہ تعالی نے یہ آیت اتاری کہ لوگ سوال کرتے ہیں آپ سے چاند کے متعلق۔

''اھلۃ'' ہلال کی جمع ہے، جیسے ''اردیۃ'' ''رداء'' کی جمع ہے۔ ہلال کا نام اس لئے ہلال رکھا گیا کہ لوگ چاند دیکھتے وقت ذکر کے ساتھ آواز بلند کرتے ہیں ۔ یہ عرب کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے کہ بچے کے پیدا ہونے کے وقت اس کے رونے کو ''استھل الصبی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جبکہ لوگ بلند آواز سے تلبیہ کہتے ہیں تو ''اھل القوم بالحج'' کہا

جاتا ہے۔

﴿ قل ھی مواقیت للناس ﴾۔ ''مواقیت'' میقات: کی جمع ہے، یعنی باری تعالی فرماتا ہے کہ: ہم نے چاند کو اس لئے بنایا کہ لوگ اپنے حج اور عمرہ وافطار کے وقت اور قرضوں کی مدت اور عورتوں کی عدت اس کے ذریعہ سے پہچانا کریں اور اسی لئے آفتاب سے جو ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے اس کی حالت جداگانہ کردی۔ (معالم التنزیل)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: فرمایا کہ: لوگ چاند دیکھنے لگے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا' تو آپ نے بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(اس حدیث کو ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے، اور دارقطنی نے کہا کہ: ابن وہب سے روایت کرنے میں مروان بن محمد متفرد ہے اور وہ ثقہ ہے۔ نیز دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان اور حاکم نے روایت کرکے تصحیح بھی کی ہے۔ اور بیہقی نے بھی روایت کیا اور ابن حزم نے اس کی تصحیح کی۔ ان سب نے اس طریقے سے روایت کیا کہ ''ابی بکر بن نافع عن نافع عنہ'')

اور عکرمہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور کہا کہ: میں نے چاند دیکھا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: تو خدا تعالی کے ایک ہونے کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ تعالی کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے (حضرت) بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ لوگوں کو پکارو کہ: کل روزہ رکھیں۔ (اس کو پانچوں نے سوائے احمد کے روایت کیا ہے)

اور ابوداؤد نے اس طرح روایت کیا کہ: ''حماد بن سلمہ عن سماک عن عکرمۃ''

مگر مرسل ہے اور پہلی روایت کے ہم معنی ہے۔ اور اس میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم فرمایا: اور انہوں نے لوگوں میں پکار دیا کہ تراویح پڑھیں اور روزہ رکھیں۔

(اس کو ابن حبان، دار قطنی بیہقی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ مرسل روایت کی گئی ہے اور نسائی نے کہا کہ: یہی اولی بالصواب ہے)

اور اس باب میں ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی دار قطنی اور طبرانی کے اوسط میں بواسطہ طاؤس رحمہ اللہ کے روایت ہے۔ طاؤس نے کہا کہ: میں مدینہ میں آیا تو وہاں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم تھے اور ایک شخص حاکم مدینہ کے پاس آیا اور رویت ہلال رمضان کی شہادت دی، حاکم مدینہ نے ابن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس کی شہادت کا شرعی حکم دریافت کیا، ان دونوں نے اس سے حکم کیا کہ: وہ شہادت قبول کرلے اور فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہلال رمضان میں ایک شخص کی شہادت قبول کی ہے اور فطر میں بغیر دو گواہوں کے شہادت قبول نہیں فرماتے تھے۔

علامہ شوکانی نے کہا کہ: اس باب کی دونوں حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کے داخل ہونے میں ایک شخص کی گواہی مقبول ہے۔ عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ اپنے ایک قول میں اسی کے قائل ہیں۔ نووی نے کہا کہ: امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول اصح ہے، اور اسی کے قائل ہیں موید باللہ۔ اور بحر میں امام صادق اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ اور موید باللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ابر میں ایک شخص کی گواہی مقبول ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ دیکھنے والے کے سوا، دوسروں سے بوجہ ابر کے چاند مخفی رہا ہو اور صاف مطلع میں بغیر ایک جماعت کے شہادت مقبول نہیں ہوگی۔

اور رمضان کے نکلنے یعنی ختم ہونے کی شہادت میں بھی اختلاف ہے، فقہاء سے نقل کیا گیا ہے کہ شوال میں ایک کی گواہی کافی نہیں۔ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ: تمام علماء کے نزدیک ایک شخص عادل کی گواہی ہلال شعبان کے لئے معتبر نہیں۔

اور ربعی بن حراش ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ رمضان کے اخیر دن میں لوگوں کا اختلاف ہوا، پس دو اعرابی آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے گواہی دی کہ: قسم خدا کی ہم نے کل شام کو چاند دیکھا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو روزہ توڑنے کا حکم دیدیا۔

(اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ابوداؤد نے ایک روایت میں اتنا زیادہ بیان کیا کہ عیدگاہ میں کل صبح جانے کا حکم بھی دیا۔ ابوداؤد اور منذری نے اس حدیث پر سکوت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں، اور صحابی کا نا معلوم ہونا قابل اعتراض نہیں)

اور عبداللہ بن عمر بن انس بن مالک رحمہم اللہ سے روایت ہے: وہ اپنے اعمام سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ سوار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گواہی دی کہ: ہم نے کل شام کو چاند دیکھا ہے، پس آپ ﷺ نے حکم کیا کہ: روزہ کھول ڈالیں اور کل صبح عیدگاہ میں جائیں۔

(اسے احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابن منذر، ابن السکن اور ابن حزم نے اس کی تصحیح کی ہے)

پس یہ حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صوم وافطار کا ثبوت گواہوں سے ہوتا ہے، نہ خطوط وغیرہ سے، کیونکہ خطوں میں جعلی ہونے کا احتمال ہوتا ہے، اس لئے کہ ایک خط دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے، پس لائق ہے کہ اس پر دیانات اور الزامات میں اعتماد نہ کیا

جائے، مگر ہاں جبکہ خط میں وہ قیود لگادی جاویں جو کتاب القاضی الی القاضی میں لگائی ہیں اور وہی شرطیں معتبر ہوں جیسے کہ ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ: جب چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند (شوال کا) دیکھو تو افطار کرو، اور اگر چاند کسی مشتبہ حالت میں ہوجائے تو اس کا اندازہ کرلو۔ (اس حدیث کو دونوں اور نسائی نے روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ: مہینہ (کبھی) انتیس کا بھی ہوتا ہے، پس روزہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھو، اور اگر وہ کسی مشتبہ حالت میں ہوجائے تو (شعبان کے دن) پورے تیس گن کر پورے کرلو۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں (کی دسوں انگلیوں) سے اشارہ کیا کہ اس طرح اور اس طرح اور تیسری بار انگوٹھا موڑلیا، چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور اگر چاند مشتبہ حالت میں ہوجائے تو تیس دن پورے کرلو۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے پس جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور افطار نہ کرو، اور اگر مشتبہ حالت میں ہو تو اندازہ پورا کرلو۔ (اسے مسلم نے اور احمد نے روایت کیا ہے)

اور احمد نے اتنا زیادہ کیا کہ نافع نے کہا کہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما شعبان کے انتیس دن پورے ہوجانے پر کسی شخص کو بھیجتے تھے کہ چاند جاکر دیکھے، پس اگر اس نے دیکھا تو ویسا کیا، اور نہ دیکھا اور مطلع بھی صاف تھا تو صبح کو بے روزہ اٹھتے اور مطلع صاف نہ ہوا تو صبح کو روزہ دار اٹھتے۔

اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور اگر وہ مشتبہ حالت میں ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔

(اس کو امام احمدؒ بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے)

اور مسلم نے کہا: اگر چاند مشتبہ ہو تو تیس دن پورے کرلو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور اگر مشتبہ حالت میں ہو تو تیس دن گن لو۔ (یہ احمد نے روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جب چاند دیکھو روزہ رکھو اور جب اسے دیکھو تو افطار کرو اور اگر مشتبہ حالت میں ہو جائے تو تیس دن گن لو۔

(اسے احمدؒ مسلمؒ ابن ماجہ اور نسائی نے روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور دیکھ کر افطار کرو، اور تمہارے اوپر مشتبہ ہو جائے تو تیس دن گن لو پھر افطار کرو۔

(اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے تصحیح کی ہے)

اور احمد اور نسائی کی روایت میں ہے: پس اگر گواہی دیں دو مسلمان گواہ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: اگر ہم چاند نہ دیکھیں اور دو عادل گواہ گواہی دیں الخ۔

علامہ شوکانی نے کہا کہ: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صوم وافطار میں کافر کی گواہی مقبول نہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ: پھر صوم وافطار میں تار کی خبر کیسے معتبر ہوسکتی ہے؟ کیونکہ وہ کفار وفجار کے ذریعہ سے آتی ہے۔

اور ''جامع الرموز'' میں کہا ہے کہ: اسلام اور بلوغ اور عقل شرط ہے۔

پس ان احادیث مرویہ اور عبارات فقہیہ صریحہ سے یقینی طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ خبر

مستفیض میں اسلام شرط ہے، کیونکہ اہل اصول نے اسے اخبار وآحاد میں شمار کیا ہے اور اخبار وآحاد بغیر اس کے عدل کہ منقول ہوں' مقبول نہیں۔ اور عدل کی تعریف میں اسلام ماخوذ ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ مرسل الیہ کو اس کا علم حاصل نہیں ہوتا کہ آیا بھیجنے والا وہی ہے جس کا نام ظاہر کیا گیا ہے یا اور کوئی۔ اور ایسا بسا اوقات تار دینے والے یا تار لینے والے حامل یا خود مکتوب الیہ سے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے کہ بوجہ حرف انشا محذوف ہونے کے' انشا کو خبر سمجھ جاتا ہے یا اور کسی طرح سے۔

اور یہ بھی کہ مرسل الیہ کو مرسل کی عدالت کا علم حاصل نہیں ہوتا، حالانکہ یہ اخبار اور شہادت دونوں میں شرط ہیں۔

اور یہ بھی کہ بھیجنے والا بسا اوقات خود ڈاک تک نہیں جاتا، بلکہ اپنے غیر عادل خادم کے ہاتھ مضمون خبر کا بھیج دیتا ہے۔ پس یہ وجوہ اور ان جیسی اور بھی وجوہ شبہ' تار خبر میں موجود ہیں، پس اس کے مقبول ہونے کا حکم کرنا باوجوہ ان شبہات کے موجود ہونے کے صحیح نہیں۔

درمختار میں کہا: ''پس اہل مشرق پر مغرب والوں کی رویت سے لازم ہو جائے گا جبکہ ان کے نزدیک ان کی رویت طریق موجب سے ثابت ہو جائے''۔

اور اس کے تحت میں ''ردالمحتار'' میں ہے: ''جیسے کہ دو شخص شہادت دیتے ہوئے آئیں یا حکم قاضی پر شہادت یا خبر مستفیض ہو جائے''۔

اور ''شامی'' میں ہے: ''رحمتی نے کہا کہ: استفاضہ کے معنی یہ ہیں کہ بلدۂ رویت سے متعدد جماعتیں آکر یہ خبر دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے' نہ صرف یہ بات کہ خبر شائع ہو جائے اور شائع کنندہ معلوم نہ ہو''۔

پس ان عبارتوں سے یہ بات کھل گئی کہ تار کی خبر طریق موجب میں داخل نہیں ہے اور نہ تو اس میں شہادت رؤیت ہے اور نہ شہادت حکم قاضی اور نہ خبر مستفیض ہے، بلکہ ہباء منثورا ہے اور تار والے تباہ شدہ لوگ ہیں، ان کا کچھ اعتبار نہیں، کیونکہ تار خبر مخبر سے وہ بابو بولتا ہے جو تار دینے کے لئے مقرر ہے اور پھر وہ تار کی کھٹ کھٹ سے دوسری جانب کے تار والے کو خبر دیتا ہے اور وہ اسی کھٹ کھٹ سے، یہ خبر مستنبط کرتا ہے، اور اسے لکھ کر اس شخص کے پاس بھیج دیتا ہے جس کے نام تار دیا گیا ہے۔ اور اکثر یہ لوگ غیر مسلم ہوتے ہیں۔

اور خبر مستفیض اس لئے حجت مانی گئی تھی کہ وہ قضاء قاضی کی نقل ہے جیسا کہ علامہ شامی نے ''درمختار'' کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: ''یہ استفاضہ نہ تو اس میں شہادت علی الشہادت ہے اور نہ قضاء قاضی کی شہادت ہے، لیکن چونکہ یہ بمنزلۂ خبر متواتر کے ہے اور اس سے ثابت ہوگیا کہ اس شہر کے لوگوں نے فلاں دن روزہ رکھا تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگیا، کیونکہ اکثری طور پر شہر حاکم شرعی سے خالی نہیں ہوتا، پس ضرور ہے کہ ان کا روزہ اپنے حاکم شرعی کے حکم سے ہوا ہوگا، تو یہ استفاضہ گویا اسی حکم حاکم کی نقل ہے''۔

اور یہ بات تم پر پوشیدہ نہیں کہ ان شہروں میں نہ شرعی حاکم ہے نہ قاضی ہے، پس تار خبر حاکم کے حکم میں یا قضاء قاضی کی نقل نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ محض حکایت رؤیت ہے اور اس پر بھروسہ کرنا جائز نہیں۔

لیکن امام یا خطیب جامع مسجد کا قاضی کے قائم مقام ہونا تو ان شہروں میں جہاں حاکم شرعی نہیں ہے، مسلمانوں کی رضامندی سے درست اور حق ہے۔

''درمختار'' میں ہے کہ: ''اگر مسلمان ایسے شہر میں ہوں کہ وہاں حاکم نہیں تو ایک ثقہ کے قول پر روزہ رکھیں اور دو عادل گواہوں کی گواہی پر افطار کریں، جب کہ مطلع صاف نہ ہو،

بوجہ ضرورت داعیہ کے۔

اور ''عمدۃ الرعایۃ'' میں ہے: ''عالم معتمد علیہ اس شہر میں جہاں حاکم نہیں' حاکم کے قائم مقام ہے''۔

اور ''سراجیہ'' میں ہے: ''ایک شخص نے شہر سے باہر رمضان کا چاند دیکھا اور وہاں کوئی قاضی یا والی نہیں اور وہ شہر میں نہیں آیا کہ گواہی دے تو وہاں کے لوگوں پر اس شخص کے کہنے سے روزہ رکھنا لازم ہے، بشرطیکہ یہ شخص ثقہ ہو۔

اور ''ردالمحتار'' میں ''تاتارخانیہ'' سے نقل کیا ہے کہ:

''جن شہروں پر کفار حاکم ہیں' ان میں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین کی نمازیں ادا کرنا جائز ہیں، اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی مقرر ہوسکتا ہے، پس مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر کوئی مسلمان والی بنالیں۔

اور ''ردالمحتار'' میں ''فتح القدیر'' سے نقل کیا ہے کہ: ''جبکہ سلطان اور وہ شخص جس کی طرف سے قاضی بنایا جاسکتا ہے نہ ہو جیسے مسلمانوں کے بعض شہروں میں آجکل ہورہا ہے مثل قرطبہ کے تو مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ متفق ہوکر کسی شخص کو والی بنالیں' پھر وہ قاضی بنادے اور وہ مسلمانوں کے فیصلے کرے اور ایسے ہی ایک امام مقرر کرلیں جو ان کو جمعہ کی نماز پڑھادے''۔

اور ''فتاوی ہندیہ'' یعنی ''عالمگیریہ'' میں ہے: ''جن شہروں میں کفار حاکم ہیں' مسلمانوں کو ان میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے، اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوجاتا ہے، اور ان پر ضروری ہے کہ مسلمان والی مقرر کرلیں، کذا فی معراج الدرایۃ''۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کسی کو والی بنائیں گے تو یہ محض ایک قرارداد ہوگی، کیونکہ

حقیقی والی بنانا کسی بادشاہ کافر کے متغلب ہوتے ہوئے ممکن نہیں ہے،اور جبکہ ایسی قرارداد والی کے متعلق صحیح ہے تو قاضی کے متعلق بدرجۂ اولی صحیح ہوگی۔

اور ’’تاتارخانیہ‘‘ کی عبارت صحت پر دلالت کرتی ہے، پس جس نے اس کے خلاف فتوی دیاہےاس پرنص کا بیان کرنالازم ہے ٗورنہ وہ اپنے فتوی میں خاطی ہے۔

یہ مضمون میری طبیعت میں اس مسئلہ کے متعلق آیاہےاورعلم ٗعلماء کی گردن پرامانت ہے ٗ اس کواہل ہندوغیرہ کےعلماءپرپیش کیاجائے تاکہ خطاوصواب میں فرق کردیں اور ہر ذی علم سےدوسراذی علم فائق ہے۔واللہ سبحانہ وتعالی اعلم وعلمہ اتم

کتبہ عبدمن عباداللہ خادم الطلبہ

قاضی رحمت اللہ

هذا هو البيان الفصيل بين الفريقين و صحيح عندی وحقيق بالاتباع

کتبہ: نصراللہ ٗمدرس دوم مدرسہ اشرفیہ ٗراندیر

ماقاله المجيب اللبيب فهو فيه مصيب

کتبہ العبد

محمداسماعیل عفی عنہ،خطیب جامع ،راندیر

متولی مسجد کے بارے میں

السوال

بسم الله الرحمن الرحيم

ما قولكم دام فضلكم ايها العلماء العظام والفقهاء الكرام ' زادكم الله تعالى شرفا و تعظيما ' لديه فى شأن المتولى ' بانه قبض غلة الاوقاف وفى دينه بها وتصرفها فى حوائجه وما تصرفها فى حوائج المستحقين ' وباع الاوقاف ورفعها بلا وجه شرعى وترك العمارة مع الحاجة اليها ، هل تثبت خيانة بذلك وتجب اخراجه ام لا ؟

۲:......ومسجد انهدم و خرب و بقيت ساحته وعرصته ' لا ترى فيها خشبا ولا حجرا ولا عمودا وغيرها من الاشياء المقوضة ، هل يجوز بيع اصل المسجد وساحته ام لا ؟

۳:......واذا انقبض المتولى على الاوقاف ، فقبضه عليها قبض المحافظة ام قبض المالكيه ؟ فاذا كان قبضه قبض المحافظة ، فبيعه ورهنه اياها بلا وجه شرعى جائز ام لا ؟ بينوا بيانا شافيا ، توجروا اجركم الله اجرا وافيا،

الجواب الوسيط بغير افراط وتفريط ، حامدا ومصليا ، اما بعد!

قال فى العقود الدرية فى تنقيح فتاوى الحامدية (المطبوعة بطبع مصر فى ص ۲۰۰) نعم تثبت خيانته بذلك و يجب اخراجه ، فقد صرح فى البحر امتناعه من التعمير خيانة ، وصرح فى البزازية : بان عزل القاضى للخائن واجب عليه،

وقال فى الخيرية (فى ص ۱۷۲) : وفى العقود الدرر (فى ص ۲۰۰) قال فى النهر: وينزع المتولى لو خائنا اى يجب على الحاكم نزعه اذا كان غير مامون على الوقف

وكذا لو كان عاجزا نظرا للوقف ، اه ، ومثله فى الدر المختار عن الفتح ،

وفى البزازية : فان كان فى نزعه مصلحة يجب عليه اخراجه دفعا للشرر عن الوقف.................. ....عن الاسعاف ان الولاية مقيد بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لانه يخل بالمقصود ، وكذا تولية العاجز لان المقصود لا يحصل به انتهى،

والجواب عن الثانى :...... بانه لا يجوز بيع اصل المسجد وساحته اى ارض كما ذكر فى الخيرية فى ص ۱۸۲ ، وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى : يبقى مسجدا ابدا الى قيام الساعة ' لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ولا نقل ماله الى مسجد آخر ' سواء كان يصلون فيه أو لا ، وعند محمد رحمه الله تعالى يعود الى صاحبه ان كان حيا والى ورثته ان كان ميتا ' وان كان لا يعرف بانيه أو عرف و مات ولا وارث له ' واجتمع اهل المحلة على بيعه والاستعانة بثمنه فى المسجد الآخر فلا بأس به ، وتصرف اوقافه اليه ، والفتوى على قول ابى يوسف رحمه الله تعالى كما فى الحاوى القدسى،

وفى المجتبى : اكثر المشايخ على قول ابى يوسف رحمه الله تعالى ، ورجحه فى الفتح القدير بانه الاوجه ،

وفى البحر الرائق فى ص ۱۷ : وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى : هو المسجد ابدا الى قيام الساعة ' لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله و نقل ماله الى المسجد الآخر ' سواء كانوا يصلون فيه أو لا ' وهوالفتوى ' كذا فى الحاوى القدسى ،

وفى المجتبى : واكثر المشايخ على قول ابى يوسف رحمه الله تعالى ، ورجح فى فتح القدير قول ابى يوسف رحمه الله تعالى ، بانه الاوجه ،

وقال صاحب البحر فی ص ۱۸ : وقال بعضهم لا يجوز بيع آلات المسجد الا باذن القاضی ' وهو الصحيح ' وبه علم ان الفتوی علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالی تابيد المسجد ، وعلی قول محمد رحمه الله تعالی فی آلات المسجد ،

وقال فی الدر المختار (المطبوعة للطبع بمبئی ص ۵۲۰) : فاذا تم ولزم (أی الوقف) لا يملك ولا يعار ولا يرهن ، اه ، وقال فيه : ولو خرب حوله واستغنی عنه يبقی مسجد عند الامام ، والثانی ابدا الی قيام الساعة ' وبه يفتی ،

وقال فی الهداية ص ۲۵۹ : قال واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه ،

وقال فی الفتاوی الهندية (مطبوعة فی دهلی فی ص ۱۳۷ فی الجلد الثانی) : وقيل هو المسجد ابدا وهو الاصح ' كذا فی خزانة المفتيين ،

وانا اقول فی التصفية بين هذه الاقوال ' كما هو فی الخيرية (فی ص ۱۷) : واما حكم المسجد بعد خرابه و تفرق المصلين عنه ' فقد اختلف الشيخان فيه ، فقال محمد رحمه الله تعالی : اذا خرب وليس له ما ....به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر أو الخراب القرية أو لم تخرب ، لكن خربت القرية نقل اهلها اوستغنوا عنه ' يعود الی ملك الواقف ان كان موجودا ' أو ملك ورثته ان لم يكن ، وقال ابو يوسف رحمه الله تعالی : هو المسجد ابدا الی قيام الساعة ' لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله و نقل ماله الی المسجد الآخر' سواء كانوا يصلون فيه أو لا ' والفتوی علی قول محمد رحمه الله تعالی فی آلات المسجد...... وعلی قول ابی يوسف رحمه الله تعالی فی ذات المسجد من حيثية التابيد ' اه،

وانما القاعدة الكلية فی بيع انقاض البيع مقيدة ...... لا مطلقا ' كما هومذكور

فی الخیریة : لایجوز بیع انقاض ..... من حجر أو طوب أو خشب الا فی ... عند تعذر عوده لمحله وعند خوف هلاکه ، صرح به فی البحر قوله ویصرف نقضه الی عمارته ' فراجعه ان شئت ' اه ،

والجواب عن السوال الثالث: ...... بان قبضته اولی قبضته المحافظه والعمارة فحسب کما ذکره صاحب الخیریة فی : ص ۱۳۷ ،

وفی القنیة : ضیعة موقوفة ....قبضة الحفظ و العمارة لاقبضة التملک والملک ' اه ، وهکذا موجود فی العقود الدریة فی تنقیح فتاوی الحامدیة وغیرها ، وحکم البیع ظاهر بعبارات السابقة ' لا طائل تحت اعادتها مرة بعد مرة : ۲ ا / هذا ما ظهر لی ، والله اعلم بالصواب وعنده علم الکتاب،

کتبه المفتقر الی رحمة الله المعین ' خادم العلماء العالمین

محی الدین' المعروف بقاضی رحمت الله عفی عنه

الامر المذکور فکما هو المسطور الجواب صحیح المجیب مصیب

کتبه : اضعف عباد الله الصمد حافظ محمد رقمه العبد الضعیف' عبد العزیزی عفی عنه

ذلک کذلک ' حرره العبد المفتقر الی رب الجلیل

خادم العلماء والطلباء ' محمد اسماعیل عفی عنه

ناشزہ عورت کا نفقہ

سوال: ...... جوعورت اپنے شوہر کی نافرمان ہواور ناشزہ ہو' یعنی اپنے شوہر کے مکان سے چلی گئی اور اپنے نفس پر شوہر کو قابو نہیں دیتی' تو وہ عورت ناشزہ مستحق نفقہ کی ہے یا نہیں؟

الجواب' وبہ نستعین: ......صورت مسئولہ میں معلوم ہو کہ جو عورت اپنے شوہر کی نافرمان ہواور

ناشزہ ہو، یعنی اپنے شوہر کے مکان سے چلی گئی اور اپنے نفس پر شوہر کو قابو نہیں دیتی تو وہ مستحق نفقہ کی نہیں ہے، چنانچہ کتب فقہ ''ہدایہ'' اور ''فتاوی عالمگیری'' وغیرہ کتب معتبرہ میں اس بات کی تصریح تام ہے کہ زوجہ کے واسطے شوہر پر نفقہ واجب ہے، جبکہ زوجہ نے اپنی ذات کو شوہر کے مکان میں سپرد کر دیا ہو تو اس کا نفقہ اور لباس اور سکونت شوہر پر واجب ہو جاوے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ناشزہ اور نافرمان کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے، اسی طرح ''شرح وقایہ'' میں ہے: ''لا للناشزة خرجت من بيته بغير حق'' اور اسی طرح شرح محمدیہ'' کے امیر علی ترجمہ کے ص: ۳۸ ر اور ص: ۳۹ ر جلد ثانی میں ہے اور اسی طرح ''شرح وقایہ'' میں دوسری جگہ تصریح ہے: '' حتى لو لم توطاء كان المانع من جهتها فلم يوجد تسليم البضع فلا تجب عليه النفقة'' اس سے بھی یہ ثابت ہے کہ جب ناشزہ ہو کر عورت چلی گئی تو تسلیم بضع کا نہیں ہوا، تو نفقہ بھی واجب نہیں ہوا۔ والله اعلم بالصواب وعنده علم الكتاب۔ کتبہ عبد من عباد اللہ، خادم الطلباء

القاضی رحمت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد کفایت اللہ غفرلہ	محی الدین	عبدالرحمٰن	عبداللہ عفی عنہ
مدرسہ امینیہ، دہلی	دارالعلوم، بلند شہر	گودھرا	مدرس اشرفیہ، راندیر

ذلک کذلک

محمد نورالحسن کان اللہ لہ

ناشزہ کسے کہتے ہیں اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے؟

سوال:......عورت ناشزہ کس کو کہتے ہیں؟ اور ناشزہ عورت کا نفقہ اور سکنی اس کے شوہر پر

واجب ہے شرعاً یا نہیں؟ اور اگر صورت مذکورہ میں نفقہ وغیرہ واجب نہیں ہے تو پھر کب واجب ہوگا؟

بہ نستعین، الجواب:.....صورت مسئولہ میں معلوم ہو کہ ناشزہ وہ عورت ہے کہ خاوند کے مکان سے بدون اجازت کے چلی جاوے، چنانچہ درمختار میں ہے: ''والخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود ''یعنی جو عورت نکل جاوے شوہر کے مکان سے ناحق' وہ ناشزہ ہے' یہاں تک کہ شوہر کے مکان پر آجاوے۔

اور''درمختار''و''ہدایہ''و''فتاوی عالمگیری''وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ عورت ناشزہ کا نفقہ یعنی خوراکی اور لباس اور سکونت کے واسطے مکان' ناشزہ کے واسطے اس کے شوہر پر واجب نہیں ہے۔اور وہ عبارت یہ ہے:

'' لا نفقة لاحدى عشرة : مرتدة و مقبلة ابنه و معتدة موت و منكوحة فاسدة وعدته واماة لم تبوء وصغيرة لم توطا والخارجة من بيته بغير حق وهي ناشزة حتى تعود ''۔

یعنی زوج پر نفقہ واجب نہیں گیارہ عورتوں کا: زوجہ مرتدہ کا اور اس عورت کا جس نے زوجہ کے ولد کا بوسہ لیا ہو اور منکوحہ بنکاح فاسد کا اور منکوحہ عدت فاسد کا اور اس لونڈی منکوحہ کا جس کے مولی نے اس کے واسطے علیحدہ مکان رہنے کو نہیں دیا اور زوجہ صغیرہ کا جو لائق وطی اور خدمت اور موانست کے نہیں، اور نفقہ واجب نہیں اس عورت کا جو نکل گئی زوج کے گھر سے ناحق بلا عذر شرعی اور ایسی عورت کو شرع میں ناشزہ کہتے ہیں' یہاں تک کہ شوہر کے گھر میں پھر آوے۔ کتبہ عبد من عباد اللہ' خادم الطلباء

القاضی رحمت اللہ

الجواب صحیح محمد کفایت اللہ	الجواب صحیح عبداللہ غفرلہ	الجواب صحیح محمد عبدالمنان	الجواب صحیح محمد فیض الرحمٰن	الجواب صحیح وحید حسین

لفظ ''اولاد'' میں نواسے شامل ہیں یا نہیں؟

سوال:......زید کے قبضہ اور تصرف میں املاک منقولہ اور غیر منقولہ موقوفہ ہیں اور اس کے دستاویز اور قبالہ میں صریح عبارت یہ ہے کہ:

''میری اولاد در اولاد فائدہ اس املاک سے حاصل کرے اور طریقہ ہمارے آباء و اجداد کا ہے کہ پیری، مریدی، بیعت کرنی وغیرہ، فقراء اور مریدین جو آویں ان کی خدمت و مدارات کرنی ہے''۔

خاص اپنی اولاد پر ہی مقید کر دیا ہے اور غیر اولاد سے نفی کی، تو صورت مسئولہ میں زید کی اولادِ بنات یعنی نواسے اور نواسیوں کو کچھ بھی حق ہے مثل اولاد زید کے یا نہیں؟

وبہ نستعین، الجواب:......صورت مسئولہ میں زید کی اولاد بنات یعنی نواسے اور نواسیوں کو اس جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں شرعاً بنا بر قول مفتیٰ بہ کے کچھ حق نہیں ہے، کیونکہ قبالۂ دستاویز میں تصریح کر دی گئی ہے کہ امر انتظام وقف ہماری اولاد ہی میں رہے، اس وجہ سے زید کے نواسوں کو کچھ نہ ملے گا، کیونکہ لفظ ''اولاد'' سے اولاد بنات بقول مفتیٰ بہ خارج ہیں۔ ''تنقیح حامدیہ'' کے صفحہ:۱۵۶/جلد اول (طبع مصر) میں مرقوم ہے:

'' قال الطرطوسی : ماحاصله ان فی دخول اولاد البنات فی لفظ الاولاد اختلاف الراوية ، ففی رواية الخصاف وهلال : يدخلون ، وفی ظاهر الرواية لا يدخلون وعليه الفتوی ، وذكر العلامة البيری : انه اختلف هل يدخل ولد البنت فی قوله : علی ولدی ولد ولدی ؟ قال فی المحيط : لايدخلون فی ظاهر الرواية وعليه

الفتوی ، لانھم ینسبون الی الاب دون الام ' واعتمدہ فی التجنیس و کذا اعتمدہ المتأخرون منھم الشیخ قاسم الحنفی ، وقال ھو الذی یفتی بہ " انتھی ، واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب۔

کتبہ عبد من عباد اللہ' خادم الطلباء

القاضی رحمت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
عبداللہ گودھروی	عبداللہ عفی عنہ	محمد نور الحسن کان اللہ لہ	محی الدین بلند شہری

قنوت نازلہ کے متعلق ایک اہم فتوی

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

()......جب ہمارے مسلمان بھائیوں پر کافر ظالم لوگ ستم ڈھا رہے ہوں، اس وقت ظالموں کے حملوں کو برباد کرنے' ان پر خدا کا غضب اور قہر اتارنے' ان کی طاقت کو برباد کرنے کے لئے جہری نمازوں کی آخری رکعت میں دعائے قنوت (قنوت نازلہ) پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

()......اگر پڑھی جائے تو امام اور مقتدی ہاتھ باندھ کر رکھیں یا کھلے چھوڑ دیں؟

()......امام دعائے قنوت کب تک پڑھے؟ ایک مہینہ تک یا مصائب کے اختتام تک؟

ان سوالات کے جوابات صحیح احادیث سے ثابت شدہ بیان کرو، اللہ پاک آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے، آمین۔

الجواب:......

(۱):...... یہ بات جان لینی چاہئے کہ سوال میں پوچھے گئے ظالموں' کافروں پر اللہ تعالی کا

غضب ہو، اور ان کی بربادی اور مسلمانوں کی مدد، فتح یابی کے لئے دعا کرنے کو دعائے قنوت کہتے ہیں۔

(۲)......جن نمازوں میں قرأت جہراً پڑھی جاتی ہے ایسی نمازوں کی اخیر رکعت میں رکوع سے کھڑا ہونے کے بعد (قومہ میں) حنفی مذہب کے بہ موجب ہاتھ باندھ کر زور سے دعائے قنوت پڑھے جیسا کہ علامہ مفتی مولوی کفایت اللہ صاحب اپنے رسالہ میں وضاحت کے ساتھ بیان فرما چکے ہیں۔

(۳)......دعائے قنوت پڑھنے کے لئے ایک مہینہ یا اس سے کم وبیش مدت کی کوئی تعیین نہیں ہے، بلکہ جب تک مسلمانوں پر آفات ومصائب کے بادل چھاتے رہیں تب تک پڑھا کریں، بند نہ کریں۔

''ابوداؤد شریف'' (۱/۲۰۵) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ: آپ ﷺ نے ایک مہینہ تک عشاء کی نماز میں قنوت پڑھی ہے۔ ایک مہینہ کے بعد جب آپ ﷺ نے دعائے قنوت پڑھنا بند کر دیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ نے دعائے قنوت پڑھنا کیوں بند کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ آ چکے ہیں، یعنی ولید سلمہ وغیرہ مکہ سے چھوٹ کر مدینہ آ گئے، اس لئے دعائے قنوت بند کر دی۔

اور اسی حدیث کے حاشیہ پر پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ: یہ دعا صحابہ کی رہائی کے لئے تھی، جب ان کو کفار سے رہائی مل گئی اور وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اب دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت باقی نہ رہی، کیونکہ وہ تو صرف ان کی رہائی کے لئے ہی پڑھی جا رہی تھی۔

اسی طرح ’بخاری شریف‘‘ کی شرح ’’شرح قسطلانی‘‘ (۵/۵۱) میں ہے کہ: ’’بخاری شریف‘‘ میں دعائے قنوت کا چالیس (۴۰) دن تک پڑھا جانا مذکور ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دعائے قنوت پڑھنے میں ایک مہینہ کی قید لگانا بالکل غلط بات ہے، لہذا جب تک مسلمان مصائب اور فتنوں میں پھنسے ہوئے ہوں تب تک ان کی مدد اور فتح یابی کی دعا ہمیشہ کرتے رہنا چاہئے۔ وہ دعاء قنوت یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِی فِیْمَنْ هَدَیْتَ، وَعَافِنِی فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِی فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لِیْ فِیْ مَا اَعْطَیْتَ، وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ، فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَایُقْضٰی عَلَیْکَ، وَاِنَّهُ لَایَذِلُّ مَن وَّالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ، نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ، وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِهِمْ، وَانْصُرْهُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّهِمْ، اَللّٰهُمَّ اَنْزِلِ الْکَفَرَةَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ، وَیُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ، وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَاءَکَ، اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِهِمْ، وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ، وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ۔

دعائے قنوت کا ترجمہ

اے اللہ! ہدایت کا جو راستہ ان کو ملا مجھے بھی عطا فرما، اور ان کے طفیل مجھے بھی سلامتی عنایت کر جن کو تو نے سلامتی دی، اور ان دوستوں کے اندر مجھے شامل فرما جنہیں تو نے دوست بنایا، اور جو چیزیں تو نے مجھے عطا کی ہے ان میں برکت نصیب فرما، مجھے اس برائی سے بچالے جس سے بچنے کا تو نے حکم کیا ہے، بے شک تو حکم فرماتا ہے اور آپ پر کوئی حکم کرنے والا نہیں، جسے تو دوست رکھے وہ ذلیل نہیں ہوسکتا، اور جسے تو دشمن رکھے اسے

عزت نہیں مل سکتی۔اے ہمارے رب! تو بابرکت ہے اور تیرا درجہ سب سے بلند و برتر ہے، ہم تجھ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع ہوتے ہیں، اللہ کی رحمت آپ ﷺ پر ہو۔اے اللہ! ہمیں، ایمان والے مردوں، ایمان والی عورتوں، اور تمام تابع دار مردوں اور عورتوں کو بخش دے، ان کے دلوں میں محبت قائم فرما، اور ان کو آپس میں صلح کرادے، اور ان کی تیرے اور ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرما۔اے اللہ! کافروں پر لعنت فرما جو تیرے راستہ سے روکتے ہیں، اور تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے ہیں، اور تیرے دوستوں سے جنگ کرتے ہیں۔اے اللہ! ان کی جماعت میں پھوٹ ڈال دے، ان کے قدم کو ڈگمگادے اور ان پر مصیبت نازل فرما جو گنہگار قوم سے الگ نہیں ہوتے۔

ائمۂ مساجد سے التماس

اہل ترک وگرگ کے درمیان جنگ جاری ہو چکی ہے، لہذا خدا کے لئے اور اہل اسلام کی فتح اور ترقی کے لئے مذکورہ بالا جواب میں تحریر کردہ قنوت نازلہ پڑھنا شروع کردینا چاہیئے، اور جب تک قتال جاری رہے مذکورہ دعا پڑھنا ترک نہ کرے۔خدا تعالی حضرات ائمہ کو قنوت نازلہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بقلم:

قاضی رحمت اللہ عفا عنہ

....

نوٹ:......مصنف رحمہ اللہ کی بعض تحریر پر دو تصدیقات ملی، وہ بھی درج ہیں:

تصدیقات

مصنف رسالہ ''النفائس المرغوبہ'' کا جواب نہایت صحیح ہے اور رائے نہایت قوی ہے اور اس کی مؤید ہے یہ حدیث، جس کو حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنے ''مصنف'' میں روایت کی ہے: عن الاسود العامری عن ابیه : قال : صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الفجر فلما سلم و رفع یدیه و دعا'' الحدیث۔

اسود عامری رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی تو جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔

اس حدیث سے نماز فجر کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہو گیا اور جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، ان میں بھی فرض نماز کے بعد متصل ہی دعا مانگنا افضل اور مستحب ہے، اگر فرض نماز کے بعد متصل دعا مانگ لی جائے تو سب لوگ شریک ہو جائیں، ورنہ جو لوگ اٹھ کر چلے جاتے ہیں وہ دعا سے محروم رہ جائیں گے، جیسا کہ رسالہ مذکور میں مفصل ثابت کیا گیا ہے۔

کتبہ عبد من عباد اللہ، خادم الطلباء

القاضی رحمت اللہ عفی عنہ

مہتمم مدرسہ اشرفیہ راندیر

الجواب صحیح والمجیب نجیح

(حافظ) محمد صالح، خطیب مسجد راندیر

اصاب من اجاب

اس فتوی کی عبارت من اولہ الی آخرہ میری نظر سے گذری۔ جناب مولوی سید مهدی حسن صاحب نے خوب عمدہ جواب دیتے ہوئے جہالت طرف ثانی کی بھی ظاہر کردی۔ ولایتی آدمی غریب کیا حدیث کو جانے اور کیا تطبیق کو جانے۔

باقی رہا یہ مضمون مولوی صاحب نے جانا کہ میں جہلاء میں بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور نزدیک و دور ہوں تو اہل علم کے نزدیک بھی عالموں کے زمرہ میں شمار کیا جاؤں، یہ سمجھ کر قدم فتوی نویسی میں بڑھایا، مگر اس سے مولوی صاحب نے اپنی جہالت اور ضلالت ظاہر کی۔ ''فافتو بغير علم فضلوا و اضلوا''

کتبہ عبد من عباد اللہ خادم الطلباء

القاضی رحمت اللہ عفی عنہ

حضرت شاہ سلیمان صوفی صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

ولادت:......غالبا ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۸۲۳ء۔

وفات:......۲۰/جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء، بروز چہار شنبہ۔

....

نوٹ: حضرت کے یہ حالات دارالعلوم دیوبند کے شمارہ نومبر ۱۹۷۹ء میں میرے والد ماجد مدظلہ نے ترتیب دے کر مولانا عبدالقدوس صاحب مدظلہ کے نام سے شائع فرمائے تھے۔

گجرات کے دو زریں عہد

سرزمین گجرات کے دو زریں عہد تو مشہور ہو چکے ہیں: ایک وہ دور جو شاہانِ احمد آباد و پٹن کا تھا، جس میں حکام کی علم دوستی اور علماء کی قدر دانی کی وجہ سے احمد آباد اور اس کے نواح علماء کا مرکز بن گئے تھے۔ دور دور سے علماء وصوفیاء کھینچ کھینچ کر چلے آئے تھے اور علم وعمل کے خوب خوب چرچے ہوئے۔ اس سے اگر چہ پورا گجرات متنفع ہوا، لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کا اصل مرکز شمالی گجرات ہی تھا اور وہی پورے طور پر مستفید ہوا۔

پھر گجرات کا دوسرا علمی دور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کی آمد سے شروع ہوا، جو کسی حکومت سے متعلق نہ تھا، بلکہ قوت لا یموت پر قناعت کے ساتھ خدمت علم وتبلیغ کے جذبۂ صادق پر مبنی تھا۔ اللہ تعالی نے اس میں بڑی برکت عطا فرمائی۔ دیکھتے دیکھتے یہ فیض پورے گجرات میں پھیل گیا اور ہر علاقہ میں اسلامی درسگاہیں سرگرم عمل نظر آنے لگیں۔

اس حقیقت کے ساتھ یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ فترت وقفہ کا درمیانی زمانہ علماء وصلحاء سے یکسر خالی نہ تھا۔ آج کی مجلس میں ایسی ہی ایک شخصیت کا تذکرہ مقصود ہے جس کے ذریعہ بہت سے گم کردۂ راہ کو سیدھا راستہ میسر ہوا، بدعت و جہالت کی اندھیریاں کافور ہوئیں اور ان کی جگہ علم اور سنت نے لی۔

قریۂ لاجپور ڈابھیل سے شمالی مغرب میں کوئی ۵رمیل کی مسافت پر ڈابھیل ہی جیسا ایک گاؤں ہے، جہاں کی کل آبادی اس وقت چار ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔ آج سے سو سال قبل یہاں ایک اسلامی مدرسہ بھی تھا، جس میں متوسطات تک کی تعلیم ہوتی تھی اس مدرسہ کی نشأۃ ثانیہ صاحب تذکرہ ہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

ولادت

صوفی صاحب رحمہ اللہ کی صحیح تاریخ ولادت تو معلوم نہیں، لیکن بعض تاریخی واقعات سے یہ متعین ہے کہ ۱۸۲۳ء سے قبل ولادت ہو چکی تھی اور سن مذکور میں آپ اتنے باشعور ہو چکے تھے کہ اس زمانہ کے بعض واقعات اخیر تک یاد تھے۔

آپ کے والد ماجد حافظ احمد صاحب رحمہ اللہ حافظ قرآن اور مجود تھے۔ بچوں کو حفظ و تجوید اور اردو زبان میں دین کی ابتدائی ضروری تعلیم دیتے تھے۔ اپنے فرزند کو بھی حافظ قرآن بنایا اور ضروریات دین سے روشناس کرایا۔ صوفی صاحب میں بچپن ہی سے یاد الٰہی کا شوق غالب تھا اور ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے، اس لئے اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔

تعلیم

حضرت فقیر اللہ صاحب قاضی ریاست سچین سے فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہوئی۔ ذکی الطبع اور فہیم ہونے کی وجہ سے قلیل عرصہ میں اکثر علوم فارسی اور عربی سے فراغت حاصل کر لی۔ اپنی خداداد صلاحیت اور تقوی اور طہارت کی وجہ سے استاذ کے چہیتے بن گئے اور والد صاحب نے بھی ستارۂ اقبال بلند دیکھ کر دنیاوی کاروبار اور مشاغل سے آپ کو علیحدہ رکھا۔ حضرت میر فقیر اللہ صاحب رحمہ اللہ کے یہاں وقت کے تمام ہی علماء وصلحاء کا ورود ہوتا رہتا تھا، اس لئے صوفی صاحب رحمہ اللہ بہت جلد عوام وخواص میں مشہور ہو گئے۔

اذکار و اشغال اور مجاہدہ و مراقبہ سے آپ کو حظِ وافر عطا ہوا تھا، لیکن کبھی دامنِ شریعت ہاتھ سے نہیں چھوٹا اور ہمیشہ متبع سنت رہے۔ آپ کے زمانہ میں صوفیاء کا ایک فرقہ ''بھگت'' نامی بہت مشہور تھا جو وحدۃ الوجود کا قائل تھا، لیکن جہالت کی وجہ سے نماز اور شریعت سے اپنے کو برتر تصور کرتا تھا۔ صوفی صاحب رحمہ اللہ کے ہاتھوں اس کو رحمت ایزدی شامل

ہوئی، تائب ہو کر صوم وصلوۃ کے پابند ہو گئے۔

بیعت

صوفی صاحب کو حضرت مولانا شاہ نظام الدین رحمہ اللہ سے خلافت حاصل تھی۔شاہ نظام الدین رحمہ اللہ حضرت مولانا غلام علی شاہ دہلوی رحمہ اللہ کے خلیفہ شیخ الحرم حضرت مولانا شیخ جان محمد صاحب کے خلیفہ تھے۔حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین صاحب کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت موسیٰ جی پیر ترکیسری بہت مشہور ہیں،ان کا تذکرہ مصنفہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی بنام ''کرامات موسویہ'' شائع ہو چکا ہے۔حضرت موسیٰ جی صوفی صاحب کے باوجود پیر بھائی ہونے کے بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور''جوگی بابا'' کے نام سے یاد کرتے تھے، کیونکہ صوفی صاحب ہمیشہ گیروا رنگ کا کپڑا پہنا کرتے تھے۔

صوفی صاحب رحمہ اللہ کو بزرگوں سے ملنے کا بہت شوق تھا،اس لئے تن تنہا دور دراز سفر کی زحمت بھی اٹھایا کرتے تھے۔حاجی وارث علی شاہ صاحب اور حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمہما اللہ سے ملاقات کے لئے اسفار کئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

اسارت

غدر ۵۷ء کا اثر گجرات پر تو نہیں ہوا،لیکن بعد میں ایک بزرگ حضرت مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادیؒ جو غدر میں شریک تھے اور وہاں سے روپوش ہو کر کسی طرح لاجپور پہنچ گئے۔ریاست سچین کے نواب عبدالکریم صاحب کی قدردانی سے لاجپور میں علماء وصلحاء کا اجتماع رہتا تھا۔حضرت مولانا لیاقت علی صاحب رحمہ اللہ بھی عالم وفاضل اور ولی کمال تھے، صوفی صاحب سے اچھے تعلقات ہو گئے۔اب تک کسی کو مولانا لیاقت علی صاحب رحمہ اللہ کا حال معلوم نہیں تھا۔ان دونوں بزرگوں کے مواعظ ونصائح سے عوام کی بہت اصلاح

ہوئی۔لوگ صوم وصلوۃ کے پابند ہوگئے،خصوصاً عورتوں میں ہندوانہ لباس رائج تھا اس کا خاتمہ ہوا اور کرتہ و پاجامہ کا رواج ہوا۔

۱۸۶۸ء میں جب نواب ابراہیم تخت نشین ہوئے تو اسلامی رنگ اور غالب آیا۔احکامِ شریعت کا نفاذ ہوا،شرعی قانون کے مطابق مذکورۃ الصدر دونوں بزرگوں کے ذریعہ مقدمات کا فیصلہ ہونے لگا،حدیں قائم ہوئیں۔نواب صاحب کے ہاں علمی مجالس قائم ہوئیں۔علمی مذاکرے ہوئے۔بدمعاشوں اور نشہ بازوں کے درے لگائے گئے،لیکن افسوس خلافت راشدہ کا یہ چھوٹا سا نمونہ زیادہ قائم رہ نہ سکا۔دشمنان اسلام کو مولانا لیاقت علی ؒ کا حال کسی طرح معلوم ہوگیا،انگریزوں کو اطلاع مل گئی،ان دونوں حضرات کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوگیا، یہ حضرات تو روپوش ہوگئے،لیکن متعلقین کی گرفتاری عمل میں آئی سال بھر کے بعد مولانا لیاقت علی صاحب ؒ مکہ معظّمہ کے ارادہ سے بمبئی پہنچے تو گرفتار ہوگئے اور کالا پانی بھیج دیئے گئے۔

صوفی صاحب کے تمام اہل خانہ گرفتار ہوگئے تھے،اس لئے آپ خود حاضر ہوگئے۔چھ ماہ سورت کے قلعہ میں قید رہے پھر رہا کردیئے گئے۔یہ خلوت معارف وحقائق میں مزید ترقی کا باعث بنی۔رہائی کے بعد مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور اس والہانہ انداز میں کہ حدود حرم میں داخل ہوتے ہی پاپیادہ ہوگئے۔بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی حواس باختہ ہوگئے اور تمام شب ایک ہی جگہ بیٹھے رہے۔رفقاء تلاش کرتے رہے صبح کو ملاقات ہوئی تو ان کی مدد سے طواف کیا۔

حرمین شریفین میں صوفیاء و بزرگوں سے نیاز حاصل کرتے رہے۔حضرت شیخ محمد معصوم مجددی،حضرت مولانا محمد عمر صاحب،حضرت مولانا شیخ محمد مظہر مجددی سے ملاقاتیں

رہیں۔شیخ محمد مظہر صاحب سے ایک مرتبہ آپ نے دریافت کیا کہ عجوہ کھجور جس کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے کونسی ہے؟ شیخ نے جواب دیا وہ تو اب تک ہم کو بھی نصیب نہیں ہوئی پھر اندر تشریف لے گئے اور بہت سی کھجوریں عنایت کیں اور فرمایا یہ برنی کھجور ہے اس کی بھی حدیث میں فضیلت آئی ہے۔مکہ معظّمہ میں خاص طور سے شیخ ابراہیم الرشید قدس سرہ سے بہت متأثر ہوئے۔بیعت کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔ایک مدت تک آپ کی خدمت میں رہے پھر خلافت واجازت سے نوازے گئے۔

غلام احمد قادیانی سے آپ کی ملاقات اور مناظرہ

آپ کی ملاقات مرزا غلام احمد قادیانی سے بھی ہوئی، کچھ سوالات وجوابات بھی ہوئے، جس کی مختصر داستان یہ ہے۔بارش کا زمانہ تھا قادیانی مکان کی تیسری منزل پر رہا کرتا تھا لوگ نماز کے لئے اوپر جایا کرتے تھے نماز کے بعد الہامات بیان ہوتے تھے۔ ایک روز تو صوفی صاحبؒ نے اس کی بکواس سنی پھر ضبط نہ ہوسکا، حواری خاص حکیم نور الدین سے کہا میں غلام احمد سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں، حکیم نے کہا نہیں مل سکتے۔کسی نماز کے بعد مجلس منعقد ہوئی وہاں کا معمول یہ تھا کہ مجلس ہوتی رہتی ایک شخص اٹھ کر کہتا ''مجلس برخاست'' بس مجلس ختم ہوجاتی، مرزا اندر حجرہ میں چلا جاتا اور لوگ نیچے آجاتے، آج بھی ایسا ہی ہوا سب لوگ نیچے چلے گئے مگر صوفی صاحب وہیں بیٹھے رہے لوگوں نے کہا اٹھو پھر بھی نہیں اٹھے تھوڑی دیر کے بعد مرزا متوجہ ہوا اور یہ سوالات وجوابات ہوئے:

صوفی صاحب:......میں لوگوں کو آپ کے متعلق کیا خبر دوں؟

مرزا:......عیسیٰ بیٹے مریم کے مر گئے۔

صوفی صاحب:......تو کیا آپ ان کے اوتار ہے؟ کیا تناسخ باطل نہیں ہے؟

مرزا:...... یہ مطلب نہیں ہے بلکہ خداتعالی ان کا کام میرے ہاتھ سے لیں گے۔

صوفی صاحب:......وہ تو دجال کوقتل کریں گے آپ نے کس دجال کوقتل کیا؟

مرزا:...... یہ نصاری جن کی ایک آنکھ حق کی پھوٹی ہوئی ہے یہ گویا دجال ہے ان کا رد کرنا گویا قتل کرنا ہے۔

صوفی صاحب:......آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے؟

مرزا:......قرآن مجید میں ہے ﴿ فلما توفیتنی ﴾۔

صوفی صاحب:...... ﴿ وما قتلوہ وما صلبوہ ﴾ کے کیا معنی ہیں؟ بس ساکت ہوگیا اور دیر تک مراقبہ کے بعد بولا!

مرزا:...... یا احمد انی مبشرک۔

صوفی صاحب:......وحی اور الہام میں کیا فرق ہے؟

مرزا:......کچھ فرق نہیں۔

صوفی صاحب:......میں نے سنا ہے کہ وحی میں فرشتہ روبرو ہوتا ہے اور الہام میں صرف پس پردہ آواز آتی ہے، اس لئے وحی میں خطا نہیں ہوسکتی اور الہام میں غلطی ہوسکتی ہے۔

مرزا:......سنی ہوئی بات کا کیا اعتبار۔

صوفی صاحب:......کیا الہام رحمانی اور شیطانی بھی ہوتا ہے؟

مرزا:......ہاں ہوتا ہے۔

صوفی صاحب:......پھر تو الہام میں غلطی بھی ہوسکتی ہے۔

مرزا:......مگر اہل اللہ کے پاس ایک مقیاس ہوتا ہے جس میں وہ خطا اور صواب کو پہچان لیتے ہیں۔

صوفی صاحب:......مقیاس کے کیا معنی ہے؟

مرزا:......ترازو اور کانٹا۔

صوفی صاحب:......ترازو اور کانٹا خراب ہو گیا تو پھر کیسے تمیز کر سکیں گے؟

مرزا:......کچھ دیر خاموش رہ کر بولا: اہل اللہ اسے پہنچان لیتے ہیں۔

صوفی صاحب:......شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا کشف کیسا ہے؟

مرزا:......صحیح ہے۔

صوفی صاحب: ...... وہ اپنے الہام میں فرماتے ہیں: حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔

مرزا: ......بہت دیر تک خاموش رہ کر بولا: قرآن کے سامنے سب کا الہام باطل ہے: ﴿ فلما توفیتنی ﴾۔

صوفی صاحب:......اس کے معنی موت کے کیسے ہوئے؟ جب کہ: ﴿ وما قتلوہ وما صلبوہ ﴾ موجود ہے؟

مرزا: ......''بخاری'' نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر نقل کی ہے: ای تمیتنی۔

صوفی صاحب: ......''بخاری'' نے تو حضرت عیسی علیہ السلام کے شام میں نازل ہونے کا باب باندھا ہے وہاں قادیان کا ذکر تو نہیں؟

بس چپ ہو گیا اور پسینہ پسینہ ہو گیا پھر غصہ میں بولا عیسی بیٹے مریم کے مر گئے۔صوفی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے بھی جوش آ گیا، میں نے کہا: یا تم مجھے حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس لے چلو یا میں تم کو ان کے پاس لے چلوں، انہیں سے پوچھ لیں گے کہ

آپ زندہ ہے یا وفات پا چکے ہیں؟ اب تو ٹھنڈا ہو گیا میں نے کہا خاتمہ کا ڈر ہے یا نہیں؟ اس نے کہا خاتمہ کا ڈر تو سب کو ہے، میں نے کہا دعا کرو خدا ہمارا تمہارا خاتمہ ایمان پر کرے۔

سفر رنگون

آپ نے رنگون کا سفر بھی کیا۔ گجرات کے بہت سے تجار وہاں مقیم تھے، حرص وطمع آپ کو تھا نہیں اس لئے رؤساء اور امراء کی بلاکسی رعایت کے اصلاح فرماتے۔ آپ کے نصائح سے بہت سے تجار نے سودی پیشہ ترک کیا اور بہت سے لوگ صوم وصلوۃ کے پابند ہو گئے۔ وہاں ایک مسجد ''سورتی جامع مسجد'' کے نام سے مشہور ہے آپ نے خواب میں دیکھا کہ اس پر ہاتھی پھر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: یہاں سے چلو کوئی آفت آنے والی ہے۔ عید الاضحیٰ قریب تھی عید ہی کے دن ایک بڑا فساد ہوا۔ وہاں سے آپ شہر مانڈلے آئے، ایک درویش تھے جو اپنے مریدوں کے ساتھ شرعی قیود سے آزاد ہو کر زندگی گذارتے تھے صوفی صاحبؒ کے سمجھانے سے راہ راست پر آ گئے۔

ایک مرزائی کو آپ کے ہاتھ پر توبہ کی توفیق ملی۔ کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں آپ کی ذات سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ آپ کی بہت سی کرامات بھی مشہور ہیں جن کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ آپ اسی طرح لوگوں کی اصلاح وتربیت فرماتے رہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا اس میں ہر ایک کے مرتبہ کی رعایت پوری پوری فرماتے کہ کسی کو سبکی وحقارت کا احساس نہ ہو۔ متعدد تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔

وفات

آخر وقت موعود آ گیا۔ مرض لاحق ہوا۔ ایک مرتبہ طبیعت زیادہ خراب ہوئی، زور سے ہاتھ زمین پر مار کر فرمایا: ابھی ٹھہر جا حاجیوں سے ملنا ہے، پھر طبیعت میں کچھ افاقہ ہوا، اس وقت آپ کے بعض اعزہ حج کو گئے ہوئے تھے۔ ضعف اگرچہ تھا لیکن نماز باجماعت مسجد میں تشریف لا کر ادا فرماتے جب بالکل معذور ہو گئے تو حجرہ کے اندر نماز پڑھنے لگے۔ ۱۹؍ جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ بروز سہ شنبہ ضعف بہت بڑھ گیا، لیکن حسب معمول فجر کے بعد مراقب رہے، اشراق پڑھی اس کے بعد متواتر نمازیں پڑھتے رہے۔ عشاء کے بعد اللہ اللہ کا ذکر زور زور سے شروع فرمایا، جب یٰسین پڑھی جانے لگی تو خاموش ہو گئے، ختم یٰسین پر خود دعا فرمائی آنحضرت ﷺ اور آل واصحاب وصلحاء اور تمام مؤمنین کو ایصال ثواب کیا، پھر اللہ اللہ کا ذکر شروع فرمایا۔ خود ہی آنکھیں بند کر لی آواز آہستہ اور پست ہوتی گئی یہاں تک کی روح جسم سے جدا ہو گئی اور کچھ پتہ بھی نہیں چلا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وصیت کے مطابق سورت اسٹیشن کے قریب صوفی باغ کی مسجد سے متصل ایک حجرہ میں دفن کئے گئے۔ بے شمار خلقت نے نماز جنازہ پڑھی۔ دور دور سے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے، اسٹیشن کا پورا میدان بھر گیا، بہت دور تک سڑکیں پر ہو گئی بڑی مشکل اور دقت سے بعد مغرب دفن کیا جا سکا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

تذکرہ عبد العلی

ولادت:......۱۲۷۰ھ۔

وفات:......۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ مطابق: ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۸ء۔

حضرت مولانا عبد العلی صاحب میرٹھی ثم دہلوی رحمہ اللہ، محدث مدرسہ عبد الرب وتلمیذ رشید حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفی ' وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی،

دارالعلوم دیوبند برصغیر کی وہ عظیم علمی درس گاہ ہے جس سے گذشتہ صدی میں علم وفضل کے ایسے آفتاب پیدا ہوئے جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا۔ یوں تو درسگاہیں دنیا میں بہت سی قائم ہوئیں' اور دینی درسگاہوں کا کسی دور میں فقدان نہیں رہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور امتیاز بخشا وہ بہت کم دوسرے دینی اداروں کے حصہ میں آیا۔

مولانا محمد یاسین صاحب رحمہ اللہ (م:۱۳۵۵ھ۔ والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ م:۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء) فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے جب اس کے چپراسی سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر شخص صاحب نسبت ولی کامل تھا، دن کے وقت یہاں علوم وفنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن سے گونجتا تھا''۔

چنانچہ اس دور میں جو شخصیتیں دارالعلوم سے تیار ہوئیں انہوں نے عبادات ومعاملات' اخلاق ومعاشرت' سیاست اور اجتماعی امور میں ایسے ایسے تابناک کردار پیش کئے ہیں کہ آج اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ان میں ہر شخص اسلام کی مجسم تبلیغ تھا' اور علم وعمل کا آفتاب ہونے کے باوجود عبدیت وتواضع کا پیکر تھا، ان کا پورا ماحول سادگی اور بے تکلفی کا تھا، انہیں کی شان میں کہا گیا ہے: ؎

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے

نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزا آئے
اور آئے اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

انہی بابرکت ہستیوں میں ایک مشہور و معروف ہستی ہے دارالعلوم دیوبند کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ (م ۱۲۹۷ھ) کے تلمیذ رشید، ہر علم وفن میں یکتائے روزگار، جلیل القدر محدث، مدرسہ عبدالرب دہلی کے صدر مدرس و شیخ الحدیث، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی ثم دہلوی نوراللہ مرقدہ کی، جنھوں نے سالہا سال تک دیوبند، سہارنپور، مرادآباد اور آخر میں دہلی کی مسند درس پر جلوہ افروز ہو کر دنیا میں علم و عرفان کے چشمے جاری کئے، اور ایسے تلامذہ تیار کئے جنہوں نے اپنی قوت علم سے تصنیف و تقریر و تبلیغ کے ذریعہ پورے عالم کو فیض پہنچایا۔

اس رسالہ میں مولانا کا بہت مختصر تذکرہ، جو مختلف کتابوں سے دست یاب ہوا، مرتب کیا گیا ہے، اگرچہ یہ اس قابل نہ تھا کہ اسے شائع کیا جائے، کیونکہ بہت سی چیزیں باوجود تلاش و جستجو کے نہ مل سکیں، مگر اس خیال سے کہ ”ما لا یدرک کلہ لایترک کلہ“ جتنا مل

سکا مرتب کر دیا۔

ان حالات کے تتبع کی وجہ یہ ہوئی کہ آج سے تقریباً دو سال پہلے راقم الحروف نے اپنے جد بزرگوار حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ کی سوانح مرتب کرنے کا ارادہ کیا' اور اس کے لئے مواد فراہم کرنا شروع کیا، جب مفتی صاحب موصوف کے اساتذہ پر نظر پڑی تو یہ جان کر کہ موصوف نے ''بخاری شریف'' حضرت مولانا عبد العلی صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی ہے' تو اساتذہ کے تذکرہ کے لئے موصوف کے مختصر حالات کا تتبع ضروری معلوم ہوا، اللہ تعالیٰ کی شان کہ تلاش و جستجو میں معتدبہ حالات جمع ہو گئے، اب خیال آیا کہ یہ مواد ضائع نہ ہو جائے' اس لئے اگر مختصر رسالہ کی شکل میں اسے مرتب کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ نزول رحمت خداوندی کا سبب ہو [۱] بلکہ ان حضرات کے طفیل حق تعالیٰ اس روسیاہ کو بھی بخشدے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

احب الصالحین ولست منهم

لعل الله یرزقنی صلاحا

شروع میں ارادہ تھا کہ حضرت مولانا عبد العلی صاحب رحمہ اللہ کے فوائد درس بھی اس رسالہ کے آخر میں تفصیل سے نظر ناظرین کروں گا، اس لئے کہ مولانا کی تقریر بخاری شریف آپ کے ایک لائق تلمیذ رشید مولانا محمد یوسف صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے قلم بند فرمائی تھی، مگر عین وقت پر مجھے باوجود کوشش کے وہ دستیاب نہ ہو سکی، کاش مجھے وہ تقریر مل

[۱]...... کیونکہ بقول بزرگوں کے: ''عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة'' صالحین کے ذکر خیر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا۔

جاتی تو مولانا کے کچھ قیمتی فوائد درس محفوظ ہو جاتے، مگر ؎

ما کل ما یتمنی المرء یدرکه تجری الریاح بما لا تشتهی السفن

درمیان تذکرہ مولانا کے اساتذہ وتلامذہ اور رفقائے درس میں سے کسی کا نام آ گیا تو حاشیہ میں ان کا مختصر تذکرہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

احسان فراموشی ہوگی اگر میں رفیق محترم مولانا عبدالحی سیدات صاحب لاجپوری کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے مشاغل رمضان کے باوجود نظر ثانی فرمائی اور جہاں کوئی بات قابل اصلاح سمجھی وہاں اصلاح فرمائی، اللہ تعالی ان کو اجر عظیم عطا فرمائے، آمین۔

آخر میں ناظرین سے درخواست ہے کہ میں نہ مصنف ہوں نہ مؤرخ، اس لئے ارباب نظر کسی جگہ کوئی غلطی محسوس فرمائے تو بجائے تنقید کے اصلاح فرمائے۔

حق تعالیٰ اس نا قابل ذکر خدمت کو جس کی مجھے توفیق ملی ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل اے میرے رب تیری مہربانی

شرف قبولیت عطا فرمائے اور میرے لئے ذریعہ نجات بنائے، آمین۔

نوٹ:...... طبع اول میں ایک غلطی کی وجہ سے ضمیمہ شائع کیا تھا، اب طبع ثانی میں اس غلطی کی اصلاح کر لی گئی، اس لئے ضمیمہ کی ضرورت نہیں رہی۔

مرغوب احمد لاجپوری

۲۸ / ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۴ / اکتوبر ۱۹۹۲ء

بروز شنبہ

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ

علماء دیوبند میں ایسے مشاہیر پیدا ہوئے جو اپنے وقت کے امام ملت، علم وعمل کا نمونہ اور خواص وعوام کی رشد وہدایت کا مرکز تھے، اور روایت حدیث، رنگ تفسیر، وفقہی مسائل میں راسخ تھے، حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ کی ذات بابرکت کا شمار بھی انہیں راسخین فی العلم میں ہوتا ہے' جو اپنے زمانہ میں عظیم محدث وسلف کی صحیح یادگار تھی۔

ولادت

مولانا کی ولادت تقریباً: ۱۲۷۰ھ میں ضلع میرٹھ کے قصبہ عبداللہ پور میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام نصیب علی تھا۔

تعلیم وتدریس

اندازہ یہی ہے کہ ابتدائی تعلیم اپنے وطن عبداللہ پور میں حاصل کی ہوگی۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد فقہ وتفسیر اور حدیث کی اعلیٰ کتابوں کی تکمیل کے لئے علوم اسلامیہ کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کا قصد فرمایا، جہاں کے اکابر اساتذہ کی شہرت عالم اسلامی کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے تھی۔

دیوبند کا یہ وہ دور تھا جس کی سیادت حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ فرما رہے تھے، جو اپنی جامعیت علوم ظاہرہ وباطنہ کے سبب شاہ عبدالعزیز ثانی تسلیم کئے جاتے تھے۔ اور دارالعلوم کا اہتمام دارالعلوم کے سب سے پہلے مہتمم حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ (م: ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء) سے متعلق تھا۔ ۱۲۹۴ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ آپ کے رفیق درس

ہیں۔ ۱؎

اساتذہ

مولانا کے اساتذہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، ۲؎ حضرت

۱؎.....مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ: حاجی امداداللہ صاحب کے خلیفہ' حضرت نانوتوی کے مخصوص شاگرد بلکہ آپ کے مثیل اور علوم قاسمیہ کے امین اور حضرت کے کمالات کا آئینہ تھے۔ خود استاذ نے ان الفاظ میں مدح فرمائی: ''ان کا ذہن چاندی اور میرا ذہن سونا ہے، اور مزاج کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے''۔ ۱۲۹۴ھ میں فراغت پائی۔ فراغت کے بعد خورجہ کے مدرسہ میں' پھر سنبھل اور دہلی و مرادآباد میں منصب صدارت پر فائز رہے۔ بعد میں امروہہ کی جامع مسجد میں ایک پرانے مدرسہ کو از سر نو نشأۃ ثانیہ بخشی۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ علم الادیان کے ساتھ علم الابدان کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ مشہور حکیم فرید عباسی آپ ہی کے تلامذہ میں سے تھے۔ پوری عمر درس وتدریس وعظ ونصیحت میں گذاری۔ تقریر نہایت جامع اور پرمغز ہوتی تھی۔ جو علوم درس نظامیہ کی نظام تعلیم میں شامل ہیں ان کی تعلیم دیتے، مگر زیادہ شغف حدیث وتفسیر اور فقہ کی تدریس سے تھا۔

بقول علامہ عثمانی کے: ''مولانا کی تقریر' تحریر' ذہانت' تبحر' اخلاق اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ ضرب المثل تھی''۔ جلیل القدر محدث تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہی، مولانا قاری ضیاء الدین الہ آبادی اور عالم بے مثل مولانا عبدالرحمٰن خاں خورجوی رحمہم اللہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

۲۸/۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کی درمیانی شب میں بمرض طاعون جب روح نے قفس عنصری سے پرواز کی تو یہ کلمات زبان پر جاری تھے: ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم''۔

۲؎.....مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری: حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے شاگرد رشید تھے۔ جلیل القدر محدث' بخاری شریف ودیگر کتب حدیث کے محشی اور مطبع احمدی کے مالک تھے۔ مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی آپ کے رفیق درس ہیں۔ ۱۲۹۱ھ میں سہارنپور میں نائب مہتمم کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ۹۴ھ میں عہدۂ صدارت کو زینت بخشی۔ کتب حدیث زیر درس رہتیں۔ تقویٰ وطہارت میں بے مثل تھے۔ صاحب اولاد اور بڑے متمول تھے۔ ان سب کمالات کے باوجود تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو ہیچ در ہیچ سمجھتے تھے۔ انہی صفات کی وجہ سے تمام اکابر کے قلوب آپ کی عظمت سے پر تھے۔ اور مواقع

مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ[۱] قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ[۲] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مخصوصہ میں آپ کو مقدم کھتے تھے۔ دار العلوم دیوبند کی سب سے پہلی عمارت جو ''نودرہ'' کے نام سے مشہور ہے' اس کا سنگ بنیاد آپ ہی نے رکھا۔ شاہ عبد الغنی صاحب سے خلافت ملی۔ حضرت نانوتوی، مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، مولانا احمد حسن صاحب نانوتوی، مولانا محمد علی مونگیری رحمہم اللہ جیسے اکابر آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ آخری عمر میں فالج کا حملہ ہوا۔ ۶ / جمادی الاول ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کی۔

[۱]......مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری: مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد ہیں۔ تحصیل حدیث کی غرض سے شیخ احمد سعید العمری کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ لاہور یونیورسٹی میں ایک عرصہ تک پروفیسر بھی رہے۔ ممتاز ادباء میں آپ کا شمار تھا۔ لاہور کے زمانۂ قیام میں ایک ماہنامہ رسالہ ''شفاء الصدور'' عربی میں جاری کیا۔ یہ ہندوستان میں عربی کا سب سے پہلا ماہنامہ تھا۔ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت اور ان کے فیض یافتہ تھے۔ مولانا کی تالیفات بہت اہم و مفید اور مواد کے اعتبار سے بڑی بیش قیمت ہیں۔ صاحب امداد المشتاق کے الفاظ مولانا کے بارے میں یہ ہیں: ''جناب' ادیب' اریب' فقیہ لبیب' محدث اجل' مفسر انجل' فاضل افضل' حضرت استاذی الحافظ مولانا فیض الحسن صاحب السہارنپوری۔ جمادی الاول: ۱۳۰۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

[۲]...... حجۃ الاسلام مولانا قاسم صاحب نانوتوی: دار العلوم دیوبند کے بانی (مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری مدظلہ کے الفاظ میں:) ''داعی الی اللہ' مبلغ اسلام' متکلم دین' حکیم الاسلام' محدث و مفسر' فقیہ و مناظر' عالم باعمل' درویش صفا کوش' فقیر خرقہ پوش''۔ آپ کے علوم کتابی نہیں، بلکہ کمالات وہبی ہیں۔ حضرت شاہ عبد الغنی سے علوم حدیث کی تکمیل کی اور حضرت حاجی صاحب سے علوم باطنی کی تکمیل کی۔ حاجی صاحب کی شہادت ملاحظہ ہو: ''مولانا قاسم صاحب کی نظیر اسلام کے شاندار ماضی ہی میں مل سکتی ہے''۔ ایک اور موقع پر آپ اور حضرت گنگوہی کے بارے میں فرمایا: ''انقلاب کا یہ رنگ بھی قابل دید ہے۔ ان دونوں صاحبوں نے مجھ سے بیعت کی، حالانکہ مجھے ان سے مرید ہونا چاہئے تھا''۔ آپ سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ بقول حضرت تھانوی کے: ''آپ کی شان عاشقانہ تھی''۔ حدود حرم میں ننگ پاؤں چلتے تھے۔ صاحب سوانح کے علاوہ حضرت شیخ الہند، مولانا صدیق احمد صاحب مراد آبادی، مولانا

زمانہ طالب کا ایک واقعہ

یہاں مجھے مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ کا ایک واقعہ زمانہ طالب علمی کا نقل کرنا ہے جن کا تعلق حضرت قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے درس سے ہے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی کیفیت درس بڑی عجیب تھی، تمام کتابیں نصاب مروجہ کی بے تکلف پڑھاتے تھے اور اس قسم کے مضامین بیان فرماتے کہ بڑے بڑے ذہین وذکی ششدر رہ جاتے، ہر فن کی عجیب وغریب تحقیقات بیان فرماتے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جو شخص طباع ہو اور پہلے سے اصل کتاب سمجھا ہوا ہو تب ہی حضرت کی بات سمجھ سکتا تھا۔

سوانح قاسمی (ص ۳۵۰ ج ۱) کے حاشیہ پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ (م: ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء) تحریر فرماتے ہیں کہ:

''میں نے اپنے متعدد بزرگوں سے سنا کہ منطق وفلسفہ وغیرہ کی بڑی بڑی کتب کی تدریس کے موقعہ پر جب طالب علم صفحہ ڈیڑھ صفحہ کی عبارت پڑھ لیتا تو حضرت کی عادت شریفہ تھی کہ اس سبھی عبارت کا مطلب چند لفظوں میں بیان کر کے فرماتے کہ بس ان کا مطلب یہ ہے، اب تم قاسم کی سنو! اور پھر اس علم وفن سے متعلق مکنون علوم وفنون کا دریا بہہ پڑتا۔ ایک موقعہ پر مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ- جو بعد میں مدرسہ عبدالرب دہلی کے محدث ہوئے- نے عرض کیا کہ: ''نہیں ہم قاسم کی نہیں سنتے ہمیں تو کتاب کا مطلب اس کی عبارت سے سمجھا دیا جائے''۔ اس کے بعد سے حضرت والا ان کی بہت رعایت فرمانے لگے اور وہ کتاب کا مطلب اور عبارت کتاب سے پوری طرح سمجھ جاتے تب اپنے علوم کی

فیض الحسن صاحب گنگوہی، مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحہم اللہ آپ کے تلامذہ میں ہیں۔ علم وعمل کا یہ آفتاب: ۴ر جمادی الاول ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء بروز پنجشنبہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

تقریر شروع فرماتے۔(ماخوذ از: آپ بیتی نمبر:۶ ص۱۹)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے محبت

یہ قصہ طالب علمی کا ہے اس کے بعد تو مولانا حضرت قاسم العلوم کے عاشق زار بن کر رہ گئے۔حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ ہی نے لکھا ہے کہ:

(مولانا عبدالعلی صاحب)''اپنے استاد میں فنائیت کا درجہ رکھتے تھے،اور ہر وارد وصادر سے فرماتے تھے کہ: قاسمی بن جاؤ محروم نہیں رہوگے''۔(تاریخ دارالعلوم،ص ۵۷)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ(م:۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء) آپ کا یہ مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ:

''قاسمی ہو جاؤ! بھوکے ننگے نہ رہوگے،مجھ اپاہج کو دیکھو نہ اٹھ سکتا ہوں نہ بیٹھ سکتا ہوں' مگر رزق کی یہ بہتات ہے کہ میرا حجرہ ہمہ قسم نعمتوں سے ہمہ وقت بھرپور رہتا ہے''۔

(تاریخ دارالعلوم جلد ص ۴۳ ج ۲)

حتی کہ اپنے استاد سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا ذکر فرماتے اشکبار ہو جایا کرتے' اور زار و قطار رونے لگتے۔

مولانا ابوالحسن زید دہلوی رحمہ اللہ اپنی تالیف ''مقامات خیر'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آپ (مولانا عبدالعلی صاحب) نے جس وقت حضرت سیدی الوالد کا اسم گرامی لیا' زار و قطار رونے لگے۔اس عاجز نے آپ کی یہ کیفیت دو حضرات کے ساتھ ہمیشہ دیکھی ایک سیدی الوالد اور دوسرے مولانا نانوتوی قدس اللہ اسرارہم''۔(ص ۴۶۲)

''آپ کو اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت سیدی الوالد قدس اللہ اسرارہما سے بھی کامل قلبی تعلق تھا،جب بھی ان دو حضرات کا ذکر فرماتے تھے

آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے''۔(۱۴۱/۷)

زمانۂ تدریس

دار العلوم سے فراغت کے بعد ۱۲۹۴ھ میں دیوبند میں مدرس عربی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔ اسی سال حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کی معیت میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے، تو حضرت شیخ الہند کی واپسی تک مسند صدارت تقریباً چھ ماہ تک مولانا عبد العلی صاحب کے ذمہ رہی۔ حضرت اس زمانے میں ''مشکوۃ'' و''ہدایہ'' کے علاوہ صحاح ستہ کی نہایت مشکل اور اہم کتاب ''ترمذی شریف'' کا درس دیا کرتے تھے۔

مولانا عبد العلی صاحب دار العلوم دیوبند میں: ۱۲۹۷ھ تک بحسن وخوبی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد: ۱۲۹۸ھ میں مظاہر علوم تشریف لے گئے۔ [۱]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی (م: ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء) تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یکم رجب سن رواں (۱۲۹۸) سے مولانا عبد العلی صاحب میرٹھی جو مدرسہ دیوبند میں مدرس تھے، بمشاہرہ: ۲۰ / بجائے مدرس دوم کے تشریف لائے''۔(تاریخ مظاہر ص ۴۴)

مظاہر میں مولانا مدرس دوم کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے تھے، اور مدرس اول حضرت مولانا مظہر صاحب تھے، مگر مولانا موصوف کے وصال کے بعد مولانا عبد العلی صاحب مدرس اول بنائے گئے اور: ۱۳۰۶ھ تک منصب صدارت پر فائز رہے۔ بعد ازاں

---

[۱]...... ''تاریخ دار العلوم دیوبند'' میں ہے کہ: مولانا عبد العلی صاحب دیوبند کے بعد مراد آباد تشریف لے گئے۔(ص ۴۲ ج ۲) اس میں تسامح معلوم ہوتا ہے۔

ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ میں مدرسہ سے رخصت لے کرمرادآباد تشریف لے گئے اور کچھ حالات ومشکلات کی وجہ سے مدرسہ میں استعفاء بھیج دیا۔

۱۳۰۶ھ میں مولانا نے مظاہر میں درج ذیل کتب کا درس دیا۔

بخاری شریف، ہدایہ آخرین، مختصرالمعانی، مقامات حریری، رشیدیہ، حماسہ، قطبی، شرح اسباب، دیوان متنبّی۔

مدرسہ مظاہرعلوم سے مستعفی ہوکرآپ ہندوستان کی ایک اور بڑی دینی درس گاہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ میں تشریف لائے، اورحضرت مولانا عبدالحق پور قاضوی رحمہ اللہ (م۱۳۴۲ھ) تلمیذ حضرت نانوتوی کے ریاست رتلام منتقل ہوجانے کے بعد بزم آرائے صدارت تدریس ہوئے، اورشعبان: ۱۳۱۱ھ تا ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ کے علاوہ اواخر شعبان ۱۳۱۴ھ تک مسند صدارت تدریس پرجلوہ افروز رہ کر تشنگان علوم نبوت کو سیراب کیا۔

آپ کے علم وتقوی اورفضل وکمال سے ارباب شاہی واہالیان مرادآباد اس قدر متأثر تھے کہ اپنے سے جدا کرنا گوارہ نہ ہوا، اورجب آپ کسی ناگوارسبب سے شعبان: ۱۳۱۱ھ میں مستعفی ہوکر چلے گئے تو ارباب مدرسہ باصرار دوبارہ واپس لائے، اورآپ دوبارہ: ۱۲/ ذی قعدہ: ۱۳۱۲ھ کومنصب صدارت پرجلوہ افروز ہوئے اورشعبان ۱۳۱۴ھ تک قیام فرمایا۔

اس ایک سالہ مدت علیحدگی میں مدرسہ حسین بخش دہلی کی صدارت تدریس کورونق بخشی۔صاحب نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ لکھنوی لکھتے ہیں:

”تصدر للتدريس فى مدرسة المرحوم حسين بخش بدهلى فى سنة اثنى عشر و ثلاث مائة و الف و لقيت ببلدة دهلى“۔(نزہۃ الخواطر:ص۲۶۷ج۸)

دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ شعبان: ۱۳۱۴ھ کی آخری تاریخ کو ارباب مدرسہ شاہی کو قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے تعمیل ارشاد میں آپ کی جدائی اختیار کرنی پڑی اور آپ یکم رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ میں مدرس دوم ہوکر دوبارہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔ روئیداد مدرسہ ۱۳۱۴ھ میں مذکور ہے:

''سرپرست مدرسہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے مولوی خلیل احمد صاحب کی تبدیلی ۸؍جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ سے سہارنپور میں فرمائی اور اس مدرسہ کے منتظمان کے تردد اور تشویش کا یہ عمدہ تدارک کیا ہے کہ جناب مولوی عبدالعلی صاحب مدرس مدرسہ مرادآباد کو یہاں بلالیا، ہرچند مدرسہ مرادآباد کے منتظم کسی طرح مولوی صاحب کے دینے پر راضی نہ تھے، لیکن مولانا صاحب سرپرست کے امتثال حکم میں سب کو مجبوری ہوئی اور بالآخر مولوی عبدالعلی صاحب کو لکھا۔ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ سے یہاں تشریف لانا ہوا، اور منتظمان مدرسہ ہذا کو اس سخت تشویش سے رہائی ہوئی، والحمد للہ علی ذلک۔

آں چناں غم کہ داشت خاطر ما — ایں چنیں غم گساری بایست [1]

اس دوسری مرتبہ کی دارالعلوم میں آمد کس اہتمام اور طلب سے ہوئی، اس کی کچھ تفصیل مدرسہ شاہی مرادآباد کے رجسٹر کاروائی شوری سے ملاحظہ فرمائیں:

''شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند (متوفی ۱۳۳۹ھ) اور مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب (متوفی ۱۳۴۷ھ) حضرت گنگوہی کا مکتوب گرامی لے کر ۲۸؍رجب ۱۳۱۴ھ کو مرادآباد تشریف لائے، جس میں حضرت گنگوہی نے مہتمم مدرسہ شاہی نواب مولانا محی الدین خاں مرادآبادی (متوفی ۱۳۴۷ھ) کو لکھا تھا

---

[1] ......

کہ مدرسہ سہارنپور میں چونکہ ایک قابل شخص کی ضرورت تھی، مولوی خلیل احمد صاحب کو سہارنپور مامور کردیا گیا' مدرسہ دیوبند میں مدرس دوم خالی ہے' اس کے واسطے ایک اعلیٰ لائق کی حاجت ہے، میری رائے میں عبدالعلی صاحب اس منصب کے واسطے نہایت موزوں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ بطیّب خاطران کو دیوبند کے لئے اجازت دیدیں''۔

حضرت گنگوہی کا یہ مکتوب آپ کے کمال صلاحیت اوراعلیٰ علمی لیاقت پرشاہد عدل ہے۔

نواب مولانا محی الدین خاں صاحب مرادآبادی نے ارباب مشورہ سے رائے طلب کر کے جواب لکھا کہ: بندہ کوتعمیل ارشاد عالی میں کچھ توقف نہیں بسروچشم، اور یہاں کے اکثر ارباب مشورہ کی بھی رائے یہی ہے کہ تعمیل ارشاد کی جاوے ہرچندکہ بظاہر ترددات ہیں۔

دارالعلوم میں آپ کا دوسرا تدریسی دور: ۱۳۱۴ھ سے ۱۳۱۷ھ تک رہا، دارالعلوم کے بعد آپ دوبارہ صدرمدرس ہوکر مدرسہ حسین بخش دہلی رونق افروز ہوئے، دارالعلوم کی روئیداد: ۱۳۱۷ھ: ص:۲/ پر مرقوم ہے کہ:

''بصدافسوس ظاہر کیا جاتا ہے کہ مولوی عبدالعلی صاحب مدرس دوم مدرسہ یہاں سے یکایک ترک تعلق کر کے مدرسہ حسین بخش دہلی تشریف لے گئے، مولوی صاحب موصوف حسب معمول تعطیل رمضان شریف میں مکان کوتشریف لے گئے تھے، اور ہم کو ظاہراً کوئی وجہ اس گمان کی نہ تھی کہ تشریف نہ لاویں گے' مگر بعد ختم تعطیل مولوی صاحب نے ایسے قطعی طور پرلکھا کہ میں نہ آؤں گا کہ ہم کو ہرگز موقع عرض کرنے کا نہ رہا، اور تعجب وحسرت کے ساتھ ساکت ہونا پڑا۔ خیر! اللہ تعالیٰ ہرجگہ مولوی صاحب کوخوش رکھے، اور اس مدرسہ کے واسطے کوئی عمدہ صورت پیدا کردیوے''۔

مدرسہ حسین بخش کے بعد غالباً:۱۳۲۱ھ میں آپ دہلی کی مشہور درس گاہ مدرسہ عبد الرب میں تشریف لائے اور یہیں تادم زیست علم حدیث کی شمع کو روشن رکھا۔

الغرض:۱۳۲۱ھ میں دہلی تشریف لائے ،اور مدرسہ مولوی عبد الرب کے منصب صدارت کو زینت بخشی ،اور بقیہ زندگی اسی مدرسہ میں درس حدیث میں مشغول رہے، اور تشنگان علوم کو فیض پہنچاتے رہے۔

آپ کے دور میں مدرسہ عبد الرب بہت مشہور ہوا، مولانا کو اس سے اس قدر والہانہ شغف تھا کہ جب بڑھاپے میں کمزوریوں اور بیماریوں کی وجہ سے تعلیمی خدمات سے سبکدوش ہوگئے تھے تو اس حالت میں بھی آپ نے یہیں قیام فرمایا' اور لب سڑک مدرسہ کے ایک حجرہ میں محو استراحت رہتے تھے۔

مولانا سید فخر الحسن صاحب رحمہ اللہ اپنے والد مولانا سید فیض الحسن صاحب رحمہ اللہ کی زبانی بیان فرماتے ہیں کہ:

''مراد آباد میں مدرسہ شاہی کے مدرس اول حضرت مولانا عبد العلی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تھے' جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، آپ بعد میں دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث ہوگئے تھے، اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے دیوبند میں بھی ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کی ہے۔

حضرت مولانا عبد العلی صاحب رحمہ اللہ دیوبند کے بعد دہلی کے مشہور مدرسہ عبد الرب میں صدر مدرس تھے' اور ان کے دور میں یہ مدرسہ بہت مشہور ہوا' آپ کو اس مدرسہ سے اس قدر والہانہ شغف تھا کہ جب بڑھاپے کی کمزوریوں اور بیماریوں کی وجہ سے تعلیمی خدمات سے سبکدوش ہوگئے تھے تو اس حالت میں آپ نے یہاں قیام رکھا اور لب سڑک مدرسہ

کے ایک چھوٹے سے حجرہ میں محو استراحت رہتے تھے۔ راقم الحروف اپنے دور طالب علمی میں جب اپنے گھر سے مدرسہ امینیہ جاتا تھا تو آتے جاتے اس فرشتہ صورت بزرگ کی زیارت کرتا تھا''۔ (بیس بڑے مسلمان: ص ۴۱۸)

تلامذہ

اس طویل مدت تدریس (تقریباً پچاس سال) میں آپ کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے، جن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، [۱] مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، [۲] خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب

۱..... حکیم الامت حضرت تھانوی: آپ چودھویں صدی کے مجدد' رومیٔ عصر' رازیٔ وقت' بے مثال مفسر' بے بدل عالم' عارف باللہ تھے۔ ذکاوت و ذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ چار سال تک دار العلوم دیوبند میں رہ کر: ۱۲۹۹ھ میں فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد اولا مدرسہ ''فیض عام'' میں عام فیض پہنچایا، پھر مدرسہ ''جامع العلوم'' کانپور میں کامل العلوم نے مسند صدارت کو زینت بخشی۔

۱۴/سال کے بعد تھانہ بھون میں مقیم ہوکر: ۴۷/سال تک تبلیغ دین' تزکیۂ نفس اور تصنیف و تالیف کی ایسی گراں قدر خدمات انجام دیں' جس کی مثال اس دور کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی۔ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ کی عظیم خدمات تقریری و تصنیفی صورت میں نمایاں نہ ہو۔ مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، اور شیخ الہند رحمہما اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ و مجاز تھے۔ شیخ کو آپ پر مکمل اعتماد تھا' فرماتے تھے: ''میاں اشرف علی بس پورے پورے میرے طریق پر ہیں''۔ زندگی بڑی منظّم تھی، ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ ۱۲۹/خلفاء چھوڑے۔ ۸۳/سال کی عمر میں ۱۶/رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء کی شب میں اس جہان فانی کو خیر باد کہا۔ تھانہ بھون میں مدفون ہیں۔

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور مے خانہ

۲..... مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب: آپ جمعیۃ العلماء ہند کے سب سے پہلے صدر تھے۔ مفتی اعظم ہند اور اپنے زمانہ کے مشہور و مسلم مفتی و فقیہ تھے۔ کانگریس کی تحریکوں میں قائدانہ حصہ لیا۔ حضرت

کشمیری ۱؎ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ، ۲؎ عارف باللہ حضرت مولانا

شیخ الہند کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔۱۳۱۳ھ میں دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔فراغت کے بعد مدرسہ ''عین العلم'' شاہجہانپور میں مدرس مقرر ہوئے ،اسی زمانہ میں فتوی نویسی کا آغاز کیا۔قادیانیت کی تردید میں ماہنامہ ''البرہان'' جاری کیا۔۱۳۲۱ھ میں مدرسہ امینیہ کی مسند صدارت پر متمکن ہوئے۔ محدث' مفسر' مجاہد اور نکتہ سنج علماء میں سے تھے۔دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے ایک فہیم اور مدبر رکن تسلیم کئے جاتے تھے۔مولانا اعزاز علی صاحب' مفتی مہدی حسن صاحب' مولانا احمد سعید صاحب' مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب' جیسے ممتاز علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔آپ کے فتاوی مختصر ہونے کے باوجود بہت جامع ہوتے تھے۔آپ کے مفید فتاوی ''کفایت المفتی '' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کی مشہور تصنیف ''تعلیم الاسلام'' ہے۔مدرسہ امینیہ دہلی کی ترقی آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔۱۳/ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ کو شب میں عازم ملک بقا ہو گئے۔

۱؎......علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری: حقانیت اسلام کی دلیل' عدیم النظیر محدث' فقیہ اعظم' شیخ الہند کے خاص شاگرد' علم کا چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کر کے حضرت گنگوہی سے فیوض باطنی میں مستفیض ہوئے۔فراغت کے بعد کچھ دنوں مدرسہ امینیہ میں رہ کر کشمیر تشریف لے گئے اور ایک مدرسہ ''فیض عام'' قائم کیا۔حضرت شیخ الہند نے جب سفر حجاز کا قصد فرمایا تو جانشینی کا فخر شاہ صاحب کو بخشا۔۱۲/سال مسند صدارت پر جلوہ افروز رہے۔ ۸۰۹ طلبہ آپ سے مستفیض ہوئے۔تمام علوم منقولات ومعقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔وسعت نظر' قوت حافظہ' سرعت مطالعہ میں عہد میں بے مثال تھے۔علمی ذوق غالب تھا۔ردقادیانیت کا خاص اہتمام تھا اور اس فتنہ کو ''اعظم الفتن'' شمار فرماتے تھے۔ملکی سیاست میں حضرت شیخ الہند کے ہم مسلک تھے۔دیوبند کے بعد ڈابھیل کے مدرسہ ''تعلیم الدین'' کو جامعہ اسلامیہ بنا دیا۔۵/سال تک وہاں درس حدیث کا مشغلہ رہا۔۳/صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء کو ۶۰/سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

۲؎......شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی: دارالعلوم دیوبند کے پانچویں صدر المدرسین' حضرت شیخ الہند کے مخصوص تلامذہ میں شمار تھا۔حضرت گنگوہی کے خلیفۂ اجل۔دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔فراغت کے بعد مدینۃ الرسول ﷺ کا قصد فرمایا اور وہاں ۱۸/سال تک درس

عبدالقادر [۱] صاحب رائے پوری، یادگارہ شاہ ابوالخیر مجددی حضرت مولانا ابوالحسن زید دہلوی، [۲] مولانا فیض الحسن پورقاضوی، مولانا رحیم بخش سہارنپوری، مولانا جان محمد پنجابیؒ

حدیث میں مشغول رہے۔ حضرۃ الاستاذ کی معیت میں ۳ر سال سے زائد اسیر مالٹا رہے۔ رہائی کے بعد ''جامعہ اسلامیہ'' امروہہ' پھر ''مدرسہ عالیہ کلکتہ'' پھر ''جامعہ اسلامیہ سلہٹ'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ حضرت کشمیری کی علیحدگی کے بعد دارالعلوم میں صدر مدرس اور ناظم تعلیمات رہے۔ اس دوران: ۴۴۸۳ر طلبہ آپ سے مستفیض ہوئے۔ مہمان نوازی میں اسوۂ ابراہیمی کا نمونہ تھے۔ بے مثل پیکر شجاعت' جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے۔ جنگ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ کمالات باطنی کا ایسا اخفاء کیا کہ عمر بھر ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے پہچانے گئے آزاد ہندوستان میں کچھ کھلے تو پچاس ہزار انسانوں نے دست حق پرست پر بیعت کی۔ ایک جماعت کو مجاز خلافت کیا۔ چوراسی سال کی عمر میں گوناگوں امراض میں مبتلا ہو کر: ۱۲ر جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں جان' جانِ آفریں کے سپرد کی۔

[۱]......عارف باللہ مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری: آپ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (م ۱۳۳۷ھ) کے جانشین اور گلشن رحیمی کے حقیقی باغبان تھے۔ تحصیل علم کے لئے رام پور' پانی پت' سہارنپور' اور دہلی وغیرہ کا سفر کیا اور بڑے مجاہدات سے طالب علمی کا زمانہ گذارا۔ حضرت شاہ صاحب سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔ فراغت کے بعد طب یونانی کی باقاعدہ تحصیل کی اور مطب بھی کیا۔ کچھ عرصہ بریلی اور دوسرے مقامات میں درس قرآن وحدیث کا شغل بھی رہا۔ علوم ظاہری کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور مرشد حق کی تلاش میں ایک عرصہ تک سرگرداں رہے۔ کچھ وقت مولوی احمد رضا خان بریلوی کے یہاں بھی گذارا' پھر ایک عجیب واقعہ پر علیحدگی اختیار فرمالی۔ مقدر غلام احمد قادیانی کے یہاں لے آیا، اس نے ''یاھادی'' کا وظیفہ بتایا، بالآخر ہادیٔ حق نے بڑے حضرت رائے پوری کی خدمت میں پہنچادیا، ۱۵ر سال خدمت عالی میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کیں۔ حضرت کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور: ۴۵ر سال تک تلقین وارشاد کا باعث بنے رہے۔ آخر یہ آفتاب ہدایت: ۱۴ر ربیع الاول ۱۳۸۲ھ میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

[۲]......مولانا ابوالحسن زید صاحب دہلوی: آپ مدرسہ عبدالرب کے فاضل ''مقامات خیر'' کے مصنف اور دہلی کے شاہی عیدگاہ کے امام تھے۔ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی رحمہ اللہ (م: ۱۲۴۱ھ، ہندوستان کے نامور مشائخ میں سے تھے، اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے شاگرد تھے) کے صاحبزادے ہیں۔

سابق قاضی ریاست ٹونک، مولانا فخرالدین صاحب گنگوہی، مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی، مفتی اعظم برما مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری، مولانا محمد یوسف صاحب لاجپوری، مولانا عبدالمجید شاہجہانپوری، مولانا امین الدین بانی مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا سید احمد فیض آبادی بانی مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ، مولانا ضیاء الحق دیوبندی صدر مدرس امینیہ دہلی، مولانا احمد حسن بھام سملکی، بانی مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مولانا محمد نذیر پالنپوری رحمہم اللہ[۱] جیسے اکابر شامل ہیں۔

---

[۱]......حضرت مولانا حکیم محمد نذیر صاحب پالنپوری: عارف کامل، داعی الی اللہ، اہل گجرات (اور خاصۃ علاقۂ پالنپور) کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھے۔ یکم رمضان ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں بروز شنبہ پالنپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی کی تعلیم اپنے والد محترم مولانا عبدالقادر صاحب سے حاصل کی، اس کے بعد دہلی کے مدرسہ حسین بخش میں داخلہ لیا، پھر مدرسہ عبدالرب سے تکمیل کی۔ مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی و مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی (داماد شیخ الہند) سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ فراغت کے بعد دیگر فنون کی تکمیل کے لئے ٹونک تشریف لے گئے، وہاں دو سال قیام فرما کر مولانا حکیم برکات احمد صاحب سے منطق و فلسفہ اور طب کی تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ کی ذمہ داریاں اور مصروفیتیں گونا گوں تھیں۔ مدرسہ کی نظامت، اس سلسلہ کی خط و کتابت، جلسہ و اجتماع میں شرکت، مطب کی مصروفیت، تبلیغ و دعوت اور سب سے اہم درس و تدریس میں مشغولیت، جس کے لئے کوئی وقت متعین نہیں تھا۔ ہدایہ، مشکوۃ، اور صحاح ستہ اکثر زیر درس رہتیں۔ تمام علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل تھی، خصوصا دو حدیثوں کے درمیان تطبیق دینے میں ملکۂ راسخہ رکھتے تھے۔ مولانا مفتی اکبر میاں صاحب، مولانا غلام نبی صاحب جیسے تلامذہ چھوڑے۔ ۲۰ رمضان ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں بروز پنجشنبہ اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ نماز جنازہ آپ کے چھوٹے بھائی مولانا مفتی اکبر میاں صاحب نے پڑھائی، تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے! ''سوانح نذیری''۔

طلبہ پر شفقت

اخلاص فی العلم کا ایک بڑا تقاضہ اپنے تلامذہ کے ساتھ لطف وعنایت اور شفقت ورحمت کا معاملہ کرنا بھی ہے۔

شاگرد کے ساتھ محبت کے دو عجیب واقعے

تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ نعمان بن ثابت الکوفی الشہیر بابی حنیفہ رحمہ اللہ کے عالی قدر استاد سے انہیں کے صاحبزادے نے طویل جدائی پر یہ سوال کیا تھا کہ: سفر میں آپ کو سب سے زیادہ کون یاد آیا؟

فرزند کے لئے اپنے اس سوال کا متوقع جواب یہی تھا کہ جواب میں باپ کی زبان پر میرا ہی نام آئے گا، لیکن توقع کے خلاف باپ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنے فخر روزگار شاگرد ''ابوحنیفہ'' کا نام لیا۔

اور تاریخ ہی نے یہ سنایا ہے کہ مشہور کتاب ''شمس بازغہ'' کے مصنف جب جواں مرگ ہوئے تو اس جانکاہ صدمہ کی تاب نہ لاتے ہوئے ان کا شفیق استاد غالباً چالیس ہی دن کے الٹ پھیر میں اپنے شاگرد کے ساتھ جاملا۔ (نقش دوام: ص۱۱۰)

حضرت مولانا عبد العلی صاحب بھی طلبہ وتلامذہ کے ساتھ بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے‘ اس کا نتیجہ تھا کہ طلبہ آپ سے متأثر ہو کر مدرسہ عبد الرب میں قیام فرماتے۔

راقم الحروف کے جد بزرگوار حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے آپ کی شفقت ومحبت ہی سے متأثر ہو کر دہلی میں قیام کرنا پسند فرمایا۔ مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ:

''بوجہ خرابی صحت فقیر بہت عرصہ تک دار العلوم دیوبند میں قیام نہ کرسکا اور حضرت

مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ کی خدمت میں جانے کے لئے دیو بند سے دہلی آیا اور بعض سورتی احباب کے پاس مدرسہ مولوی عبد الرب میں کچھ روز قیام کرنے سے دہلی کی علمی فضا زیادہ پسند آئی' اور حضرت قاسم العلوم کے عاشق زار تلمیذ رشید حضرت مولانا عبد العلی صاحب صدر مدرس وشیخ الحدیث مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم کی شفقت ونظر نے گھائل کر دیا' اس لئے بجائے امروہہ کے دہلی ہی میں مقیم ہو گیا''۔

تلامذہ کے ساتھ ایسا تعلق تھا کہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ استاذ ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہے کہ:

''میں نے مولانا عبد العلی صاحب سے ''مقامات حریری'' سبعہ معلقہ'' اور کچھ ''نسائی'' پڑھی ہے، مگر برتاؤ سے مولانا پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ استاد ہیں۔ (حسن العزیز: ص۹۴ ج۲)

طلبہ کو ہدایا وتحائف بھی دیتے۔ ''حسن العزیز'' ہی میں حضرت تھانوی کا مقولہ ہے کہ:

''آپ' جب میں دہلی سے چلتا ہوں تو کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور ساتھ کر دیتے''۔

حضرت مولانا ابو الحسن زید دہلوی' مولانا عبد العلی صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا کی شفقت اور مہربانی کا بیان یہ عاجز کیا کرے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر یہ عاجز کرتا ہے۔ شنبہ ۹ محرم ۱۳۴۶ھ کو نصف شب کے بعد سے مینہ برسنا شروع ہوا' اور فجر کو موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، چتلی قبرستان کے پاس گھٹنوں سے اوپر پانی بہہ رہا تھا' لہذا عاجز مدرسہ نہ جا سکا' دس گیارہ بجے جب مینھ تھما عاجز نے دو عدد آم حضرت مولانا کے واسطے اور دو عدد حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کے واسطے ارسال کئے۔ ان دونوں حضرات نے رقعے تحریر فرمائے، حضرت مولانا نے تحریر فرمایا:

ایک شاگرد کے نام حضرت کا گرامی نامہ

مولوی صاحب	السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

دوعدد انبہ وآم بڑے، آپ کے بھیجے ہوئے پہنچے، جزاکم الله فی الدارین خیرا۔ صبح سے ارادہ تھا کہ اگر آپ تشریف لاویں تو چار عدد انبہ آپ کی خدمت میں پیش کروں، مگر آپ بارش کی وجہ سے نہ آسکے۔ باری تعالیٰ کو کوئی چیز پہنچانی ہوتی ہے تو وہ اس کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔ آپ کے خادم انبہ لے کر آئے ان کے ہاتھ میرا ارادہ پورا ہوگیا۔ ان میں دوعدد لنگڑے کے اور دوعدد ثمر بہشت کے ہیں۔ ثمر بہشت اعلیٰ درجہ کا آم ہے، ایسا عمدہ آم انبہ میں کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ زیادہ والسلام۔ راقم آپ کا دعا گو:

عبدالعلی عفی عنہ

دہلی مورخہ: ۹ رمحرم الحرام

مدرسہ عبدالرب کے سالانہ جلسہ میں اپنے شاگرد رشید حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو بڑے اہتمام سے بلایا کرتے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی سفر سے معذوری کے بعد حضرت کے خلیفہ اجل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو بلا کر تقریر کروایا کرتے تھے۔

تلامذہ کی تادیب

تلامذہ کے ساتھ محبت وشفقت کے ساتھ ساتھ تادیباً زجر وتوبیخ سے بھی دریغ نہیں رکھتے۔ عبارت کی غلطی، درس گاہ کی بے ادبی، وبے حرمتی پر بالفور مواخذہ بھی فرماتے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”دیوبند میں جب مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ تشریف رکھتے تھے، تو طلبہ کی خوب

تادیب فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے سبق پڑھنے میں الٹے لیٹ کر پاؤں پیچھے کو پھیلا لئے، بس مولانا چلاّئے: بدتمیز' بے ادب!۔ صرف اصلاح کی وجہ سے تنبیہ فرمائی یہ نہیں کہ اپنا ادب کرایا''۔

مولانا ابوالحسن زید دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ غلط پڑھنے والے کو زجر وتوبیخ فرماتے تھے۔ ''بخاری شریف'' کے چار پانچ سبق عاجز کے داخل ہونے سے پہلے ہو چکے تھے' اور اس چار پانچ دن میں جناب مولانا کو دورہ میں پچاس ساٹھ طالبان علم کے پڑھنے کا اندازہ ہو گیا تھا، لہذا جب پہلے دن یہ عاجز آپ کے دورہ میں شریک ہوا تو آپ نے اپنے پلنگ کے جہت غرب مونڈھا رکھوایا، چوں کہ آپ سالہاسال سے مفلوج تھے' اور حرکت کرنے سے معذور ہو گئے تھے، اس لئے آپ پلنگ پر گاؤ تکیہ سے سہارا لگا کر بیٹھتے تھے، آپ کا کمرہ مسجد شریف کے دالان کی سمت جنوب میں تھا، آپ کا پلنگ دروازہ سے متصل رہتا تھا، اور مسجد شریف کے دالان میں طالبان علم دائرہ طویلہ کی شکل میں ہوتے تھے۔ یہ عاجز آپ کے کمرہ میں مونڈھے پر بیٹھتا تھا اور ''صحیح بخاری'' آپ کے پلنگ پر رہتی تھی، آپ نے پہلے ہی دن اس عاجز سے فرمایا:

صاحبزادے! تم پڑھو، چنانچہ اس کے بعد آپ کے سامنے قراءت اس عاجز کے حصہ میں آئی ''بخاری شریف'' کے چند اوراق کے سوا تمام ''بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' اور ''سنن ابن ماجہ'' از اول تا آخر عاجز نے پڑھی۔ ''بخاری شریف'' کے وہ چند اوراق جو پہلے ہو چکے تھے مولانا محمد شفیع صاحب سے خصوصی طور پر پڑھے۔ ایک دن صبح کے درس میں عاجز کو غالباً دس منٹ کی تاخیر ہو گئی، جب یہ عاجز پہنچا تو ایک طالب علم پر حضرت ناراض ہو رہے تھے

اوراس عاجز کو بعد میں طالبان علم سے معلوم ہوا کہ اس دس منٹ کے عرصہ میں دو طالبان علم نے ’’بخاری شریف‘‘ پڑھنے کی کوشش کی، ایک بنگالی تھے اور دوسرے سرحد کے افغانی، لیکن موافق نہیں ہوئے، عاجز کے پہنچنے پر حضرت مولانا نے ذرا بلند آواز سے فرمایا صاحبزادے اتنی دیر کیوں لگادی؟ عاجز نے عذر بیان کیا‘ اور دریافت کیا: کہاں سے پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: ان کو پڑھنا کب آتا ہے؟ وہاں سے پڑھئے جہاں کل چھوڑا ہے۔

(مقامات خیر: ص۴۰۷)

عشق نبوی ﷺ

حدیث شریف میں ہے:

عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔(متفق علیہ)

ترجمہ:......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

حضرت مولانا کو بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایسی محبت تھی کہ ذکر مبارک سے اشکبار ہوجاتے۔ بعض مرتبہ تو اتنا روتے کہ بے قابو ہوجاتے‘ اور لحیہ مبارک سے آنسو کے قطرے ظاہر ہوتے۔ صاحب مقامات خیر لکھتے ہیں:

’’آپ عاشق صادق بارگاہ نبوی تھے‘‘۔(مقامات خیر: ص۴۶۱)

دوسری جگہ رقم طراز ہے:

’’آپ نے ’’بخاری‘‘ و’’مسلم‘‘ اور’’ابن ماجہ‘‘ پڑھانے کے بعد عاجز سے فرمایا:

صاحب زادے! کچھ اور شروع کرلو، پھر فرمایا: قصیدہ بردہ پڑھو۔ چنانچہ بیس پچیس دن اس مبارک قصیدہ کا سبق ہوا، اور آپ کے عشق نبوی کا کچھ اندازہ اس وقت ہوا' یہ عاجز قصیدہ کا مبارک شعر پڑھتا تھا اور آپ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہوجاتا تھا، آپ اتنا روتے تھے کہ تکلم نہیں فرماسکتے تھے، آپ کی لحیہ مبارک سے آنسو کے قطرے ٹپکتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ کی کیفیت درس

راقم (مرغوب احمد) نے اپنے اساتذہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ اجل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ) شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن' کو بارہا دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک سنتے ہی آنکھیں بہہ پڑتیں۔

۱۴ر شوال ۱۴۰۸ھ م ۱۹۸۸ء بروز یکشنبہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ کے لئے حضرت مفتی صاحب نے ہماری جماعت کا امتحان لیا۔ قاری نے حجۃ الوداع کی طویل حدیث کی یہ عبارت:

''ثم اذن فی الناس بالحج فی العاشرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاج'' پڑھی کہ مولانا بے اختیار اشکبار ہوگئے، میں بہت متأثر ہوا، پھر تو ایسے مواقع متعدد مرتبہ دیکھے، خصوصاً ''کتاب التفسیر''میں واقعۂ افک کی عبارت جب طالب علم نے پڑھی' مولانا اس قدر روئے کہ سبق نہ پڑھاسکے' دوسرے دن بڑی مشکل سے بھرائی ہوئی آواز میں درس دیا۔

فیاضی و مہمان نوازی

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیکرم ضیفه ، الخ۔(متفق علیہ۔مشکوٰۃ:ص۳۶۸)

ترجمہ:......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہمان کا اعزاز واکرام ایمان کا خاصہ ہے، اور یہی انسانیت وشرافت کا اصلی تقاضہ ہے کہ اپنے پاس آنے والے کا ہر طرح اعزاز واکرام کیا جائے اور فیاضی وفراخ دلی برتی جائے۔

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ کی مہمان نوازی مشہور ومعروف تھی، جو مہمان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، مولانا ان کا پورا پورا اعزاز فرماتے اور نہایت فیاضی وفراخ دلی کے ساتھ ان کی خاطر تواضع فرماتے۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''جب میں دہلی سے چلتا ہوں کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور ساتھ کر دیتے ہیں، بے لوث اور بے تعلق ہیں، کسی سے کچھ مطلب نہیں، خود بھی مدرسہ میں چندہ دیتے ہیں' اور مقدار چندہ کی سب سے زیادہ ہوتی ہے، ۱۵/روپیہ یا زیادہ تک۔ مولانا صاحب جائداد میں سال میں جو کچھ بچاتے ہیں سب خرچ کر دیتے ہیں۔ مولانا سے جو کوئی ملنے جاتا ہے بہت خاطر کرتے ہیں چائے شربت پلاتے ہیں''۔(حسن العزیز:ص۹۵ ج۲)

مولانا حکیم سید عبدالحئ حسنی رحمہ اللہ(م:۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء) صاحب نزہۃ الخواطر وغیرہ اپنے سفرنامہ میں رقم طراز ہیں:

''مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ مجھ سے نہایت لطف اور بے تکلفی سے باتیں کرنے لگے، میرے واسطے چائے بنوائی اور اصرار کے ساتھ پلاتے رہے، پان خود نہیں کھاتے، مگر

میرے واسطے خاص کر کے منگوائے' باوجود اس کے کہ میں منع کرتا رہا۔ ان کے اس تواضع اور اکرام کی وجہ سے میں زیادہ بیٹھا۔ (دہلی اور اس کے اطراف: ص۵۴)

رحمت للعالمین پر حضرت کی تقریظ

نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ پر ایک کتاب ''رحمۃ العالمین'' ہے، اس پر مولانا نے تقریظ لکھی ہے، اس سے بھی مولانا کی سخاوت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پوری تقریظ درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به و نتوكل عليه ، ونعوذ بالله من شرورانفسنا ، ومن سيئات اعمالنا ، من يهده الله فلامضل له ، ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله' اما بعد ،

کتاب ''رحمۃ للعالمین'' جس کو مولانا محمد عابد میاں صاحب نے تالیف کیا ہے، اس کے بعض مقامات میں نے مطالعہ کئے۔ مجھ کو یہ کتاب بہت پسند آئی، اگر یہ کتاب بازار میں فروخت ہوتی تو سو پچاس نسخہ اس کے خرید کر طلبہ کو انعام میں تقسیم کرتا، مگر افسوس ہے کہ بازار میں نہیں ملتی، جنہوں نے چھپوایا ہے انہوں نے وقف کیا ہے، جزاھم اللہ خیر الجزاء

اگر واقف صاحب کچھ نسخے طلبہ کی تقسیم کے واسطے مرحمت فرمادیں گے تو میں بہت خوش ہوں گا اور بہت دعا دوں گا۔

کاتب الحروف: عبد العلی عفی عنہ

مدرس اول مدرسہ مولوی عبد الرب مرحوم شہر دہلی

اوصاف وکمالات

زہدوقناعت‘ تقوی وطہارت میں مولانا اپنی مثال آپ تھے۔آخری سانس تک جماعت کی نماز اور صف اولی ترک نہیں ہوئی۔آخری عمر میں فالج کی وجہ سے نقل وحرکت سے معذور ہوگئے تھے‘ اس حالت میں بھی خدام وتلامذہ آپ کو اٹھا کر صف اولی میں رکھ دیتے تھے‘ اور آپ بیٹھ کر امام کی اقتداء فرماتے۔

اصحاب کمال کا اعتراف

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’مولوی صاحب کے پاس بیٹھنے سے ایک خاص کیفیت معلوم ہوتی ہے، ہر شخص کے پاس بیٹھنے سے جدا فرق معلوم ہوتا ہے کہ اسے تعبیر نہیں کرسکتے ۔

خوبی ہمہ کرشمہ وناز وخرام نیست

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

(حسن العزیز جلد:ص ۹۵ ج ۲)

مولانا حکیم سید عبدالحئ حسنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’مدرس اول مولوی عبدالعلی صاحب ہیں، یہ مسجد کے مشرقی وجنوبی گوشہ کے مکان میں رہتے ہیں، وہیں درس دیتے ہیں۔ذی الحجہ سنہ حال (۱۳۲۱ھ) سے یہاں آئے ہیں، پیشتر مرادآباد وسہارنپور میں مدرس تھے۔مولوی فیض الحسن ومولانا قاسم ومولانا احمد علی صاحب مرحومین کے شاگرد ہیں، مولانا قاسم صاحب سے زیادہ تر تلمذ ہے، انہی کی صحبت میں زیادہ رہے ہیں، انہی سے ارادت ہے۔آدمی خلیق سنجیدہ بے تکلف سادہ مزاج ہیں، خودداری وپندار سے بالکل کنارہ کش، صورت سے علماء دین کی شان معلوم ہوتی تھی۔جب

میں گیا تو ''صحیح مسلم'' کا سبق ہو چکا تھا، طلبہ سے باتیں کررہے تھے، مجھ سے نہایت شگفتہ پیشانی کے ساتھ ملے''۔ (دہلی اور اس کے اطراف: ص۵۴)

مولانا موصوف ہی ''نزہۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

''الشیخ العالم الفقیه عبد العلی بن نصیب علی الحنفی المیرٹھی ، احد العلماء المشهورین ، ولد ونشاء بقریة عبد اللّٰه بور ، من اعمال میرٹھ ، وقرأ العلم علی العلامة محمد قاسم النانوتوی ومولانا احمد علی السهارنپوری والشیخ فیض الحسن السهارنپوری وعلی غیره من العماء ،

درس فی المدرسة العربیة بدیوبند ، ثم تصدر للتدریس فی مدرسة المرحوم حسین بخش بدهلی فی سنتی اثنتی عشرة وثلاث مأة والف ، لقیته بلبدة دهلی سنة اثنتی عشرة و ثلاث مأة الف ، کان کثیر التواضع ، طارح للتکلف ، الیفا ودودا، کثیرا الضیافة موسراً ،

تخرجت علیه جماعة من العماء الکبار ، وقرأ علیه الشیخ محمد اشرف علی التهانوی ، والشیخ انور شاه الکشمیری ، والشیخ حسین احمد الفیض آبادی، وغیرهم ،

مات فی سنة اربعین وثلاث مأة و الف ، ودفن فی مقبرة الشیخ ولی اللّٰه الدهلوی''۔ (ص۲٦۷ج۸)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آپ (حضرت مولانا عبدالعلی صاحب دہلوی) حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، دہلی کے محدث شمار ہوتے تھے، مدرسہ عبدالرب دہلی میں ایک

طویل مدت تک بحیثیت صدر مدرس درس حدیث دیا، آپ نے سینکڑوں شاگرد چھوڑے، تقوی طہارت اور استقامت میں آپ خود ہی اپنی مثال تھے، آخری سانس تک جماعت کی نماز اور صف اولی ترک نہیں ہوئی تھی، آخری عمر میں فالج کا اثر ہو گیا، نقل وحرکت سے معذور ہو گئے، اس حالت میں حکم کے مطابق خدام آپ کو اٹھا کر صف اولیٰ میں رکھ دیتے تھے، اور آپ بیٹھ کر امام کی اقتداء کرتے تھے، اپنے استاذ میں فنائیت کا درجہ رکھتے تھے، اور ہر وارد وصادر سے فرماتے تھے کہ: ''قاسمی بن جاؤ محروم نہیں رہو گے'' حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ جیسے اکابر آپ کے تلامذہ میں سے تھے''۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند: ص ۵۸)

فوائد وملفوظات

مولانا ابوالحسن زید دہلوی رحمہ اللہ نے آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے مقامات خیر میں مولانا کے کچھ فوائد ذکر کئے ہیں، موصوف رقم طراز ہیں:

(۱)......اس عاجز کا قاعدہ تھا کہ کتابوں کا مطالعہ ضرور کرتا تھا، جب ''بخاری شریف'' میں حدیث شفاعت کے اس حصہ پر پہنچا:

''فاقول یارب ائذن لی فیمن قال لا اله الا اللّٰه قال : لیس ذلک لک ولکن وعزتی وجلالی وکبریائی وعظمتی لأخرجن منها من قال لا اله الا اللّٰه''۔

تو مطالعہ کے وقت شروح وحواشی کا مطالعہ کیا اور جب حضرت مولانا کے سامنے یہ مبارک حدیث پڑھی تو کچھ خاموش ہوا، آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عاجز نے علماء کرام رحمہم اللہ کا کچھ کلام ذکر کیا، آپ نے فرمایا: میاں صاحبزادے! جب اللہ کی رحمت کا ذکر عام ہے تو کیوں اس کو مقید کرتے ہو؟ یہ فرما کر آپ کے آنسو جاری ہو گئے، اسی مبارک مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عاجز نے لآلی منظومہ میں کہا ہے ۔

موحد بھی اپنی لگائے گا آس کہ ابر کرم سے بجھالے پیاس

(۲)...... جب حدیث شریف: ''لا تشد الرحال'' عاجز نے پڑھی' تو آپ نے یہ واقعہ بیان کیا: حضرت مولانا قاسم صاحب رحمہ اللہ کے ایک مخلص تھے، وہ ضلع میرٹھ کے تھے، ان کا نام عبداللہ تھا' وہ حج کو گئے' ان کے رفقاء جلاہے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا: میں وہاں بڑوں کو جلاہا کہتا ہوں۔ جب حج سے یہ لوگ فارغ ہوئے اور انہوں نے مدینہ منورہ کا قصد کیا' تو جلاہوں نے میاں عبداللہ سے کہا: میاں صاحب! اب مدینہ منورہ کا سفر کرنا ہے، تم کیا نیت کروگے؟ آیا مسجد نبوی کی' یا آپ ﷺ کی زیارت کی؟ میاں صاحب نے کہا: میں ان پڑھ ہوں آپ صاحبان عالم ہیں' آپ بتالیں کہ آپ کس کی نیت کریں گے؟ جلاہوں نے کہا: ہم تو مسجد نبوی کی نیت کریں گے' اور وہاں پہنچ کر زیارت بھی کرلیں گے۔ یہ سن کر میاں صاحب نے ہاتھ جوڑ کر جلاہوں سے کہا: میں تو اس مبارک ذات کی نیت کروں گا جن کے طفیل سے اس مسجد شریف کو یہ منزلت ملی ہے۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت مولانا کے آنسو جاری ہوگئے، اور دو تین منٹ تک آپ روتے رہے۔

(۳)...... عاجز نے جب حدیث شریف: ''لولا قومک حدیثوا عهد بالاسلام'' پڑھی تو آپ نے فرمایا: حرمین محترمین کے مزارات مبارکہ کے گنبدوں اور عمارتوں کو نجدیوں نے توڑا' اس حدیث شریف کی رو سے ان کا فعل ناجائز ہے، سردار دوعالم ﷺ نے نومسلم افراد کی وجہ سے کعبۃ اللہ کی عمارت کو اپنی اصلی حالت پر نہیں کیا تاکہ ان کا دل رنجیدہ نہ ہو، حالانکہ وہ قبلہ ہے۔ نجدیوں نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے دلوں کو اپنے اس شنیع فعل سے آزردہ کیا ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنی رحمہ اللہ اپنے سفرنامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مولانا عبد العلی صاحب رحمہ اللہ دیر تک حضرت سید صاحب کے حالات ذکر کرتے رہے، مولانا قاسم صاحب رحمہ اللہ کے حالات بیان کرتے رہے، یہ بھی کہا کہ: اگر مولانا قاسم رحمہ اللہ کے حالات اور ان کے علم کا مشاہدہ میں نے خود نہ کیا ہوتا تو اگلے زمانے کے اکابر کے حالات افسانہ معلوم ہوتے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی نسبت کہنے لگے کہ: ایسے لوگ اب روئے زمین پر ڈھونڈنے سے نہیں ملیں گے۔

یہ بھی قصہ انہوں نے بیان کیا کہ: مولوی سعید الدین ایک معمولی استعداد کے آدمی سید صاحب کے دیکھنے والوں میں ان کے قافلہ کے تھے، سہارنپور میں رہتے تھے' وہ بھی جیسا سید صاحب غفران مآب کے علی العموم مریدوں کا حال ہے، نہایت باخدا اور سچے مسلمان تھے۔ ان کے بیٹے سے کسی دوسرے شخص کا جھگڑا ہوگیا اور نوبت بعدالت پہنچی، فریق ثانی نے مولوی صاحب کو گواہی میں لکھ دیا، مولوی صاحب کو جانا پڑا، اور بلالحاظ واسطہ پدری کے اپنے بیٹے کے خلاف گواہی دی، وہ آخر میں نابینا ہوگئے تھے، اور باوجود پیرانہ سالی کے ہر روز کسی بچہ کو ساتھ لے کر مدرسہ پڑھانے آیا کرتے تھے، کچھ سنتے تھے کچھ پڑھتے تھے، ہمیشہ ان کا یہ شغل رہا، میں نے ایسے وقت میں دیکھا ہے کہ نابینا ہوجانے کے بعد ان کی آنکھیں روشن ہوچکی تھیں، اور خود بلا وساطت کسی کے پھرتے تھے، اس کا قصہ مولوی ثابت علی صاحب عجیب بیان کرتے تھے، وہ سہارن پور میں مدرس ہیں اور میرے دوستوں میں ہیں، وہ کہتے تھے کہ: مولوی صاحب مرحوم اکثر کلام مجید پڑھا کرتے تھے' اور رویا کرتے تھے، ایک مرتبہ میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ خود بخود چلے آرہے ہیں ان کی آنکھیں روشن ہیں، میں نے پوچھا حضرت! یہ کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ آج بھی حسب معمول کلام مجید پڑھ رہے تھے، اور رو رہے تھے، آنسو جیسے ہی پونچھے آنکھیں روشن تھیں۔

اخلاقی انحطاط اور مذہبی تفریق کا ایک عبرتناک قصہ

یہ بھی قصہ مولوی عبدالعلی صاحب نے بیان کیا کہ: سبزی منڈی یہاں سے بہت قریب ہے، اس محلّہ میں ایک مولوی صاحب آ کر رہتے تھے، وہ غیر مقلد تھے، دن کو میاں صاحب کے مدرسہ میں رہتے تھے اور رات کو وہاں کرایہ سے مکان تھا' اس میں ایک بیوی صاحبہ بھی تھیں' اسی محلّہ میں ایک کبیر السن میاں جی رہتے تھے' وہ پابند اوقات تھے، محلّہ کے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے، ایک دن ایک بڑھیا نے ان سے آ کر کہا کہ: مولوی صاحب کی بیوی نے آپ کو بلایا ہے، کھڑے کھڑے ذری کی ذری سن جایئے، میاں جی صاحب گئے پردے کے پاس بیوی صاحبہ نے آ کر کہا کہ آپ باخدا آدمی ہیں مجھ کو للہ اس ظالم کے پنجہ سے چھڑایئے، انہوں نے کہا خیر ہے؟ اس نے کہا خیر کہاں شر ہے۔ یہ میرا پیر ہے، میں اس کی مرید، میرے خاوند موجود ہیں، دھوکہ سے یہ مجھ کو نکال لایا ہے، میاں جی صاحب کو سن کر نہایت ہی تعجب ہوا' اور واقعی تعجب کی بات ہے۔ میں نے یہاں تک جب قصہ سنا تو مجھ کو عجب حیرت ہوئی۔ مولوی صاحب فرمانے لگے کہ: میاں جی نے اس کی تسلی تشفی کی، اس کے بعد چلے آئے، لیکن موقع کے منتظر رہے، ایک دن مولوی صاحب سے خلوت میں کہا کہ مجھ کو تنہائی میں آپ سے ایک راز کہنا ہے بشرطیکہ وہ کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے' آپ تک رہے، انہوں نے کہا فرمایئے! میاں صاحب نے کہا کہ میں بھی آپ کا ہم مذہب ہوں، مگر حضرت کیا کہئے! اس محلّہ کے لوگ ایسے سخت ہیں آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ آدمی مار ڈالتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی، اگر میں اظہار کروں تو خدا جانے میری کیا حالت ہو؟ مولوی صاحب نے کہا: خیر یہ بہت مناسب ہے آپ اپنا مطلب کہئے، انہوں نے کہا اصل یہ ہے کہ اس محلّہ میں ایک عورت سے مجھ کو کمال درجہ کی الفت ہے، لیکن اس

کے خاوند موجود ہے، میں چاہتا ہوں کوئی ایسی تدبیر ہو کہ وہ میرے قابو میں آجائے اور شریعت میں بھی جائز ہو، انہوں نے کہا کہ یہ کوئی دشوار امر نہیں ہے، یہ لوگ یعنی حنفی المذہب مستحل الدم ہیں، ان کا مال' مال غنیمت ہے' ان کی بیویاں ہمارے واسطے جائز ہیں، آپ قابو میں لاسکتے ہیں' تو شوق سے لائیے! انہوں نے کہا: بس مجھ کو یہی چاہئے تھا، اور وہاں سے چلے گئے، دوسرے وقت محلّہ کے عمائد سے یہ قصہ بیان کیا اور یہ شرط کرلی کہ ان کو جان سے نہ ماریں، ان لوگوں نے اس کے خاوند کو بلا بھیجا، جب مولوی صاحب نماز کے واسطے آگے بڑھے تو ایک شخص نے نہایت درشتی کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور نہایت ہی مرمت کی اور خاوند اپنی جورو کو لے کر چلا گیا۔ یہ قصہ حال ہی کا ہے، مجھ کو اس کے سننے سے عورت کے نکال لانے پر اتنا استعجاب نہیں ہوا جتنا ان کا حنفیہ کے مستحل الدم سمجھنے پر تعجب ہوا۔ [1] (دہلی اور اس کے اطراف: ص ۵۶)

فان الشیطان لایتمثل فی صورتی کی عجیب حکمت

مولانا نے متعدد مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت فرمائی، ان میں سے یہاں میں مولانا کے وہ دو خواب نقل کرتا ہوں جن میں مولانا نے نبی کریم ﷺ کو مختلف صورتوں میں دیکھا، کبھی لباس یہود ونصاری میں، اور کبھی لحیہ مبارک حلق شدہ ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ شیطان متوحش خواب دکھا کر مؤمن کو ہر طرح سے پریشان کرسکتا ہے، مگر یہ بات اس کی قدرت سے باہر ہے کہ حضرت ختم المرسلین ﷺ کی وضع وہیئت اختیار کرکے کسی

---

[1] ......علامہ سید سلیمان ندوی (م: ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۲ء) اس موقع پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:
''اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں احناف اور اہل حدیث کے تعلقات کتنے کشیدہ تھے، اور آپس کی بدگمانیاں کس حد تک بڑھی ہوئی تھیں''۔

(ماہنامہ ''معارف'' فروری ۱۹۳۹ء، مطابق ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ)

مؤمن کو دھوکا دے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''من رانی فی المنام فقد رانی ' فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی''۔ (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ)

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے درحقیقت مجھ ہی کو دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت بنا کر نہیں آسکتا۔ (مشکوۃ ص۳۹۴، کتاب الرؤیا)

بعض محققین نے عجیب بات فرمائی کہ شیطان خواب میں حق تعالی کی حیثیت سے ظاہر ہو کر افترا پردازی کر سکتا ہے اور دیکھنے والا دھوکہ کھا سکتا ہے کہ یہ واقعی باری تعالی ہے، لیکن حضرت رحمۃ للعالمین ﷺ کی صورت کبھی اختیار نہیں کر سکتا، کیونکہ حضور ﷺ مظہر ہدایت ہیں' اور شیطان مظہر ضلالت ہے' اور ہدایت و ضلالت میں ضد ہے۔ اور حق تعالی صفات اضلال و ہدایت اور تمام صفات متضادہ کے جامع ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مخلوق کا دعوی الوہیت صریح البطلان ہے، اس لئے کسی طرح اشتباہ نہیں ہو سکتا، بخلاف دعوی نبوت کے ہزاروں لاکھوں تہی دستان قسمت خود ساختہ نبیوں کی خانہ ساز نبوت پر ایمان لا کر راہ حق سے بھٹک جاتے ہیں، اسی بنا پر جناب سرور کون و مکان علیہ الصلوۃ والسلام کی شکل اختیار کر کے اسے لوگوں کو دھوکا دینے کی قدرت نہیں دی گئی، یہی وجہ ہے کہ مدعی الوہیت سے خوارق عادت کا صدور ممکن ہے، لیکن اگر کوئی دعوی نبوت کرے تو اس کی اعجاز نمائی کی قدرت سلب کر لی جاتی ہے، تاکہ خدا کی کمزور مخلوق خوارق کی وجہ سے اس کے دام تزویر میں نہ پھنس سکے۔ (مقدمہ تعبیر الرویا: ص۴)

خواب میں آپ ﷺ کا اصلی حلیہ دیکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

پھر اس میں اختلاف ہے کہ خواب میں حضور اکرم ﷺ کا اصلی حلیہ اور حقیقی صورت کا دیکھنا ضروری ہے، یا نہیں؟

شاہ رفیع الدین صاحب (م:۱۲۳۳ھ) اور سیدالمعبرین ابن سیرین (م:۱۱۰ھ) اور قاضی عیاض (م:۵۴۴ھ) کا مسلک یہ ہے کہ آپ کی اصلی صورت کا دیکھنا ضروری ہے۔

فن تعبیر میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (م:۱۳ھ) کے بعد علامہ ابن سیرین کے برابر کسی کا درجہ نہیں۔ آپ کے پاس آکر اگر کوئی حضور اکرم ﷺ کی رویت کا خواب بیان کرتا تو اس سے حلیہ اور علامت دریافت فرماتے، اگر اس کی بتائی ہوئی علامت حضور اکرم ﷺ کی ان علامات سے مطابقت کرتیں جو کتب سیرت میں منقول ہیں تو قبول فرماتے ورنہ رد فرما دیتے۔ ''فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی صورت متعینہ اگر دیکھی ہے تو یقین ہوگا کہ یہ شیطانی تمثل نہیں۔

مگر جمہور علماء اور شاہ عبدالعزیز صاحب (م:۱۲۳۹ھ) اور امام غزالی (م:۵۰۵ھ) کا مسلک یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی اصلی علامات کا دیکھنا ضروری نہیں، صرف اتنا کافی ہے کہ رائی بوقت رؤیت یہ یقین کئے ہوئے ہو کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی صورت ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا مختلف صورتوں میں دکھائی دینا کبھی رائی کے قلب کا عکس ہوتا ہے' مثلاً اچھی صورت میں دکھائی دینا رائی کے قلب کی صفائی کی دلیل ہے' اور کسی ناجائز صورت یا ناجائز لباس میں دکھائی دینا رائی کی سیئات کی طرف اشارہ ہوتا ہے' اور کبھی رائی کی حالت کی طرف اشارہ نہیں ہوتا' بلکہ کسی حالت عامہ سے تعبیر ہوتی ہے۔

(ارشاد القاری الی صحیح البخاری: ص ۳۵۸)

مولانا عبدالعلی صاحب کے دو خواب

اس تمہید کے بعد میں مولانا کے خواب نقل کرتا ہوں:

(۱):......صاحب مقامات خیر تحریر فرماتے ہیں کہ: مولانا عبدالعلی صاحب فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضرت مولانا قاسم صاحب کے زمانے میں یہ خواب دیکھا کہ سردارِ دو عالم ﷺ تشریف لائے ہیں، آپ اونٹ پر سوار ہیں، اور اونٹ کی نکیل مولانا کے مونڈھے پر پڑی ہوئی ہے، آنحضرت ﷺ اسی کیفیت میں جس کا بیان محدثین نے کیا ہے، البتہ آپ کی لحیہ مبارک حلق شدہ ہے، اور میں آپ ﷺ کی اونٹنی کے پیچھے چل رہا ہوں۔ اس خواب کو میں نے حضرت مولانا سے بیان کیا، آپ نے فرمایا: تم نے آنحضرت ﷺ کی زیارت مبارکہ کی ہے، اور آپ کا اظہار حلق لحیہ کی صورت میں یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اب آپ کی یہ مبارک سنت ترک کر دی جائے گی۔

مولانا کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہوئی ہے، ان دنوں ڈاڑھی منڈانے کا روز افزوں رواج مولانا کے خواب کی صحیح تعبیر بن کر سامنے آرہا ہے۔

(۲):......دوسرا خواب ''ارشاد القاری'' میں مذکور ہے۔

مولانا عبد العلی صاحب مدرس مدرسہ عبد الرب نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہیں، تو بہت پریشان ہوئے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں لکھا۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ: اس میں آپ کی کسی برائی کی طرف اشارہ نہیں، بلکہ دین پر غلبۂ نصرانیت کی طرف اشارہ ہے۔

مولانا کے ان دونوں خوابوں میں ہر دو اکابر کی تعبیر کے مطابق تیسری صورت یعنی حالت عامہ والی تعبیر منطبق ہوتی ہے۔

تصنیف وتالیف

۱۲۹۶ھ میں آپ نے لالہ انند لعل سکریٹری آریہ سماج میرٹھ کے مضمون دل آزار مطبوعہ رسالہ آریہ سماچار میرٹھ، بابت اساڑھ ۱۹۳۹ء بکرمی کے جواب میں اپنے استاذ

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے حکم سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جو ''جواب ترکی بہ ترکی'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ رسالہ رد آریہ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اس رسالہ کو حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، مگر یہ آپ کا تحریر فرمودہ ہے، جو آپ نے: ۹ / یا ۱۰ / رمضان المبارک ۱۲۹۶ھ کو شروع کر کے: ۲۱ / رمضان ۱۲۹۶ھ بروز سہ شنبہ گیارہ بارہ دن میں پورا کیا، جیسا کہ کتاب کے آخر میں لکھا ہے:

راقم بندہ کمترین گنہگار عبد العلی عفی عنہ

۲۱ / رمضان ۱۲۹۶ھ بروز سہ شنبہ''

نیز ٹائٹل پر تحریر ہے:

''رسالہ جواب'' ترکی بہ ترکی'' جس میں آریہ سماج کے رسالہ میرٹھ کے جوابات بایمائے حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین جناب مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیوبند لکھے گئے ہیں، اور اسی طرز استدلال پر جواب دیا گیا ہے''۔

اس کے علاوہ آپ کی کسی تصنیف کا علم نہ ہوسکا۔

ازواج واولاد

یہ عنوان شروع میں ہونا چاہئے تھا، لیکن مجھے مولانا کے نکاح وازواج اور اولاد کا تفصیلی تذکرہ معلوم نہ ہوسکا، اس لئے آخر میں درج کر دیا، ہاں اتنا معلوم ہوسکا کہ مولانا کا نکاح مدرسہ عبد الرب کے بانی مولانا عبد الرب صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔

مولانا کے ایک جواں مرگ صاحبزادے عبد الجلیل تھے، جن کا تذکرہ مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے اپنے ایک خواب میں کیا ہے، جس کو موصوف نے تحدیث

بالنعمہ کے عنوان سے اپنی بیاض میں تحریر فرمایا ہے، جس میں سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مولانا کو صاحبزادے کی وفات پر صبر کی تلقین اور آرام وراحت کی بشارت کا ذکر ہے، اس لئے اس خواب کو من وعن نقل کرتا ہوں۔

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری کا خواب

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ کی آخری تاریخوں میں راقم الحروف مرغوب احمد غفرلہ ولوالدیہ ولمشائخہ الکرام کو دہلی مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم میں' عالم رؤیا میں حضرت خلیل اللہ سیدنا ابراہیم صلوٰۃ اللہ علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مدرسہ میں تشریف آوری کی اطلاع ہوتے ہی فقیر نے عالم شوق میں مدرسہ کے طلباء کو یہ کہتے ہوئے بیدار کیا کہ بزرگان دین کی ملاقات سے ہمیں کس قدر مسرت ہوتی ہے، آپ تو خلیل اللہ ہیں، جلدی دوڑ کر شرف زیارت حاصل کرو، چنانچہ طلبہ حاضر خدمت ہوگئے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام شمالی جانب صحن مسجد میں مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی درسگاہ کے حجرہ کے سامنے قبلہ رو دوزانو تشریف فرما تھے، اور مواجہ میں حضرت کے حضرت مولانا عبد العلی صاحب محدث وصدر مدرس وناظم مدرسہ نہایت ادب سے بیٹھے تھے، دیگر مدرسین وطلبہ اطراف میں نہایت ادب سے بیٹھے ہوئے زیارت سے مشرف ہورہے تھے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا حلیہ مبارک آج پچاس سال کے بعد بھی ذہن میں محفوظ ہے، میانہ قامت لیکن قریب کشیدہ قامت کے، رنگ نہایت سرخ وسفید، جسم اطہر نہ ہلکا نہ بھاری' لیکن بھرا ہوا، سیاہ جبہ وعمامہ باندھے ہوئے۔ میری خوشی کا اس وقت جو عالم تھا اس کے اظہار سے قاصر ہوں۔

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ نے نہایت ادب سے عافیت مزاج اقدس دریافت کرنے کے بعد تشریف آوری وتصدیع فرمائی کا سبب دریافت کیا' تو حضرت خلیل اللہ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ: میں مولوی رشید احمد کو لینے آیا ہوں۔(اسی ماہ میں مورخہ: ۸؍ جمعہ کو مولانا کا انتقال ہوگیا تھا، یہ واقعہ انتقال کے کچھ روز بعد کا ہے)

اس کے بعد حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ سے فرمایا کہ: مولوی صاحب مجھے آپ کے جوان صاحبزادے عبدالجلیل کے انتقال کی اطلاع ہوئی تھی، مرحوم بہت آرام سے ہے، آپ صبر کیجئے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ: میں مدرسہ امینیہ دیکھنا چاہتا ہوں، چنانچہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے ہمراہ طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ فقیر بھی سنہری مسجد میں گیا، مدرسہ کی سیڑھی کے سامنے اوپر میں مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا حجرہ تھا، سیڑھی چڑھ کر اوپر تشریف لے گئے، پھر واپس اترے ہم نیچے کھڑے تھے۔ حضرت علیہ السلام کا حجرہ کی سیڑھی سے اترنے کا سماں اب تک میری نظروں میں گھوم رہا ہے۔

حضرت علیہ السلام کی شکل وشباہت' قد وقامت اور خوبصورتی کی مثال ومشابہت' میں' اگر ناقص تشبیہ کسی کے ساتھ دے سکوں' تو مولانا عبدالحق صاحب حقانی مرحوم اور میرے والد مرحوم کو دے سکتا ہوں۔

الحمد لله والشكر لله۔

علالت اور سانحہ وفات

مولانا طویل عرصہ سے فالج کے مرض میں مبتلا ہوگئے تھے، اور حرکت کرنے سے معذور ہوگئے تھے، ایسی حالت میں بھی ایک مدت تک درس دیتے رہے، چارپائی پر

گاؤتکیہ سے سہارا لگا کر تشریف فرماتے، بالآخر وقت موعود آپہنچا، پوری عمر خدمت حدیث میں گزار کر سالہا سال سے ''قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' پڑھنے اور سننے والے دہلی کے محدث' دارالعلوم کے عظیم فرزند نے یکشنبہ: ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ مطابق: ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو دہلی کے مدرسہ عبدالرب میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازے میں اس قدر ہجوم تھا کہ گویا پوری دہلی امنڈ آئی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (م: ۱۱۷۶ھ) کے مقبرہ میں آسودۂ خواب ہیں، رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت مولانا محمد بن یوسف

صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

ولادت:......۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء۔

وفات:......۸/شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۷ء شب جمعہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ خیر القرون سے لے کر ہمارے اس موجودہ زمانۂ شر القرون تک اس کثرت سے فقہاء ومحدثین، مفسرین ومتکلمین، ارباب دعوت وارشاد مبلغین وعلماء صالحین پیدا ہوئے کہ اگر ان سب کا استقصاء کوئی کرنا چاہے تو اس کارعظیم کے لئے کئی ضخیم مجلدات چاہئے۔ان میں سے ایک بڑی جماعت کے کارنامے وحالات، اشاعت دین و سنت کے خاطر ان کی قربانیاں اور مجاہدات تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔آج اس شر القرون کے زمانہ میں بھی ہر سو اسلام اور اسلامیات کی جو بہار نظر آتی ہے وہ درحقیقت ان ہی بزرگوں کے لگائے ہوئے پودے کی برکت ہے۔

ان چند صفحات میں ان اسلاف کی ایک یادگار مولانا محمد بن یوسف صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے کچھ حالات زیب قرطاس کئے جاتے ہیں جو بمصداق حدیث ’’ذکر الصالحین کفارۃ‘‘ راقم کے لئے کفارۂ ذنوب کا سبب بنے۔

موصوف گجرات کے ایک صاحب کشف بزرگ حضرت شاہ سلیمان صوفی صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ کے نواسے تھے۔علم وعمل، تقوی وطہارت میں اپنے اسلاف کے صحیح جانشین تھے۔

ولادت......تعلیم......اساتذہ

آپ کی ولادت: ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں لاجپور میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم سے فراغت پر فارسی کی کتابیں حضرت عارف باللہ صوفی صاحب سے پڑھیں، اور کتب عربی از نحو وصرف تا مشکوۃ وجلالین استاذ العلماء حضرت مولانا احمد میاں صاحب صوفی لاجپوری سے پڑھیں۔اس کے بعد آپ کے دینی علوم کی تکمیل کا وقت آیا۔ادھر دہلی میں قاسم العلوم والخیرات بانئ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے تلمیذ رشید امام

المحدثین حضرت مولانا عبد العلی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ مسند درس حدیث بچھائے ہوئے تھے۔مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ نے بھی ان کی طرف رجوع کیا اوران سے حدیث کی تحصیل کی۔۱۳۲۳ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔

مولانا عبد العلی صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ آپ نے جن مشاہیر سے اکتساب فیض کیا ان میں کچھ حضرات کے نام یہ ہیں: حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی (داماد حضرت شیخ الہند) حضرت مولانا عبد العزیز صاحب مدرس مدرسہ فتحپوری۔

درس وتدریس اور تلامذہ

فراغت کے بعد ہی سے آپ کی جامعیت، اعلی قابلیت کا شہرہ ہوگیا، جوہر شناس رفیق محسن ملت مولانا احمد حسن بھام سملکی رحمہ اللہ نے مدرسہ تعلیم الدین (جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) میں آپ کا تقرر فرمایا۔کچھ مدت تدریسی خدمت کے بعد مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں تشریف لاکر تشنگان علوم کو فیض پہنچایا اور چند سال قیام فرمایا، پھر اپنے نانا جان صوفی صاحب رحمہ اللہ کے قائم کردہ ''مدرسہ صوفیہ سورت'' میں مسند درس وانتظام پر جلوہ افروز ہوکر تادم واپسیں تدریسی وانتظامی خدمات میں مشغول رہیں۔

آپ کے منبع علم سے بکثرت تشنگان علم سیراب ہوئے، ان بحر فیض سے بہرہ یاب ہونے والوں میں مفتیٔ اعظم گجرات حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بسم اللہؒ حضرت مولانا محمد علی صاحب تراجوی، مولانا عبد السلام صاحب صوفی لاجپوری کے اسماء خصوصیت سے قابل ذکر ہیں،

سلسلۂ بیعت وارشاد

تکمیل علوم کے بعد غالباً سب سے پہلے حضرت مولانا شاہ شیر محمد صاحب قدس سرہ سے تعلق ارادت وبیعت قائم ہوا۔(موصوف علاقہ پیلی بھیت میں مقیم تھے، حضرت صوفی

صاحب آپ کے متعلق فرماتے تھے: شاہ صاحب اس ضلع کے قطب ہیں)

مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ نے اپنے شیخ کی وفات پر ایک مرثیہ کہا تھا، اس کے چند اشعار نقل کرتا ہوں، شیخ نے ۱۳۲۴ھ میں رحلت فرمائی۔

آج اشک خون سے یہ آسماں روتا ہے کیوں
اور سورج، چاند بھی بے نور یوں ہوتا ہے کیوں
آج عالم میں فغان و شور برپا ہوگیا
ہر جوان و پیر و بچہ آہ سے روتا ہے کیوں
ٹوٹا عالم، کیا قیامت آج قائم ہوگئی
قبر سے ہر مردہ زندہ ہوکر کھڑا ہوتا ہے کیوں
اے صبا کچھ تو خبر لادے، دل بے تاب کو
آج جی میرا بدن سے بہہ نکل جاتا ہے کیوں
کوئی کہتا ہے کہ سایہ سر سے تیرے اٹھ گیا
آہ یہ کیا ہوگیا، پھر سایہ وہ آتا ہے کیوں
آج تاجِ اولیا، قطب زماں کی موت سے
کیوں نہیں مرتا، تعجب ہے کہ تو جیتا ہے کیوں
اے میرے مولا میرے آقا میرے ہادی شفیق
آپ کا خادم یہاں اب تک پڑا رہتا ہے کیوں

حضرت مولانا شاہ شیر محمد کے انتقال کے بعد اپنے نانا جان سے بیعت ہوئے اور حضرت کی تربیت میں رہ کر راہ سلوک و معرفت میں محنت و مجاہدہ فرماتے رہیں۔ بالآخر راہ

طریقت طے کر کے بارگاہ صوفی سے خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے۔(حضرت صوفی صاحب سے خلافت کا ملنے ذکر موصوف کے فرزند مولانا عبدالقدوس صاحب نے کیا ہے)

اوصاف وکمالات

فطرت نے قلب مصفی سے نوازا تھا،خانقاہ صوفی نے اس کومجلی کر دیا۔آپ کی زندگی میں مرشد صوفی کا رنگ اخیر عمر تک غالب رہا۔اتباع سنت آپ کا نمایاں وصف تھا۔ فروتنی،خاکساری،تواضع،خوش خلقی اور جرأت حق میں آپ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے۔ حب جاہ وحرص،طمع،خود بینی وخود رائی کا آپ کے پاس گذر بھی نہ تھا۔مداہنت سے کوسوں دور تھے۔حق گوئی شیخ کے ورثہ میں عطا ہوئی تھی۔بغیر کسی خوف و ملامت کے حق بات علی الاعلان کہہ دیتے تھے۔خلوص وسادگی،قناعت وخودداری کے آپ مجسم پیکر تھے۔

علمی استعداد بہت اعلی تھی،فنون مروجہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔مدرسہ عبدالرب دہلی کی روئیداد میں لکھا ہے:

''مولوی محمد میاں سورتی یہ ڈابھیل کے مدرسہ عربی میں مدرس ہیں،سنا گیا ہے کہ پچیس روپئے ماہوار اور دو آدمی کی خوراک ان کے واسطے مقرر ہے،یہ بہت مستعد اور قابل شخص ہیں۔لیاقت علمی بہت اچھی ہے لاجپور ضلع سورت کے رہنے والے ہیں۔مدرسہ کو اپنی سعی اور کوشش سے نفع پہنچاتے رہتے ہیں''۔(ماخوذ از: تذکرہ فیض رسانی)

خصوصاعلم فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔حق تعالی نے اپنے شیوخ کی برکت اور فطری ذکاوت وذہانت سے''من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین''۔(بخاری شریف ص۱۶ ج۱) کا سچا مصداق ممدوح کو بنایا تھا،اسی لئے اہم اہم مسئلہ کا جواب خداداد نور بصیرت و فراست سے بہت عمدہ تحریر فرماتے تھے۔اسی مناسبت فقہ کا نتیجہ تھا کہ آپ نے''نور

الایضاح'' کا ترجمہ فرمایا۔

تصنیف وتالیف

مدرسہ صوفیہ کی انتظامی ذمہ داری اور درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی رہا''نور الایضاح'' کے ترجمہ کے علاوہ ''باغ عارف'' کی ترتیب آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔جس میں آپ نے اپنے نانا جان حضرت شاہ سلیمان صاحب صوفی کے حالات وواقعات بہت تفصیل سے تحریر فرمائیں۔حق تعالی مرحوم کی اس علمی خدمت کو قبول فرمائے کہ آپ کی اس محنت شاقہ کا نتیجہ تھا کہ ہم جیسے بعد والے لوگ حضرت کی زندگی سے باخبر ہوسکے۔

موصوف کی ایک ناتمام تصنیف علامہ شوق حسن نیموی رحمہ اللہ(م:۱۳۲۲ھ) کی ''آثار السنن'' (جو احناف کے لئے بہت مفید اور کارآمد کتاب ہے) کا اردو ترجمہ ہے جو آپ کے قلمی بیاض میں موجود ہے۔ان کے علاوہ بھی مختلف رسائل ومضامین غیر مطبوعہ ہیں۔خدا کرے مولانا مرحوم کے اہلِ خاندان اس کی اشاعت وطباعت کی طرف توجہ فرمائیں۔

سفرحج

آپ نے ۱۳۴۲ھ میں سفرِ حج فرمایا۔اس سفر کے کچھ حالات موصوف نے اپنے قلم سے ''باغ عارف'' قدیم میں تحریر فرمائے ہیں۔حج بیت اللہ کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور واپسی پر شام، بغداد، بیت المقدس وغیرہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔مدینہ منورہ کے قیام میں حضرت شیخ محمد حبیب اللہ مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے حدیث مسلسل بالمصافحہ کا شرف حاصل ہوا۔اسی طرح دمشق کے قیام میں تمام کتب حدیث کی سند شیخ محمد بدر الدین

بن یوسف اور شیخ محمد یحی خطیب وامام دارالحدیث کی طرف سے ملی۔

شعروشاعری

آپ کو حق تعالی نے شاعرانہ ذوق بھی عطا فرمایا تھا۔راقم کے نانا مولانا ابراہیم صاحب ڈایالاجپوری مولانا ممدوح کے اشعار کے بڑے مداح تھے۔فرمایا کرتے تھے:

''ہمارے علاقہ میں فارسی کلام میں مولانا کا کوئی ثانی نہیں تھا''

اردواورفارسی میں آپ کا کلام مختلف جگہ شائع ہوکرخراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

وفات

آپ نے زندگی کی پچپن (۵۵) منزلیں طے کیں کہ امراض کا حملہ شروع ہوا،علاج و معالجہ کیا گیا مگر:ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

وقت موعود آچکا تھا، ۸؍شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵؍اکتوبر ۱۹۳۷ء سورت صوفی باغ میں شب جمعہ بوقت نماز مغرب جان' جان آفریں کوسپرد کردی۔

نعش لاجپور لائی گئی۔رات میں تجہیز وتکفین سے فراغت ہوئی اور بعد نماز جمعہ حضرت مولانا علی محمد صاحب تراجوی رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اوردین کی یہ امانت خاک کے سپرد کی گئی۔انا للہ و انا الیہ راجعون ع

خدا رحمت کرے اس صادق پاکیزہ طینت پر

رفت مولانا محمد ابن یوسف آہ آہ — بود عالم متقی با مروت خوش خصال

باغبانِ باغِ صوفی پیشوائے خاندان — درسگاہ صوفیہ راہم مدرس خوش خصال

فخر عالم فخر زاہد نیز فخر لاجپور — حسرتا واحسرتا شد فخر دیواں راوصال

ہشت شعبان پنجشنبہ وقت مغرب شد رحیل	یک ہزار و سہ صد و پنجاہ و شش بودند سال
سال پیدائش عزیز اکسیر اعظم میشود	سال عمر از جان بخواند یغفر اللہ انتقال
مولد اندر لاجپور و مدفنش ہم لاجپور	مسکنش سورت شدہ در باغ صوفی ارتحال
بر دعا تاریخ را کن اختتام عبدالکریم	مغفرت از حق بخواہ ترک کن ایں قیل قال

پس ماندگان

مولانا نے اپنے پیچھے چار صاحبزادے چھوڑے:

(۱):......مولانا عبدالقدوس صاحب۔

(۲):......مولانا عبدالعزیز صاحب۔

(۳):......مولانا احمد علی صاحب۔

(۴):......جناب سعید احمد صاحب۔

ایک صاحبزادے مولانا حکیم عبدالحئی صاحب مولانا کی حیات ہی میں انتقال فرما چکے تھے۔مولانا کے صاحبزادوں میں مولانا عبد القدوس صاحب مدظلہ (خلیفۂ مجاز حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مجددی جے پوری) آپ کے صحیح جانشین اور یادگار ہیں۔

وما مات من كانت بقاياه مثلهم شباب تسامى للعلى و كهول

تعزیت نامہ از حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب

مولانا مرحوم کی وفات پر آپ کے اخص الخاص رفیق ،راقم کے جدامجد حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے درد بھرا تعزیت نامہ لکھا،اس کی چند سطروں پران حالات کو ختم کرتا ہوں،آپ تحریر فرماتے ہیں:

’’افسوس شومیٔ قسمت سے میں اپنے ایک نہایت گہرے مونس و ہمدرد،مخلص رفیق، بہی

خواہ وصادق غمخوار، فاضل ہم عمر کو کھو بیٹھا۔ مرحوم کی الفت ومحبت و چالیس سالہ رفاقت وہم نشینی وہم لقمہ وہم کلامی ومذاکرۂ علمی اور ایک دوسرے پر فدائیت و چاہت کو کیسے بھول سکتا ہوں۔ افسوس حضرۃ الاستاذ مولانا احمد میاں صاحب مرحوم کے حلقۂ تلامذہ وحضرت شاہ صوفی صاحبؒ کے متوسلین کی پوری جماعت کا خلاصہ ونعم البدل وعلم وعمل کی سچی یادگار میری اور میرے ساتھ بہت سوں کی نظروں میں سے چھین لی گئیں۔ اور یہ علم وعمل کا درخشندہ ستارہ وصوفی خاندان کا روشن آفتاب اپنی عمر کی پچپن منزلیں طے کر کے کیا روپوش ہوا کہ پوری بستی کے اوپر سے رحمت کا سایہ اٹھ گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون، اللھم اغفرہ مغفرۃ تامۃ، وارحمہ رحمۃً واسعۃ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں مقام قرب نصیب فرمائے اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل واجر عظیم عطا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے سب برادروں کی بہتر کفالت فرمائے اور آپس میں الفت ومحبت واتحاد نصیب کرے آمین۔ والسلام:

مرغوب احمد عفی عنہ

۱۶؍شعبان ۱۳۵۶ھ

از رنگون

....

نوٹ:...... مولانا کے یہ حالات ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' رجب ۱۴۱۵ھ مطابق جنوری ۱۹۹۵ء۔ اور ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق اپریل ۱۹۹۵ء اور ماہنامہ ''ہدایت'' جے پور جون وجولائی ۱۹۹۵ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور اس کا گجراتی ترجمہ جو الحاج عبد القادر فاتی والا صاحب مدظلہ نے کیا ماہنامہ ''الاصلاح'' سورت ربیع الاول ۱۴۱۶ھ مطابق اگست ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔

تذکرہ فضلی مشہدی

وفات:......۷؍رمضان المبارک۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶؍اگست ۱۹۴۵ء۔

اس رسالہ میں بھروچ کے ایک بزرگ، فارسی و اردو کے ادیب، بے مثال شاعر، حضرت مولانا سید تجمل حسین صاحب فضلی مشہدی رحمہ اللہ کا مختصر تذکرہ اور آپ کے جو اشعار بآسانی مل سکے، ان کو جمع کیا گیا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

پیش لفظ

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ، اما بعد

کئی مرتبہ دوران مطالعہ حضرت مولانا تجمل حسین صاحب فضلی مشہدی رحمہ اللہ کا نام آ گیا، بعض مرتبہ ان کے اشعار پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا، اسی وقت سے ان کے حالات کا تتبع جاری رہا، مگر کوئی خاص حالات نہ ملے۔ایک مرتبہ برادر عزیز مفتی رشید احمد صاحب کے ساتھ بھروچ کا سفر ہوا تو ان کے مزار پر حاضری کا موقع بھی ملا، اس وقت مزار کے کتبہ پر مرقوم تحریر سے تاریخ وفات بھی محفوظ کر لی تھی، خیال تھا کہ کسی وقت ان کا تذکرہ لکھنے کا موقع ملا تو کام آئے گا، مگر کوئی ایسا موقع نہیں آیا۔ جامعۃ القراءات کفلیتہ میں گجرات میں تجوید وقراءات کی خدمات پر سیمینار کا اعلان ہوا اور راقم کے نام حکم نامہ آیا کہ میں اس سیمینار کے لئے ایک مقالہ لکھوں، ان حضرات کے حکم پر چند صفحات لکھنے کا موقع ملا، اس وقت ''تجوید مشہدی'' سامنے آئی تو پھر حضرت مرحوم کے حالات لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا، اسی داعیہ کا نتیجہ میں یہ چند صفحات مرتب کئے گئے ہیں۔ باوجود تتبع کے مرحوم کے تفصیلی حالات پر تو کامیابی نہیں ہوئی، البتہ کچھ مختصر حالات اور کئی نظمیں میسر آ گئیں۔ خیال آیا کہ حالات کے ساتھ ان کو بھی جمع کر لوں۔ حضرت مرحوم کے جملہ رسائل مل جاتے تو ممکن ہے اور کچھ حالات مل جاتے۔ کسی صاحب ذوق کے پاس ان کے رسائل ہوں اور برائے مطالعہ عنایت فرمائے تو راقم ممنون ہوگا۔ بھروچ کے ارباب مدارس ان کے رسائل کو تلاش کر کے شائع کروائے تو انشاءاللہ مرحوم کے لئے صدقۂ جاریہ ہوگا۔

مرغوب احمد لاجپوری

حضرت مولانا سید تجمل حسین صاحب فضلی مشہدی رحمہ اللہ

چند اوصاف

حضرت مولانا سید تجمل حسین صاحب فضلی مشہدی احمد آبادی ثم بھروچی رحمہ اللہ: کئی رسالوں کے مصنف ہیں۔ فن قرأت میں بھی ایک آسان رسالہ سوال و جواب کے انداز میں تحریر فرمایا۔ شعر کہنے میں ید طولی حاصل تھا، اردو فارسی کے بڑے عمدہ اشعار ابھی تک بھی محفوظ ہیں۔

والد ماجد

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا منشی سید امیر علی مشہدی رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے علم فارسی کے مسلم استاذ تھے، شہر بھروچ اور احمد آباد میں ان کے صدہا تلامذہ تھے۔ آپ کی فارسی و انگریزی گرامر مدتوں سرکاری اسکول میں داخل نصاب رہی۔ چند رسائل بھی تصنیف فرمائے، جن کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

آپ ٹھوس علم کے مالک، تقریر وکلام پر قادر الکلام، فضل و ذکاوت میں ماہر، شعر وشاعری اور سیر وتاریخ میں مہارت تامہ کے حامل، سرخیل ارباب عقول تھے۔

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ شب جمعہ کو رحلت فرمائی۔ آپ نے والد ماجد کی وصال پر کئی نظمیں کہی ہیں۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب ہزاروی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبد الحق صاحب ہزاروی رحمہ اللہ بطور خاص قابل ذکر ہے۔ موصوف نے ان کی وفات پر کئی تواریخی نظمیں بھی کہی ہیں۔

بیعت واصلاحی تعلق

آپ کا اصلاحی و بیعت کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبدالکریم صاحب محدث مرادآبادی رحمہ اللہ (خلیفۂ مجاز حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ) سے تھا۔ دادا پیر رحمہ اللہ کی محبت وعقیدت ہی کی بنا پر اپنے نام کے ساتھ فضلی کی نسبت لگائی۔

حضرت مولانا نے اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب محدث مرادآبادی رحمہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں جنوبی افریقہ کا سفر فرمایا اور وہاں ''مدرسہ انجمن اسلام'' ڈربن ناٹال' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ افسوس کے حضرت کے حالات زیادہ دستیاب نہ ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے تدریس کا ایسا عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ مختصر وقت میں آسان انداز میں طلبہ کو خوب تیار کرلیا کرتے تھے۔ دو سالہ قیام ڈربن میں آپ نے کچھ ایسا ضروری نصاب اردو' فارسی کا رکھا تھا اس قلیل عرصہ میں دو جماعتیں قابل فخر تیار کرلی تھیں، انہیں ضروری دینیات کی تعلیم کے ساتھ میزان منشعب' حفظ اور اس کا اجراء بھی مکمل ہوگیا تھا، اور اسی تعلیم میں پاؤ پارہ کا ترجمہ وتفسیر بھی سکھلانی شروع فرمادی۔

آپ کی تصنیفات کے اسماء یہ ہیں:

(۱)......تجوید مشہدی۔

(۲)......تہذیب احمدی۔

(۳)......سوال جواب مشہدی برائے مطالعہ اولاد مبتدی۔

(۴)......شربت رمان شرح قصیدہ نعمان۔

(۵)......کریمائے سعدی فارسی معہ کریمائے مشہدی اردو۔

(۶)......تعلیم المسلمین ترجمہ رسالہ شرح تعلیم المتعلم۔

(۷)......نقشۂ اوقات نماز۔

(۸)......نقشۂ تجوید ومخارج حروف۔

(۹)......نقشۂ نماز اور مشق ابجدی از نسق مشہدی۔

''سوال وجواب مشہدی'' بھی بہت مفید رسالہ ہے، اس میں ''تعلیم الاسلام'' کے طرز پر سوال و جواب کے انداز میں بچوں کے لئے بہت مفید معلومات اور ابتدائی باتیں جمع کی گئی ہیں۔ رسالہ میں ایک مضمون ''بیان الشعبان لاھل الایمان'' بھی قابل مطالعہ ہے۔ جس میں شعبان مہینہ کے متعلق مختصر مفید باتیں مثلاً: فضائل، مسائل، رسوم وغیرہ عمدگی سے جمع کی گئی ہیں۔ رسالہ پر اکابر دار العلوم دیوبند میں سے حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہما اللہ جیسے اساطین علم کی تقاریظ ہیں۔

اس رسالہ کی طباعت پر بعض قطعات بھی لوگوں نے رقم کئے، جن سے رسالہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، جو درج ذیل ہیں:

از جناب منشی نورالدین صاحب المتخلص بہ منیر

کیا رسالہ تجمل حسین نے تصنیف

کیا رسالہ تجمل حسین نے تصنیف پئے اشاعت دیں کیوں نہ ہو قبول انام

ہے فکر سال اگر تجھ کو اے منیر تو لکھ زہے جلادت ارکان اسلام

۱۳ ھ ۳۴

زتصنیف فضلی کامل ذکی

ہوئے طبع دینی سوال وجواب زتصنیف فضلی کامل ذکی
لکھو سال طبع رسالہ منیر درتاج تعلیم دین قوی

۱۳ ھ ۳۸

واہ کیا کہنا ہے فضلی خوب لکھا آپ نے

ہوگیا طبع یہ اچھا رسالہ اے منیر دین کے ارکان کی تلقین کا تفہیم کا
واہ کیا کہنا ہے فضلی خوب لکھا آپ نے قاعدہ ہے مبتدی کے واسطے تعلیم کا

فضلی بے بہا ہے عجیب وغریب

چھپے مشہدی کے سوال و جواب مفید خلائق ہے نسخہ عجیب
ہوئے فیض سے اس کے سب کامیاب صغیر و کبیر و غنی و لبیب
ہوئے مجھ سے تاریخ کے خواستگار مرے ہم نشیں مونس دل حبیب
تو کی عرض ملہم سے تاریخ ایک بلا تخرجہ تدخلہ ہو نصیب
کہا ہاتف غیب نے یہ کتاب فضلی بے بہا ہے عجیب وغریب

۱۳ ھ ۳۸

مولانا نے ابتدائی طلبہ کے لئے ’’تجوید مشہدی‘‘ کے نام سے ایک مفید رسالہ تحریر فرمایا، اس رسالہ کی صحت وتوثیق کے لئے یہی کافی ہے کہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی ثم الہ آبادی رحمہ اللہ نے اسے ملاحظہ فرما کر جامع ومختصر درج ذیل تقریظ

تحریر فرمائی:

حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن مکی ثم الہ آبادی رحمہ اللہ کی تقریظ

الحمد لاهله والصلوة على اهلها

احقر مدعا نگار ہے کہ یہ رسالہ ''تجوید مشہدی دلنواز مبتدی'' فن تجوید میں نہایت جامع اور طلبہ مجودین کے لئے نہایت مفید اور مسائل تجوید پر حاوی ہے۔اللہ تعالی اس کے مؤلف کو احسن الجزاء دارین میں عنایت فرماوے۔جن کی سعی وکوشش سے رسالہ مذکور مکمل ہو کر اہل اسلام کے لئے وسیلۂ نجات ہوا۔اور حق تعالی طلبہ مجودین کو توفیق عنایت فرماوے کہ ''تجوید مشہدی'' پڑھیں اور اس کے موافق عمل کر کے ثواب اخروی حاصل کریں،آمین یا **رب العالمين ، بحرمة النبى صلى الله عليه وسلم۔**

فقط:العبد عبد الرحمٰن عفی عنہ

مدرس اول مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد

اس رسالہ کا یہ نام ''تجوید مشہدی دلنواز مبتدی'' تاریخی ہے،اس لئے کہ:۱۳۳۶ھ میں لکھا گیا تو ''تجوید کے ۳۶/اور ''مبتدی'' کے ۱۳/تاریخی نمبرات ہیں۔اسی کو عرفی نام کے طور پر بھی باقی رکھا گیا۔مولانا نے یہ رسالہ سوال و جواب کے پیرایہ میں اپنے دونوں صاحبزادوں کے فرضی نام سے منسوب کر کے تحریر فرمایا ہے۔''شعبہ اشاعت کتب کفلیۃ'' نے رسالہ کو:۱۳۹۰ھ میں شائع کیا تھا۔

یہ رسالہ (یا اس کا کچھ حصہ) مرحوم نے دریائی سفر کے دوران بحری جہاز میں لکھا جبکہ آپ جنوبی افریقہ تشریف لے جا رہے تھے۔رسالہ کے آخر میں ''حسن الخاتمہ'' کے عنوان

سے آپ تحریر فرماتے ہیں:

’’خداوند کارساز و مالک بے نیاز کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ رسالہ ’’تجوید‘‘ اسی کے فضل وکرم والطاف وتوفیق سے اختتام کو پہنچا ہے، اگرچہ خاتمہ کے لکھنے کا خیال نہ تھا، مگر سال رواں بھی قریب الختم ہے اور بندہ کے اس پہلی مرتبہ کے سفر افریقہ کا بھی اخیر ہے اور دریائی سفر کی تالیفات سے یہ نسخہ بھی آخری تالیف ہے اور باردائ وطن مالوف اسٹیمر خسرو پر سوار ہے، جی نے چاہا کہ کچھ لکھوں، اس لئے صرف حسب حال نو تالیف ذیل کی نظم اور نقشۂ مخارج حروف پر اس کو ختم کرتا ہوں، وباللہ التوفیق وھو خیر الرفیق۔

نظم نو تالیف

خدا کا شکر کہ چلتی ہے خوب اسٹیمر — جب اس کا فضل ہو شامل تو کیسا خوف وخطر
اسی کے فضل وعنایت سے پار اتریں گے — اسی کے لطف سے پہنچیں گے ہم بھی اپنے گھر
خدا کا فضل کہ فضلی کو اضطراب نہیں — ہے تکیہ اس کا ہمیشہ سے فضل رحمٰن پر
فدائے شیخ طریقت کہ ان کا ہر ارشاد — ہے یاد اس کو برابر سفر ہو یا کہ حضر
کہ تیرا طرز عمل ہو طریق مصطفوی — ہو تیری سنت نبویہ پر ہمیشہ نظر
شبانہ روز تلاوت سے دل لگا اپنا — رکھ اپنے ورد وظیفہ میں ادعیات سفر
تلاوت ایسی کہ تجوید سے مزین ہو — کہ تا ہوں صاف ادا حرف اور زیر وزبر

تصنیفات کا مختصر تعارف

حضرت مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی مد ظلہم موصوف کے حالات میں مرحوم ہی کی تحریر کا اقتباس نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جن لوگوں میں جذبۂ علم وعمل ہے' ان حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے میرے پیر و مرشد مولانا شاہ عبد الکریم مرادآبادی اور قطب وقت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے ایماء و اجازت سے یہ کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد میرے کچھ مربیوں کے کہنے پر افریقہ جانے کا خیال ہوا، اور: ۱۳۲۴ھ میں گھر سے اس سفر کے لئے نکلا اس وقت سے: ۱۳۴۶ھ کے درمیانی عرصہ میں مختلف فنون میں پانچ (۵) رسائل تصنیف کیئے، اس کے بعد چھٹا رسالہ فن تجوید میں لکھا۔

مزید وضاحت:......ربیع الاول وربیع الثانی ۱۳۳۴ھ میں بحری سفر کر کے ایک چھوٹے سے جزیرے پیری زن آئلینڈ (perijan iseland) پہنچے اور وہاں ''تعلیم المتعلمین'' کی اردو شرح مع اضافات مفیدہ و ترجمہ شروع کیا (لیکن رسالۂ تجوید کی طباعت کے وقت مذکور شرح نامکمل تھی اور اس کے بعد علم نہ ہو سکا کہ یہ کتاب اتمام پذیر ہوئی یا نامکمل ہے)۔

اس کے بعد مجھے بر بنائے مجبوری ۳/ ماہ ''دال گُبّا'' (dal gubba) میں رہنا پڑا، جہاں بیماری میں مبتلا ہوا تو اس سے صحت یابی کے لئے اور مستقبل میں خدمات دینیہ جلیلہ کی توفیق ملے اس غرض سے ''قصیدۂ نعمان'' لکھا، جو فارسی زبان میں اشعار پر مشتمل ہے، اس کا تاریخی نام ''شربت رمّان مطلوب جان'' رکھا۔

بعدہ بقضاء قدرت الٰہی بندہ ڈربن (ناٹال) پہنچا، جہاں طفلان مکتب کو تعلیم دینا شروع کیا، اسی وقت دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان چھوٹے بچوں کی سہولت کے خاطر ایک رسالہ لکھوں، جس میں روزانہ پیش آنے والے ضروری مسائل سوال و جواب کے انداز میں جمع ہو جائے تا کہ بچوں کو یاد کرنے میں آسانی رہے، لہذا ''سوال و جواب مشہدی برائے مطالعۂ اولاد مبتدی'' تحریر کیا۔

پھر: ۱۳۳۵ھ کے اواخر میں ایک مشقی کاپی تیار کی جس میں الفاظ صاف اور صحیح لکھے جاسکیں، اس کا نام ''مشق ابجدی از نسق مشہدی'' رکھ دیا۔

اس کے بعد چھوٹے بچوں کو طہارت وصلوۃ کے مسائل یاد کروانے کے لئے ایک رسالہ لکھا کہ اچانک خیال ہوا کہ چھوٹی چھوٹی مسنون دعائیں بھی یاد کروائی جائے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے روزانہ کی پڑھی جانے والی ضروری دعائیں جمع کر کے ایک رسالہ لکھ دیا، جس کا نام ''تہذیب احمدی از ترتیب مشہدی'' رکھا گیا، اور تاریخی نام ''التجاءِ فیض'' ہے، جس کے اعداد سے سن ہجری کا علم ہوتا ہے۔

(عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات ص ۳۵۱)

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر حضور ﷺ کی محبت کا اظہار کرتے ہوئے جو قصیدہ پڑھا تھا، وہ عشق ومحبت سے لبالب اور درد وشوق سے لبریز ہے، اس کی شرح آپ نے لکھی جس کا نام ہے ''شربت رمان شرح قصیدہ نعمان'' قابل مطالعہ کتاب ہے، جس کا مطلع یہ ہے ۔

یا سید السادات جئتک قاصدا ارجو رضاک واحتمی بحماک

(سوال جواب مشہدی ص ۱۳۰)

اولاد

آپ کی تصنیفات سے ایسا لگتا ہے کہ مرحوم کے تین لڑکے تھے:

ایک:......سید محمد حسین مشہدی جن کی ولادت: ۱۳۲۰ھ میں ہوئی، اور وفات: ۱۳۲۵ھ میں یعنی پانچ سال کی عمر میں اللہ کو پیارا ہو گیا، اس کا تاریخی نام محمد ذوالفقار علی، بنتا ہے، اللھم اجلعه له فرطا۔

دوسرے:......سید مظفر حسین مشہدی جن کی ولادت: ۱۳۳۰ھ میں ہوئی، اس کا تاریخی نام مظفر علی ہوتا ہے۔

تیسرے:......سید یاور حسین مشہدی، مولود: ۱۳۳۴ھ، جس کا تاریخی نام سید نظر علی ہے۔

زوجہ محترمہ کی وفات کا حادثہ

اہل اللہ کی زندگی آزمائش سے عبارت ہے، حضرت مولانا کی زندگی میں آزمائش کے کئی مراحل گذریں، ان میں سے ایک عالم شباب میں زوجہ کی وفات کا حادثہ پیش آیا، مرحومہ کا نام بدر النساء تھا، عباسیہ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ مولانا نے مرحومہ کی وفات پر جو طویل مرثیہ لکھا اس میں مرحومہ کا کچھ تذکرہ اور دنائے فانی عبرت نام مناظر اور ضمناً شیخ طریقت کی خدمات وفیوض کا تذکرہ قابل مطالعہ ہے۔

وفات:......آپ کی وفات: ۷؍رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶؍اگست ۱۹۴۵ء میں بھروچ میں ہوئی۔ اپنے خاندانی مقبرہ میں مدفون ہیں۔ راقم کو ایک مرتبہ سفر ہندوستان کے موقع پر وہاں حاضری اور ایصال ثواب کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت مولانا رحمہ کے اشعار و نظمیں

سرسری تتبع سے حضرت رحمہ اللہ کے جتنے منظوم کلام ملیں، وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

وہ حضرت کا روضہ دکھا دے خدایا

وہ حضرت کا روضہ دکھا دے خدایا
جو تیرے ہیں محبوب خیر الورایا

یہ تجھ سے دعا میری ہردم ہے جب سے
مرے دل میں شوق زیارت سمایا

دکھا سبز گنبد مجھے یا الٰہی
مجھے آپ نے اس طرف ہے بلایا

مشرف زیارت سے کران کے مولا
کہ عالی ہے دارین میں جس کا پایا

مدینہ کی جس شخص نے خاک چھانی
اسی نے ہے بس کیمیا گر کو پایا

نہ محروم جائے جو ہو در پر حاضر
ہے دربار حضرت کثیر العطایا

یہ وہ ذات والا صفت ہے کہ جس نے
پلٹ دی ہے اک دم میں دنیا کی کایا

جو پھیلایا انوار توحید حق کو
تو چاروں طرف دین حق جگمگایا

اندھیرا جو تھا شرک اور کفر کا سب
بتائید حق آپ ہی نے مٹایا

کیا راز توحید سے سب کو ماہر
مسلمان جن و بشر کو بنایا

نگاہ کرم جس طرف کو پھرائی
تو لاکھوں کو اسرار وحدت سکھایا

الٰہی مدینہ دکھا اور بر لا
تمنائے فضلی کثیر الخطایا

نہیں پڑھتے ہیں ایک دینی رسالہ

اس عنوان کی ایک دلکش نظم ہے حضرت مرحوم نے ڈربن مدرسہ انجمن اسلام کے بچوں کی فریاد کے طور پر کہی تھی

بہت علم والا ہو جب حق تعالی — تو پھر کیوں نہ ہو علم بول بالا
جہالت سے ظلمات ہی کے برابر — ہے علم و ہنر نور و دانش اجالا
سوا علم کے کب صفائی ہے آتی — خبردار ہیں اس سے ادنی و اعلی
جہالت سے بدتر نہیں مرض کوئی — نہیں علم جس دل میں وہ دل ہے کالا
تجارت فلاحت میں یورپ کو دیکھو — کہ ہے علم سب کی ترقی کا آلہ
سوا علم اسلام اور دین کے لیکن — ہے کمزور سب جیسے مکڑی کا جالا
نہ قابل رہے دین و دنیا کے ہم کچھ — ہے تعلیم کا ڈھنگ سب سے نرالا
اگر علم دنیا کو تھوڑا پڑھا پھر — نہیں پڑھتے ہیں ایک دینی رسالہ
ہمارے لئے درسگاہ کون سی ہے — ہمارے لئے ہے خدا کا حوالہ
بنا کرتی ہیں غیر قوموں کی ہر دم — کہیں چرچ اسکول اور دھرم شالہ
دعا کے سوا اب نہیں چارہ اپنا — کہاں تک کریں علم کا آہ و نالہ
تو دنیا کا دے علم قدر ضرورت — پلا دے ہمیں علم دین کا پیالہ
یہ ہی آرزو ہے خدایا کھلا دے — ہمیں خوان تعلیم سے اک نوالہ
سدا خوش رہیں والدین اور استاد — جنہوں نے ہے کی پرورش اور پالا
منور بنا ہم کو علم نبی سے — الٰہی بنا دے ہمیں علم والا

شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے اشعار اور ان کا منظوم ترجمہ

کہ بے علم نتواں راخدارا شناخت

بنی آدم از علم یابد کمال	۱	نہ از حشمت وجاہ و مال ومنال
چوں از شمع از پئے علم باید گداخت	۲	کہ بے علم نتواں راخدارا شناخت
خردمند باشد طلب گار علم	۳	کہ گرم ست پیوستہ بازار علم
کسے را کہ شد در ازل بختیار	۴	طلب کردن علم کرد اختیار
طلب کردن علم شد برتو فرض	۵	دگر واجب ست از پیش قطع ارض
برو دامن علم گیر استوار	۶	کہ علمت رساند بدار القرار
نیا موز جز علم گر عاقلی	۷	کہ بے علم بودن بود غافلی
ترا علم در دین و دنیا تمام	۸	کہ کار تو از علم گیرد نظام

سوا علم پہچانے کیوں کر خدا

بشر علم ہی سے ہے پاتا کمال	۱	نہ شوکت سے اور دبدبہ سے نہ مال
طلب میں گھلا چاہئے موم سا	۲	سوا علم پہچانے کیوں کر خدا
طلب گار ہے عقلمند علم کا	۳	کہ ہے گرم بازار اس کا سدا
نصیبہ ازل میں ہوا جس کا یار	۴	کیا اس نے تحصیل علم اختیار
تجھے فرض ہوئی طلب علم کی	۵	سفر واسطے اس کے واجب ہوئی
تو جا دامن علم مضبوط تھام	۶	کہ جنت میں کردیوے تیرا مقام
سوا علم مت سیکھ دانا کبھی	۷	کہ بے علم رہنا ہے غفلت بڑی
کرے علم دین اور دنیا میں چست	۸	ترا کام سب علم سے ہو درست

سرانجام جاہل جہنم بود

دلا گر خرد مندی و ہوشیار ۱ مکن صحبت جاہلاں اختیار
زجاہل گریزندہ چوں تیر باش ۲ نیا میختہ چوں شکر شیر باش
ترا اژدہا گر بود یار غار ۳ ازاں بہ کہ جاہل بود غم گسار
اگر خصم جان تو عاقل بود ۴ بہ از دوست دار یکہ جاہل بود
چوں جاہل کسے در جہاں خار نیست ۵ کہ ناداں ترا از جاہلی کار نیست
ز جاہل نیاید جز افعال بد ۶ وزو نشنود جز اقوال بد
سر انجام جاہل جہنم بود ۷ کہ جاہل نکو عاقبت کم بود
سر جاہلاں بر سردار بہ ۸ کہ جاہل بخواری گرفتار بہ
زجاہل حذر کردن اولی بود ۹ کزوننگ دنیا و عقبی بود

جہنم ہے جاہل کا انجام کار

تو اے دل جو ہے زیرک و ہوشمند ۱ نہ کر جاہلوں کی تو صحبت پسند
تو نادان سے بھاگ چوں تیر کے ۲ نہ ہو مثل شکر کے اور شیر کے
ترا اژدہا ہوئے گر یار غار ۳ یہ اس سے بہتر کہ جاہل ہو یار
ترا دشمن جاں جو دانا ہوا ۴ تو وہ یار ناداں سے ہے بھلا
نہ دنیا میں جاہل سا ہے کوئی خوار ۵ بڑا ناسمجھ ہے جہالت شعار
نہ جاہل سے جز فعل بد کے بنے ۶ نہ اس سے سوا قول بد کے سنے
جہنم ہے جاہل کا انجام کار ۷ کہ نیک عاقبت کم ہے یہ نابکار
ہے سولی پر سر جاہلوں کا بھلا ۸ ہے ذلت میں جاہل کا پھنسا بھلا
نہ کر ساتھ تو جاہلوں کا نہ سنگ ۹ کہ دنیا و عقبی کا ہے اس سے ننگ

سکھاؤ بال بچوں کو ضروری علم دین پہلے

سکھاؤ بال بچوں کو ضروری علم دین پہلے
دکھاؤ تم لڑکپن ہی سے قرآن مبین پہلے
پڑھاؤ بعد بسم اللہ شریف با تا کی تخشین
سکھاؤ پھر کلام پاک رب العالمین پہلے
پھراس کے بعد ہو اپنی زبان میں دیں کی تعلیم
مسائل سے واقف جو ہو دین متین پہلے
ذرا سوچو فرشتے کہہ رہے ہیں آسمانوں پر
کہ دو تعلیم دین بچوں کو اے اہل زمین پہلے
ترقی گر تمہیں منظور ہے اسلامیو اپنی
سکھاؤ دین چھوڑو آں چناں وایں چنیں پہلے
ضروری یہ بھی ہے آراستہ ہوں علم دینی سے
مسائل دین کے جانیں جو ہیں پردہ نشین پہلے

حضرت مولانا احمد میاں صاحب صوفی لاجپوری رحمہ اللہ کی وفات پر

بروصالے پرملالش چوں نگرید آسماں

مولوی احمد میاں چوں کر درحلت از جہاں
بر وصالے پر ملالش چوں نگرید آسماں
عالم و فاضل مقرر صاحب فکر رسا
خوشہ چیں مجلسش بودند جملہ ایں و آں
شغل تدریس وکتب بینی غذائے روح او
بود مرد فلسفہ داں فخر ابنائے زماں
فی البداہت نظم کردے ہرچہ دردل آمدے
دستگاہش تام بد بر فارسی عربی زباں
مولد و ہم مرقدش یک موضع دار السرور
جائے مردم خیز و دلکش لاجپور آمد نشاں
از توابع ہائے سورت تحت نواب سچین
شد ڈورا ردو بار فروش از پہلو رواں
سال ترحیلش زفضلی گر بپرس اے نکو
یک ہزار وسہ صدوہم بست ہفت از ہجرداں
شد غروب آفتاب علم میگوئی تواں
بعد مغرب چوں کہ آمد درزمین تدفین آں

حضرت مرحوم کو بانی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل حضرت مولانا احمد حسن بھام سملکی رحمہ اللہ سے والہانہ محبت تھی، قدیم تعلق اور دوستانہ حق کی ادائیگی میں جب آپ کی وفات کی خبر سنی تو مضطربانہ قلم سے یہ نظم کہی۔

نتیجۂ فکر از: حضرت فضلی مشہدی

بروفات حسرت آیات مولانا احمد حسن بھام سملکی رحمہ اللہ

ہے سبق آموز عبرت خیز دنیا کا چلن
بے زوال و لا فنا ہے ذات باری ذوالمنن

گل ہوئی وہ شمع صد افسوس ہے کہ جس کے سبب
بن گئی اندھیر خانہ دوستوں کی انجمن

نام تھا احمد حسن اور بھام تھا جن کا لقب
قوم کے پیچھے کھپایا جس نے اپنا جان و تن

خادمِ اہل وطن تھے مولوی احمد حسن
ماہر علم شریعت زینتِ بزمِ سخن

طالب علمانہ وہ ہندوستان میں پھرتے رہے
رہنمائی کے لئے ملتے تھے شیخ و برہمن

جب سیاحت سے تھکے ماندے ہوئے ہیں آپ تب
کانپور آخر ہوا ان کے لئے مثل وطن

بعد اس کے شہر دہلی میں رہے ہیں مدتوں
یعنی وہ دہلی جو واقع ہے بدریائے جمن

کتنی تکلیفیں اٹھائیں جستجوئے علم میں
منزلیں تحصیل کی بیشک ہیں ایسی ہی کٹھن
اپنی بستی کے لئے کی وقف ساری عمر کو
آپ حاصل کر چکے جس وقت کہ ہر علم و فن
ازپئے تعلیم دین تھے بانی دارالعلوم
موضع ڈابھیل سملک میں جو تھا خود کا وطن
منہمک تھے اس کی خاطر روز وشب حد سے سوا
عزم افریقہ کیا پھر چھوڑ کر فرزند و زن
جابجا اس کے ہی ذکر وفکر میں مصروف تھے
راہ میں اس کے لئے کیا کیا سہے رنج ومحن
سب سے یکساں گفتگو تھی سیٹھ ہو یا ہو فقیر
خیر خواہی سب کی تھی مدنظر سر و علن
قلب میں تھا درد علم دین کی ترویج کا
بچوں کی تعلیم کے رکھتے تھے سینہ میں لگن
سادگی سے ملبس تھے تصنع سے بری
ان کے جیسے اور کم دیکھے گئے اہلِ زمن
قوم کی وہ خدمتیں کی ہیں کہ جس کی شرح سے
واقعی سچ کہہ رہا ہوں بند ہے میرا دہن
انتقال پر ملال صادق الاخلاص سے

آج ثابت ہوگئی دنیا مجھے دار الحزن

حق کی مرضی یوں ہی تھی کیا کیجئے جز صبر کے

سامنے تقدیر کے بیکار ہے سارا جتن

گیارہویں ماہ محرم روز پنج شنبہ کا تھا

قبل مغرب چھپ گیا زیر زمین ان کا بدن

الٰہی مغفرت کی چادریں ان پر چڑھا

وقف اس کے واسطے کر اپنی رحمت کے چمن

مصرع تاریخ فضلی مشہدی نے یوں کہا

جنتی تھے مولوی عالم ہمہ احمد حسن

۱۳۳۷ھ

مولوی احمد حسن راح الی دارا لبقا

مولوی احمد حسن راح الی دارا لبقا

الذی کان حبیبی احسن اللہ الیہ

قال فضلی مشھدی متأسفا عام الرحیل

ماتت احمد اٰھا اٰھا رحمۃ اللہ علیہ

۱۳ ھ ۳۷

محبّ صادق مولوی احمد حسن رحمہ اللہ علیہ

محبّ صادق مولوی احمد حسن رحمہ اللہ علیہ

۱۳ ۳۷

راہی ملک بقاء شد مولوی احمد حسن

حسرت و صد حیف افسوس کر دار المحن
راہی ملک بقاء شد مولوی احمد حسن

بود از قوم بواہر بھام آمد عرف والے
خیر خواہی کرد بہر قوم خود از جان وتن

بود نیک مرد نیک سیرت عالم ومحنت گزیں
سعی بیحد کرد در ترویج دیں وعلم وفن

فکر سال رحلتش چوں کرد فضلی مشہدی
گفت ہاتف صبر کن غمگین چرا باید شدن

اول یٰسین و آخر ہود خواں بہر ثواب
تاردانش شاد گرداند خدائے ذو المنن

ہر دوایں یا مصرع آئندہ ضم کن بہر سال — یازدہ ماہ محرم فوت شد احمد حسن

یا اور دال کے عدد: ۱۵ — ۱۳۲۲

۱۳۲۲

۱۵

....

۱۳۳۷

وصال محبّ شہید قوم احمد گیارہ محرم

وصال محبّ شہید قوم احمد گیارہ محرم

۳۷ ۱۳

فن قرأت وتجوید کی اہمیت پر
کسی وقت اس ضروری فن کی جانب ہم بھی مائل تھے

کلام اللہ بندوں کے لئے ہے نعمت عظمیٰ
جو اس کا ورد رکھتے ہیں' نہیں کھٹکا انہیں اصلا
اگر چہ معنوی برکات سے محروم ہیں اکثر
اور اس کے فہم مطلب سے ہیں عاری پیر اور برنا
مگر پھر بھی نہیں محروم دربار الٰہی میں
ثواب ان کو بھی ملتا ہے، ہے سب پر رحمت مولا
اس کا فضل اور انعام ہے کہ ہم کو دیتا ہے
ثواب بے حساب اللہ تعالیٰ حرف حرف کا
افسوس ہے اس کا کہ پڑھتے ہیں سدا اس کو
بلا سمجھے بلا بوجھے ، بلا اظہار اور اخفا
خبر ہم کو نہیں ہے وقف کیا ہے، وصل کیونکر ہے
تلاوت کے ہیں آئین کیا، قرأت کا ہے کیا منشا
مخارج سے نہیں واقف، صفاتوں سے ہیں بے بہرہ
نہیں ہم جانتے ادغام کیا ہے، قاعدہ مد کا
ذرا سوچیں ذرا سمجھیں کہ یہ عربی زباں میں ہے
تو اس کے ہی طریقے سے ہمیں بھی چاہئے پڑھنا
کسی وقت اس ضروری فن کی جانب ہم بھی مائل تھے

ہزاروں استاد اس کے مجوّد اور تھے قرّاء
جو عالم تھے مجود تھے، جو فاضل تھے وہ تھے قاری
کتابیں اس ضروری فن میں لکھی جاچکیں ہیں صدہا
جو ہیں اہل زبان ان کے لئے کچھ بھی نہیں مشکل
عرب میں آج بھی گھر گھر ہے اس تجوید کا چرچا
مگر ہم ہند والوں کی توجہ اس طرف کم ہے
ہو حافظ یا ہو عالم یا امام مسجد ملا
گھٹا غفلت کی چھائی ہے دلوں پر اس قدر واللہ
کہ بھولے بیٹھے ہیں اپنے بزرگوں کا جو تھا شیوا

’’مدرسہ انجمن اسلام ڈربن‘‘ کے افتتاح کے موقع پر

۱۳۳۶ھ میں ’’مدرسہ انجمن اسلام ڈربن‘‘ ناٹال جنوبی افریقہ تعمیر ہوا، اور اس کی افتتاحی تقریب حضرت مرحوم شہیدی رحمہ اللہ کے ہاتھوں ایک شاندار جلسہ میں ہوئی۔اس موقع پر ایک قطعہ اور ایک نظم کہی گئی تھی، جو درج ہے:

قطعہ

انجمن اسلام از فضل خدا درسگاہے ساخت از مسجد جدا
گفت فضلی مشہدی وقت بنا مَـدْرَسَةٌ فِيْهَـا اِفَادَةُ الْهُدٰى

بحمد اللہ زسعی انجمن اسلام در ڈربن

بحمد اللہ زسعی انجمن اسلام در ڈربن
مکان مدرسہ تعمیر شد پر فیض چوں گلشن

زوجۂ محترمہ بدرالنساء رحمہا اللہ کی وفات پر۔ ۲۳ر سال کی عمر میں اس کو منظوم فرمایا۔

رَبِّ اَکْرِمْ رُوْحَهَا وَارْحَمْ بِهَا وَاغْفِرْلَهَا

ان للدنیا فناء لیس للدنیا بقاء
راست آمد آنچہ گویند انما الدنیا فنا
اللہ اللہ ایں چہ دار امتحان و محنت است
اندروں نفسے نباشد خالی از فکر و بلا
کموت ہستی اگر پوشید کن بالائے خود
باگہاں خواہد شد آں آخر فنا آخر فنا
ماہر دیان جہاں آخر بپوشیدند رخ
چہرۂ زیبائے خود را ساختہ پنہاں زما
بلبل عشقم کہ از روز ازل آزاد بود
وید چوں باغ جہاں برگل بنے گشتہ فدا
آنچناں آویخت در زنجیر مہرش عشق من
کہ نہ امکان جدائی داشتم یک لمحہ را
مدتے ایں راز پنہاں داشتم در وسط دل
سوختم دل اندروں الا نگفتم بر ملا
یک زمانے ایں چنیں بروم بآخر بخت خیر
کرد بیدارم شدم محظوظ ازو بے انتہا
ہمبریں سوال بگذشتہ نباشد چند سال

کہ پہر دون پرست انداخت مارا از وجدا
گر چہ ظاہر دور افتادم ولے از راہ دل
رشتہ الفت بدو وابستہ بود از رازہا
ایں چنیں بگذشت در درویش ماہ یازدہ
در شکر خوابی کہ بودم ناگہاں آمد ندا
از چہ رفت دل دارت ترا بگذاشتہ
سوئے دار خلد و دارت گشت پر شور و بکا
از سماع ایں خبر از ہوش رفتم بے خبر
چوں عقیق البرسیہ میریخت چشم اشک را
اندریں بودم کہ نامہ بر مرا خطے بداد
چوں کشادم طاقت گفتن نمند آندم مرا
راست دیدم واقعی قول حکیمان جہاں
گفتہ اند دل رانباید بست با خلق خدا
خوش بود نفس کہ خالی باشد از مہر تباں
اندریں عالم کسے باشد کہ او دارد فنا
آنکہ او خود فوت خواہد شد بود دنیائے دوں
درستی دل بستگی را کے سرد فانی سرا
فضلیا گر فضل رحمٰن شامل حالت بود
صاف ساری قلب را اول زحب ماسوا

نفس خود را اولیں باید شناخت انساں را
ہر کہ نفس خویش نشناسد کجا یابد خدا
اہل دنیا جان خود بازند بر عشق مجاز
زیں سبب دور اوفتادند از حقیقت را سہا
معرفت چیزے دگر باشد طریقت ہم چنیں
ہر سہ ایں موقوف بر شرع شریف مصطفیٰ
ہم رضائے حق بکل کار جہاں مطلوب دار
دین نگردد حاصلت جز اتباع مجتبیٰ
چوں گل ریحاں معطر ساز قلب خویش را
استقامت نیز گیری بر رہ خیر الوریٰ
ہر چہ گفتم فضلیا ایں از پے اصلاح دل
بہر ایں باید ترا ایک رہبرے پیر ہدیٰ
تا ندادی جان وتن ہم دست رادر دست پیر
کے کشاید بر دل تو سرّ فخر الانبیاء
ہم چو لاشہ در ید غسال سازی خویش را
تابع فرمان بشو در ہر چہ گوید مر ترا
للہ الحمد آنچہ شاید رہبرے را در جہاں
گشت کامل مدعا از فضل رحمٰن مدعا
اسم آنحضرت بلب راندن بود سوء ادب

ہاں بگویم شیخ کامل عارف حق مقتدا
موئے مویش غرق دراحوال ذات احمدی
اتباع سنت آمد روح آں را چوں غذا
جان وتن قرباں بسازم برقدمہائے حضور
فوق راسی ظلہ مبسوط با دار بنا
پیش ازیں من ہر چہ گویم کم بود در وصف او
اول و آخر بود حق لائق حمد و ثنا
باید اکنوں اینکہ قلب خویش را راضی کنی
تا بکے آہ و فغانت بر متاع لا بقا
بخت اقبال فنارا تو بمثل سایہ داں
قلب اگر اقبال گردد ہم بود آں لا بقا
چشم انسان کے شود پر ہاں مگر از خاکداں
آدمی زادہ کہ مملو ہست از حرص و ہوا
آں تنگ ظرفے کہ بر اسباب دنیا دل نہد
زود بینی در جہاں کو در بدر گردد گدا
خواب وخور بسیار کردی عیش وعشرت ہم بسے
ہیچ سامانی نہ بودی آخرت را فضلہا
ہر کہ آید لا محالہ مے رود در زیر خاک
ایں چنیں رسمیت جاری اندریں دیر دغا

خواندہ باشی در کتب اخبار پشینان تمام
یک بیک رفتند آخر انبیاء و اولیاء
ہر کہ خواہد او کند جملہ جہاں در حکم او
باید انسان را باحکام قضا دادن رضا
بر سر خلق ہر چہ آید می رود از نیک و بد
تاب انسانی نباشد تا کند رد قضا
تا توانی روح آں خوشنود و سازی از دعا
درد ہجرت را نباشد جز دعا دیگر دوا
نے جرح باشد اگر از بہر تسکین رواں
ہم دعا وجملۂ تاریخ ہم گوئی و لا
خوش بود گر گفتہ آید صوری و ہم معنوی
نے بود مشکل ترا گر گوئی از فکر رسا
یک ہزار و سہ صد و ہم بست و سہ از ہجر داں
بست و دوم از محرم بود یوم الاربعاء
چوں بگرداب تفکر رفت عقل و ہوش من
ایں ندائے ہاتف آمد فضلی دلدادہ را
سال رحلت جملہ آخر بگو بہر دعاء
رَبِّ اَکْرِمْ رُوْحَهَا وَارْحَمْ بِهَا وَاغْفِرْلَهَا
۱۳۳۶ھ

حضرت مولانا نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا منشی امیر علی صاحب مشہدی رحمہ اللہ کی وفات پر کئی مراثی نظم کئے ہیں۔

اس نظم میں ''حضرت مولانا منشی امیر علی صاحب المشہد ی'' نام کے ہر پہلے حرف سے نظم کہی گئی ہے۔

ہیچ علاج نبود درد وجدائی را آہ

ح حیف بر حیف کہ آن مخزن علم ایقاں
ض ضیغم عرصۂ دانائی و مرد میداں
ر راہی ملک عدم گشت چو زین دار فنا
ت تا جنت آورو بمن عسکر غم در دل و جاں
م مالک ملک سخن بود چو پیران کہن
و والی شہر ذکا فاضل و ہم فارسی داں
ل لمعۂ نور درخشان ز جبنش روشن
ا آنچناں نور کہ باشد نہ نبرایش نقصاں
ن نام نامی گرامیش سمی حیدر
ا اسم سنامیش بود عزت امراء جہاں
م ماہر فن سیر واقف تاریخ بشر
ن ناظم سلک درر مورد فیض سبحاں
ش شاعر نیک بیاں ناثر شیریں تبیاں
ی یا بنظم آمدہ ہمچو بصیفہ عنواں

س سالک مسلک حضرت را قدریہ
ی یا ارباب کرم رشک فزائے خوباں
د دانہ خرمن بینائی وصنع و حکمت
ا انجم انجمن مشورت دانایاں
م مشعل انجمن اسرا خدا دانی را
ی یاسمینیکہ دہد بو بمثال ریحاں
ر رایت افراز نکو نامی ذا خلاق نکو
ع عاشق صادق تقویم قیام ایماں
ل لب اصحاب رضا مظہر الطاف خدا
ی یاور قوم قوی قلب چو شیر غراں
ص صوفی صافی و ہم حامی اسلام متیں
ا آنکہ آید نہ مثالش نہ نظیرش بہ بیاں
ح حسرت از قلب بروں آید و بالا گردد
ب بسکہ آنماہ علو میکہ بخفتہ است نہاں
ا آہ صد آہ کہ رفت از سر من آں سایہ
ل لیل تاریک شدہ روز من سر گرداں
م مصرع دومی بودم زرباعی آں
ش شدرہا عیش پریشاں شد چوں از ما پنہاں
ہ ہیچ علاج نبود درد و جدائی را آہ

د درد ہجرت کہ بود ہیچ ندارد درماں
ی یاس من تا بکجا دست دہد در عالم
. آخرش روز قیامت بشوم زد خنداں
. فضلیا ہیچ مرنجاں دل خود از ہجرش
. بر سر خلق رود ہم چنیں آئین جہاں
. می سزد گر بنویسی سن رحلت اکنوں
. تا بگیرد دل تو از غم او اطمیناں
. از سر مصرعہ ہر کس کہ بگیرد حرفے
. مثل تو شیخ بگرد و علم نام عیاں
. آں مصاریع کہ محسوب شوند بہر سال
. سی و پنج آمد آنجملہ ز فضل رحماں

سایۂ آں مخزن علم وکمال

چوں گرفتار مرض شد والدی بعد ازاں شد راہی ملک عدم
ترک دنیا کرد پیوستہ بحق بمعنان رحمت رب الفلق
از سرم رفت آہ چوں آمد وبال سایۂ آں مخزن علم و کمال
رنج تنہائی زبونم ساختہ چشم گریاں غرق خونم ساختہ
سوزدم داغ یتیمی روز و شب ہست بے سود ایں ہمہ رنج وتعب
آلا ازیں آفت بر سر اوفتاد وعدۂ وصلش بحشر اوفتاد
حیف آں سرخیل ارباب عقول کرد در کنج لحد قبول
سنگ رنج دوری او متصل شیشہ دار احباب را بشکستہ دل
شد چو ایامم بہ دل تنگی بسر گفت ہاتف صبر کن ہاں اے پسر
کے سزائے آدمی غم خوردن است فکر تاریخ وفاتش کردن است
چوں بگوشم آمد از وے ایں ندا آں زمانم رفتہ ہوش آمد بجا
پس بجز خوض وفکرت پا زدم تا کہ من غواص ایں دریا شدم
ناگہاں تاریخ مرحوم لئیق گفت ہاتف داخل گلشن عقیق

اس کی ابتدا ﴿ انی متوفیک و رافعک الی و مطھرک ﴾ کے پہلے حرف سے ہے

فرحت مبدل است زغمہائے بیکراں

ا اے رزاق حقیقی واے خالق جہاں ن ناصر بجز تو نیست کسے بہر بندگاں

ی یارب چہ چارہ سازم وتدبیر چوں کنم م من حال خویش پیش تو تقریر چوں کنم

ت تو عالم غیوبی و غفار ذو المنن و واللہ جز تو نیست کسے دستگیر من

ف فرحت مبدل است زغمہائے بیکراں ی یارائے صبر نیست فردگشت دم نہاں

ک کان سایہ پدر زمن زار شد جدا و واحسرتا چہ گشت شقاوت نصیب

ر رفت از جہاں بوقت سحر بست وشش میں ا آوینہ بود از مہ رمضان بالیقیں

ف فارغ شد از مکائد دنیائے نابکار ع عیش و طرب گزید بفرمان کردگار

ک کردہ دلم بفرقت اوبس ضعیف وزار ا آمد برائے تعزیتم غم ہزار بار

ل لبیک گفت بر سخن داعی اجل ی یارائے قیل وقال نبودہ است برمحل

و واصل شدہ بمغفرت ورحمت خدا م مارا گزاشتہ بغم و گریہ و بکا

ط طرز کلام فضلی غمگین چوے شنید ہ ہاتف بگفت خوب بسفتی در جدید

ر رفتہ شکیب وصبر سن دیگر آمدہ است ک گز اجتماع حرف اوائل ہم آیت است

تاریخ انتقال مولانا عبدالحکیم صاحب

آپ کے ایک کرم فرما محبّ صادق مولانا عبدالحکیم صاحب چشتی کی تاریخ وفات پر

حافظ و حاجی بحذاقت حکیم سوئے جناں رفت بقلب سلیم

گفت بہ فضلی پے رحلت شرش خلد نشین مولوی عبد الحکیم

۲۱ ھ ۱۳

آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہزاروی رحمہ اللہ کے انتقال پر کہی گئی تواریخ۔کمال یہ ہے جس وقت آپ نے یہ تواریخ کہی ہیں اس وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ (۱۸) سال کی تھی۔

کر کے رحلت گئے سوئے جنت

وائے استاد میرے ذی عزت
کر کے رحلت گئے سوئے جنت

سترہ جب ہوئی محرم کی
اور جمعرات کا دن آیا بھی

موت بالیں پہ ہوئی آکے کھڑی
روح جب مرغ صفت تن سے اڑی

فکر تاریخ ہوئی مجھ کو کمال
بولا تب ہاتف زریں پر وبال

کہو فضلی بحساب ابجد
گل ہوا آج چراغ امجد

۱۸ ھ ۱۳

شکستہ کرد دل شیخ وشاب رایکسر

دریغ و درد کہ مولائے ما بآزادی
چو سرو بود زدی کوس وطبل استادی

ازیں جہاں چو مے کل من علیہا فان
زدست دہر چشید و بمرگ شد تو امان

شکستہ کرد دل شیخ وشاب رایکسر
برید از ہمہ احباب و بست رخت سفر

چو استانی و چو اوستاد یاد آرم
بفرق خاک بریزم زدیدہ خون بارم

درنگ نیست سرائے سپنج راز نہار
کہ مرگ را بکند براجل گرفتہ سوار

کسیکہ زیر سماوات سبع پیدا شد
چو وقتش آمدہ معذوریش ہویدا شد

کسیکہ از دورہ بول آمد و آید
زمانہ بروخ او باب مرگ بکشاید

ہر آنکہ در برخود کسوت وجود کشید
جہاں گذاشتہ در خطۂ عدم برسید

ملک بگفت بہ فضلی چو سال کردطلب وفات یافت مبارک نہاد اوج ادب

کہ کنندش بعبد حق موسوم

وائے از جور دہر بوقلموں کہ نشستہ جہانیاں در خون
یعنی آں مقتدائے اہل علوم کہ کنندش بعبد حق موسوم
شد بیوم الخمیس مرگ نصیب راست گفتند النصیب یصیب
ہفدہم از مہِ محترم بود کز جہاں رفت آں جہاں محسود
مولدش خاص بود در پنجاب آنکہ آمد مرکب از پنج آب
حالیا در کٹھور دارد بود آمد از وے چہ فیضہا بوجود
ہر چہ آرم ز وصف او برفم ہست ہر جملہ نسبت او کم
تا کٹھور آمدہ سراپا نور گشت تاریکئ جہالت دور
ظلمت جہل وشرک وبدعت شوم شد تدبیر او ہمہ معدوم
خامہ آمد شکستہ پاچہ کند در رہ وصف او قدم چہ زند
چوں مرا جستجوئے سال وفات بیشتر بود از ملال وفات
غرق بودم بہ بحر فکرت دوش ناگہاں گفت ہاتفم در گوش

حضرت مولانا مرحوم جس وقت اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالکریم صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ (خلیفۂ مجاز حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ) کی خدمت میں بغرض بیعت: ۱۳۲۲ھ میں گنج مرادآباد حاضر ہوئے، اس وقت بعد حصول تعلیم وتلقین بہ عالم شوق یہ قصیدہ منظوم فرمایا۔

زفرق تابقدم غرق بحر عصیانم

زفرق تا بقدم غرق بحر عصیانم
تباہ کار و سیہ ز آتش گناہانم

ہزار حیف کہ عمرم بشد بنادانی
گذشت اکثر عمرم کنوں پشیمانم

بہ بے بضاعتی خویش فکر فردا نیست
ملوث است بہ کبر وغرور دامانم

خدا بخیر گذارد نمی دہد سودے
ندائے ناصح شب بانگ بامدادانم

اگر عمر گذشتہ است درچنیں وچناں
ولیک چشم بدارم ز عفو سبحانم

عبث بود بمن زار فکر و مایوسی
ضرر نمی دہد انجام کار چندانم

ازآنکہ رحمت حق کردہ برغضب سبقت
امید بستہ بانعام وفضل ورحمانم

کنوں کہ تنگ شدم از غموم دنیاوی
بجان خویش طلب گار عفو وغفرانم

بیمن ہمت ارواح قدسیہ یا رب
بکن منازل عشقیہ صاف وآسانم

تہی بکن دل من از خیال ایں وآں
کہ طالب رہ صدق وصفا وفیضانم

قناعت است وتوکل مرا بہر کارے
کہ ہست ہمت ایں خیل میر سامانم

بغیر ہمت قلبی بود ہمہ بے سودے
نماز وحج وزکوۃ وصیام رمضانم

صفائے قلب کہ موقوف علیہ اعمال است
بغیر آں ہمہ بیکار محض میدانم

فساد قلب بود مصدر خرابیا
صفائے قلب بود راس واصل ایمانم

فیوض برکت اصحاب نقشبندیہ زہر کجا کہ بیابم ز قلب جویانم
بلوح قلب منقش شدہ است ذکر خفی منقش است دل از نقش نقشبندانم
چہ دل کش ست وطرب خیز سیر ایں گلشن معطر است دماغ از نسیم بستانم
مراقبات باذکار نقشبندیہ بباد موجب ترطیب قلب بریانم
گہے بہوش بباشم کہے شوم مدہوش گہے بہ گریہ وزاری وگاہ خندانم
نگاہ ساقی میخانہ کرد مست الست نگین قلب حزیں است عہد و پیمانم
بدام زلف بتاں قید گشت طائر روح نگاہ کشتہ و چشم سیاہ جانانم
چہ لذتیست کہ از درد عشق شد حاصل ندارم از پئے ایں احتیاج درمانم
زحال باطن من آگہی نمی دارد چہ فائدہ بدہد ایں طبیب یونانم
پناہ چشم بدکور باطناں یا رب کسے نجست بتحقیق راز پنہانم
چو شمع منبع نورم بہ بزم اہل یقیں برزم اہل ریاضت مرد میدانم
بمن فیوض کہ آید زمبدء فیاض مبر خیال کہ کم از سحاب نیسانم
نگاہ حضرت عبد الکریم قدوۂ وقت نمود مظہر اعجوبہ ہم چو مستانم
زہے حلاوت خدمت کہ روز افزوں باد نثار طرز وطریق حضور از جانم
فدائے مرشد پاکم کہ داد آگاہی زنکتہائے حدیث ورموز قرآنم
ہزار شکر رسیدم بسمت گنج مراد زہے سعادت ازلی نصیب حرمانم
چو بار یافتہ ام در جناب آنحضرت نہ حاجت است دگر از رضائے رضوانم
متاع ہر دو جہاں ہیچ پیش دربانی بہ خانقاہ احادیث شیخ دربانم
زبحر فیض چو من یافتم در مقصود بملک جاہ وجلالت بکرد خاقانم

مے سرور بینداخت فضل رحمانی بجام مرشد من بحر فیض دریانم
براہ مرشد خود میرود قدم بقدم ازیں شدہ است برایشاں رضائے منانم
بایں غلام بسے چشم لطف فرمایند چو تکیہ کردہ بالطاف نقشبندانم
شگفتہ دار خدا چوں سدا بہار مرا بباد ہمت ایں طائفہ نگہبانم
زمردماں کہ تصنع بسادگی ورزند پناہ بخش خدایا ز وضع ایشانم
ولے باہل حقیقت بوند چوں خرساں خداز مکر چنیں احمقاں بگردانم
بحال و قال مراد بباطن و ظاہر بکن مزین ومحمود وصاف شایانم
ثبات بخش خدایا بقول ثابت حق دراں زماں کہ ز قالب بروں رود جانم
طفیل صدقۂ نعلین سید الثقلین امید ہست کہ یارب بری زایمانم
دوام از کرم خویش بہرہ در گرداں بکن ہمیشہ مراست جانم عرفانم
از آں بفضل تو فضلی وثوق میدارد کہ من بسلسلۂ قدس فضل رحمانم

ذکرِ امروہی

ولادت:......۱۲۷۷ھ۔

وفات:......۲۳؍جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲؍مئی ۱۹۴۷ء۔

یعنی حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب امروہی (المعروف بہ بابا امروہی رحمہ اللہ) کے حالات زندگی۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

ولادت

آپ کی ولادت ۱۲۷۷ھ مولانا عنایت اللہ صاحب سندیلوی کے گھر بمبئی میں ہوئی۔ سلسلہ نسب شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ سے متصل ہوکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، اسی لئے صدیقی سے مشہور تھے۔ آپ کا آبائی وطن سندیلہ تھا۔

والد ماجد کے مختصر حالات

آپ کے والد ماجد مولانا عنایت اللہ صاحب کی ولادت سندیلہ ہی میں ۱۲۰۶ھ میں ہوئی۔ عالم شباب میں وطن کو خیر باد کہہ کر بمبئی کو اپنا مستقر بنالیا۔ یہاں ریاست بھوپال کی طرف سے محافظ حجاج کے عہدہ پر تھے، اسی بنا پر حج بیت اللہ کو جانے والے اکابران سے متعارف تھے۔ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی' حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی' حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی رحمہم اللہ حج کو جاتے وقت بمبئی میں ان ہی کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔

مولانا عنایت اللہ صاحب کا انتقال بمبئی میں ۱۳۰۲ھ میں ہوا' اور وہیں مدفون ہوئے۔ مولانا عنایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے تین لڑکے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کی ترتیب پر تینوں بچوں کے نام رکھے ہیں۔ سب سے بڑے کا نام (مولانا) عبداللہ' دوسرے صاحب تذکرہ (مولانا) عبدالرحمٰن' اور تیسرے کا نام (حافظ) عبدالرحیم تھا۔

تعلیم

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی عمر پانچ' چھ سال کی تھی کہ اپنی بہن کے ہمراہ مکہ

معظّمہ چلے گئے اور وہاں اپنے بہنوئی عبدالعزیز (ساعت جی) کے پاس رہے۔

مکہ مکرمہ میں اپنے ہم نام حافظ عبدالرحمٰن صاحب (موصوف نگینہ کے باشندے تھے۔ عبیدالرحمٰن مکی، معلم الحجاج انہی کے پوتے تھے) سے قرآن مجید حفظ کیا۔ تکمیل حفظ کے بعد پہلی تراویح مکہ مکرمہ میں سنائی۔ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: میں نے مکہ معظّمہ میں جو پہلی مرتبہ قرآن شریف تراویح میں سنایا تو میں نابالغ تھا۔

۱۲۹۰ھ میں مکہ مکرمہ سے بمبئی واپس آ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ: میرے زمانہ میں عبداللہ مکہ مکرمہ کے شریف تھے اور سلطان عبدالعزیز سلطان ٹرکی تھے۔

درس نظامی کی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور ۱۲۹۲ھ سے ۱۲۹۷ھ تک دار العلوم میں قیام کر کے درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔

فرمایا کہ: جب میں دیوبند پڑھنے کے لئے گیا تو شروع شروع میں میری طبیعت نہیں لگی، میں رویا کرتا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم تھے، انہوں نے اپنی فراست سے کام لیا اور مجھے ہم عمروں میں کھیلنے کی اجازت دیدی، اس طرح میری طبیعت بہلی۔

فرمایا کہ: جس زمانہ میں، میں دیوبند گیا تھا مدرسہ قائم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا، نو درا بھی تعمیر نہیں ہوا تھا، چند چھونپڑیاں تھیں۔ اس زمانہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر مدرس تھے۔ مولانا سید احمد صاحب دہلوی، حضرت ملا محمود صاحب، حضرت مولانا منفعت علی صاحب مدرس تھے۔ اور مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم تھے۔

فرمایا کہ: اس زمانہ میں دیوبند میں: ۳۶ سیر کے گیہوں ملتے تھے اور ۱۷/۱۸/ سیر کا دودھ تھا، میرے والد صاحب دس روپیہ مجھے بھیجتے تھے، جس میں پانچ روپیہ میں تمام کھانا، پینا، چائے وغیرہ ہو جاتا تھا۔ فرماتے تھے کہ دودھ اتنا اعلی ہوتا تھا کہ اس کی رنگت اوٹ کر

سرخ ہو جاتی تھی۔

فرماتے تھے کہ: مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ طلبہ کو صبح کے وقت نماز کے لئے یہ کہہ کر اٹھاتے تھے کہ: خفتو اٹھو! (خفتن مصدر فارسی سے مشتق کر کے)

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ سے تفسیر کے اسباق اور ''ترمذی شریف'' پڑھی۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے آخری دور کے شاگردوں میں تھے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے عشق کے درجہ کی محبت تھی، حضرت کے متعلق فرمایا کہ:

علم لدنی کے معنی

ہم نے حضرت نانوتوی سے ایک مرتبہ علم لدنی کے معنی دریافت کئے' تو فرمایا کہ:

''تم کہنل ہو آئے ہو' وہاں پر تم نے دیکھا ہوگا کہ گنگا سے نہر کاٹ کر نکالی ہے، بس یوں سمجھ لو کہ جس طرح اس نہر کا پانی گنگا سے متصل ہے، یہی صورت علم لدنی کی ہے کہ علم الٰہی سے اس کا اتصال ہو جاتا ہے۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ

فرمایا کہ: حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے دہلی کے مطبع مجتبائی اور میرٹھ کے مطبع ہاشمی میں تصحیح کا کام کیا ہے۔ دس روپے سے زائد تنخواہ نہیں لیتے تھے، ہاں دو آدمیوں کے لئے جو ساتھ ہوتے تھے (غالباً طالب علم ہوتے ہوں گے) کھانے کی شرط کر لیتے تھے۔

فرمایا کہ: میرٹھ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے ''بخاری شریف'' کے تحشیہ کا کام حضرت نانوتوی کے سپرد کر دیا تھا، اس پر بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ اتنا بڑا کام ایک لڑکے کو سپرد کر دیا، یہ کیا حاشیہ لکھیں گے؟ اس کی اطلاع جب حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری کو ہوئی تو انہوں نے معترضین سے فرمایا کہ تم لوگ ''بخاری شریف'' کے

جتنے مشکل مقامات ہوں ان پر نشان لگالو' پھر ان سے دریافت کرلو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' پھر ان مقامات کا حاشیہ منگوا کر دکھایا تو حضرت نانوتوی نے جو جو احتمالات پیدا کر کے ان کے جوابات دیئے تھے' وہ احتمالات اور شبہات ان حضرات کے احتمالات سے بھی زیادہ تھے، یہ دیکھ کر وہ لوگ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تبحر علمی کو مان گئے۔

فرمایا کہ: جہاں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ لوگ مجھے عالم سمجھنے لگے ہیں' بس انہوں نے کوئی ایسی تدبیر کی جس سے عام رجحان ان کی طرف نہ ہونے پائے، چنانچہ میرٹھ میں جب ان کے عالم ہونے کا پتہ چلا تو وہ ایک کتاب لے کر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ کے پاس آجاتے اور بازار میں سے ہو کر گذرتے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ ایک طالب علم ہیں۔

فرمایا کہ: حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا لباس بہت سادہ تھا، ایک کرتہ ہوتا جس کو دھو کر پہن لیا کرتے تھے۔

مولانا نسیم احمد فریدی رحمہ اللہ نے دریافت کیا کہ نیلی چادر کا جو کہیں کہیں ذکر آتا ہے اس کی کیا نوعیت تھی؟ فرمایا کہ: حضرت نانوتوی رحمہ اللہ چھتری تو رکھتے نہیں تھے، دھوپ سے بچنے کے لئے نیلا کپڑا سر پر ڈال لیتے تھے' یہی چھتری کا کام دیتا تھا۔

فرمایا کہ: حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے پاس (زیادہ) کتابیں نہیں تھیں' صرف ''قرآن مجید'' پاس رہتا تھا اور ایک چٹائی پر بیٹھے رہتے تھے، یہ سنا تھا کہ گھر میں ''مشکوۃ شریف'' بھی رکھی ہوئی تھی۔

فرمایا کہ: مطبع احمدی میرٹھ کی مطبوعہ ''بخاری شریف'' کے حواشی کا کچھ حصہ حضرت نانوتوی کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے (کاتب کی غیر حاضری کی وجہ سے خود ہی کتابت کی)۔

فرمایا کہ: حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی ناک پر گولی کا نشان لگا تھا۔ (جو خفیف تھا، جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ۵۷ء میں گولی لگنے کی وجہ سے ہوا تھا)

فرمایا کہ: حضرت نانوتوی رحمہ اللہ بہت کم بیعت فرمایا کرتے تھے، لیکن عورتوں کو بیعت ہونے سے منع نہیں فرماتے، جب وہ بیعت ہونے کی درخواست کرتی تھیں تو بے تامل و بے اصرار بیعت فرمالیا کرتے تھے۔

فرمایا کہ: میں نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے ''ترمذی شریف'' شروع کی، ان کی طرزِ تقریر کے متعلق فرمایا کہ: ایک ایک حدیث پر ایسی تقریر فرماتے تھے کہ سننے والے کو حیرت ہوتی تھی، اس وقت تو سب باتیں سمجھ میں آجاتی تھیں' پھر کسی وقت اس تقریر کو دریافت کرو تو وہ بات پیدا نہیں ہوتی تھی۔

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے سوال کیا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے بھی مدرسہ دیوبند میں درس دیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ: نہیں' وہ دیوبند میں رہتے کب تھے؟ کبھی آٹھ' دس دن کے لئے آ گئے۔

میں نے ان سے ترمذی شریف'' دیوبند میں پڑھی، اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ بیمار ہو گئے تھے، اس وجہ سے دیوبند ہی میں رہنے لگے تھے اور زیادہ عرصہ تک رہے' اس دوران میں ''ترمذی شریف'' شروع کرادی' میں بھی شریک ہو گیا۔

''ترمذی شریف'' کے درس کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ''ترمذی شریف'' کی قرأت زیادہ تر میں کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک حدیث میں بے خیالی سے ''یتّجر'' (بالتشدید) کو ''یتجر'' (بغیر تشدید) پڑھ گیا، حضرت نانوتوی نے ایک خاص انداز سے بآواز بلند فرمایا: ''یتّجر''۔ فرماتے تھے کہ وہ آواز ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔

فرمایا کہ: حدیث جبرئیل میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے ’’ما الایمان ، ما الاسلام ، ما الاحسان ‘‘ تین سوال کئے ہیں۔اس میں ایمان سے متعلق جتنے شعبے ہیں ان کو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے بیان کر دیا ہے۔ان کی قوت بیانیہ اور کلام کا یہ کمال تھا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر دور محمدی ﷺ تک جتنے شبہات ڈالے جا سکتے ہیں ‘ ان سب کا ازالہ اپنی تصنیفات میں کر دیا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے ’’الاسلام‘‘ کی تشریح کی ہے، ان کی تصنیفات میں یہی رنگ غالب ہے۔اور حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے احسان کے مرتبہ کو واضح کیا ہے، ان کے یہاں اسی کا غلبہ ہے‘ اصلاح باطن اور تہذیب اخلاق کا سبق ان کی ہر کتاب سے ملتا ہے۔

دیوبند سے مرادآباد

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی وفات (۴؍جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء بروز جمعرات) کے بعد حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی کی خدمت میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد آ گئے۔مرادآباد آنے کا ذکر خود حضرت نے اس طرح فرمایا کہ:

’’جب مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا‘ تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا دیوبند کی زمین مجھے پھاڑ کھاتی ہے، میری طبیعت وہاں نہ لگی۔میر شاہ خان صاحب کی وساطت سے مرادآباد حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ کی خدمت میں آ گیا‘‘۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھنا

میں نے دیوبند میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا‘ فرما رہے ہیں کہ:

’’تمہارا انتظام میرے‘ احمد حسن کے یہاں کر دیا ہے‘‘۔

ادھر اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ نے استاذ

(حضرت نانوتوی رحمہ اللہ) کوخواب میں دیکھا، فرمارہے ہیں کہ:

''تمہارے یہاں محی الدین پڑھنے آئیں گے''۔

اس خواب کی وجہ سے حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ کو برابر خیال تھا کہ محی الدین سے مراد کون ہیں؟ رہے نواب محی الدین مرادآبادی وہ تو میرے ہم درس ہیں۔ جب مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ مرادآباد پہنچے اور انہوں نے اپنے خواب کا تذکرہ حضرت مولانا سے کیا، تب ان پر منکشف ہوا کہ محی الدین یہ تھے۔

والد صاحب سے لوگوں کا شکایت کرنا

مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ: ادھر میرا مرادآباد آنا ہوا، اور ادھر میری شکایات والد صاحب کے پاس پہنچیں۔ ایک خط ایسا بھی پہنچا کہ جس پر مدرسہ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ میں نے اس امر کی حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند سے شکایت بھی کی تھی۔ ان شکایتوں کو پڑھ کر والد صاحب نے مجھے مرادآباد ایک خط لکھا، جس میں تھا:

''تم نے مجھ کو بڑا صدمہ پہونچایا ہے''۔ والد صاحب کی عادت اس قسم کے جملے لکھنے کی نہ تھی، یہ انتہائی افسوس اور صدمے کی وجہ سے لکھا تھا۔ اسی دوران حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب کے چچا مولوی امیر علی صاحب مجھ سے ملنے کے لئے دیوبند اترے [1] وہاں انہوں نے مجھے نہ پایا تو لوگوں نے ان سے میری شکایتیں کیں، وہ والد صاحب کے ملنے والوں میں تھے، انہوں نے بھی والد صاحب کو خط لکھا کہ آپ کے لڑکے سے ملنے کے لئے دیوبند گیا، ان کو نہ پایا اور ان کی شکایتیں سن کر افسوس ہوا۔

[1]......مولانا فرماتے تھے: مولوی امیر علی صاحب مکہ مکرمہ میں رہتے تھے، میرے قیام مکہ مکرمہ کے زمانہ میں مجھ سے واقف تھے۔

زمانہ طالب علمی میں ایک حدیث پر سائل کا شبہ اور اس کا جواب

مرادآباد کے زمانہ طالب علمی میں ایک صاحب جن کا نام محمد یوسف تھا، جو نقشہ نویس تھے، بہت ہوشیار اور قابل آدمی تھے مرادآباد آئے، شاہی مدرسہ میں بھی آئے، جب وہ حضرت مولانا سید احمد حسن امروہی رحمہ اللہ کے درس میں آئے تو حدیث کا سبق ہو رہا تھا۔ حضرت مجھے اپنے مسند کے متصل بٹھایا کرتے تھے۔ ان صاحب نے کہا: مجھ کو ایک حدیث میں شبہ ہو گیا ہے، آپ کے طلبہ اس کو حل کر سکیں تو اچھا ہو، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ میں زیادہ انعام تو نہیں دے سکتا، اس لئے کہ مسافر ہوں اور ابھی سفر کرنا ہے، البتہ ایک چونی اس طالب علم کو انعام دوں گا جو میرے شبہے کو دور کر دے۔

ان کا شبہ اس حدیث پر تھا: ''ولیضع یدیه قبل رکبتیه'' ۔شبہ کی تقریر وہی مشہور تقریر ہے کہ اس کے شروع میں تو منع فرمایا جا رہا ہے کہ اونٹ کی طرح سے سجدے میں نہیں جانا چاہئے ۔ظاہر ہے کہ اونٹ پہلے اپنے اگلے قدم بچھاتا ہے، آگے جس چیز کا امر ہے وہ بعینہ وہی صورت ہے جس سے منع کیا گیا ہے، اس شبہ کو دور کرنا تھا۔ فرمایا کہ: شراح نے اس کے بہت سے جوابات دیئے ہیں، میں نے اس وقت تک کوئی جواب نہیں دیکھا تھا، اس وقت حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی ایک بات یاد آگئی کہ اصل حدیث پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا ہے، انسان خود ایک معنی پیدا کر کے اس میں اعتراض وارد کرتا ہے، اسی اصول پر میں نے غور کیا تو بات سمجھ میں آگئی ۔۔ اب سوال ایک طرف سے شروع ہوا' پورا حلقہ تھا میرا نمبر سب سے اخیر میں تھا، جب سب طلبہ جواب دے چکے تو مجھ سے دریافت کیا گیا کہ تم بولو! میں نے کہا: حدیث پر کوئی شبہ وارد نہیں ہو سکتا، شبہ اس وجہ سے ہے کہ ''ولیضع'' میں جو ''وضع'' ہے اس کو رکھنے میں معنی میں لے لیا ہے، حالانکہ یہاں پر بٹھانے اور دور رکھنے

کے معنی ہیں ''عن'' صلہ مقدر مانا جائے گا، تو مطلب یہ ہوا کہ اونٹ کی بیٹھک نہ بیٹھے، بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے رکھے، گھٹنوں سے پہلے۔ یعنی پہلے گھٹنے رکھے بعد میں ہاتھ رکھے، پس جس چیز سے شروع میں منع فرمایا ہے اسی سے ''ولیضع یدیہ'' میں بھی منع کیا گیا ہے، قرآن مجید میں ''وضع عنک'' ہے جس کے معنی دور کرنے کے ہیں' بغیر صلہ کے بھی اسی معنی میں آیا ہے ''ویضع الجزیة'' یعنی حضرت عیسی علیہ السلام جزیہ موقوف کر دیں گے۔ یہ جواب سن کر محمد یوسف صاحب دہلوی خاموش، حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ: فرمائیے! آپ کا شبہ کہاں گیا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں شبہ تو بالکل نہیں رہا۔ مولانا نے فرمایا کہ: اب وہ چونی انعام کی دیجئے! انہوں نے جیب سے چونی نکالی، حضرت نے چونی لے کر مجھے دینی چاہی، میں نے اس کے لینے میں تأمل کیا، اس پر فرمایا کہ: اس کو رکھ لو یہ انعام کی ہے، میں نے حسب ارشاد رکھ لی۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمہ اللہ نے محمد یوسف صاحب دہلوی سے (یہ بھی والد صاحب کے ملنے والوں میں تھے) فرمایا کہ: آپ یہ کام کریں کہ ان کے والد صاحب کو ایک خط لکھیں، چنانچہ انہوں نے والد صاحب کو ایک خط لکھا' جس میں ان کو مبارک باد لکھی کہ آپ کا لڑکا قابل ہے۔ اس خط کے پہنچنے پر والد صاحب کو اطمینان ہوا اور ان کی رضامندی کے خطوط آئے۔

مراد آباد میں آپ نے ۱۲۹۸ھ کے سالانہ امتحان میں حصہ لیا' جس کی تفصیل مدرسہ کی روداد بابت ۱۲۹۶ھ تا ۱۲۹۸ھ میں اس طرح لکھی ہے: ''مولوی حافظ عبدالرحمٰن صاحب بمبئی: مسلم شریف: ۲۱۔ قاضی مبارک: ۲۱۔ حمد اللہ: ۲۱۔ میبذی: ۲۰۔ (اعلی نمبرات ۲۰؍ تھے)۔ (ماہنامہ ندائے شاہی نمبر ص ۳۲۵)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں

مرادآباد سے ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں سند فراغ حاصل کی۔ سالانہ امتحان حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے لیا۔ (ماہنامہ ندائے شاہی ''تاریخ شاہی نمبر'' ص ۱۴۶)

یہاں سے فراغت کے بعد گنگوہ تشریف لے گئے اور قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ سے حدیث شریف پڑھی۔ زمانۂ گنگوہ کے متعلق فرمایا کہ:

نابالغ کے پیچھے تراویح کا عدم جواز اور حدیث سے اس کا مستدل

''میں نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے یہاں چودہ دن میں ''بخاری شریف'' جلد ثانی پڑھی تھی۔

ایک مجلس میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے علم وکمال اور ان کے تبحر اور بروقت رفع اشکال کرنے کے سلسلے میں فرمایا کہ:

ایک مرتبہ استفتاء آیا کہ نابالغ کے پیچھے تراویح جائز ہے یا نہیں؟ حضرتؒ نے جواب دیا کہ ناجائز ہے۔ طلبہ نے دلیل دریافت کی، تو فرمایا کہ دلیل: ''الامام ضامن'' ہے جو تم حدیث پڑھ چکے ہو، بچہ ضامن نہیں ہوسکتا، تو امام بھی نہیں ہوسکتا۔

مولانا فرماتے تھے: یہ دلیل سن کر حیرت ہوئی کہ یہ حدیث تو دیکھی اور سنی ہوئی تھی، مگر اس طرف بالکل توجہ ہی نہیں ہوئی کہ اس میں سے یہ مضمون نکلتا ہے۔ فرمایا: خود میں نے مکہ معظّمہ میں جو پہلی مرتبہ قرآن شریف تراویح میں سنایا تو میں نابالغ تھا۔

حضرت گنگوہی کا ''مهر البغي حرام'' سے عجیب استدلال

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے تذکرے میں ایک اور واقعہ کا بھی ذکر فرمایا:

صورت واقعہ یہ تھی کہ دہلی میں پنجابیوں میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے غالبا چار بیٹے تھے، جن میں سے ایک حنفی تھا اور باقی اہل حدیث تھے، مولانا نذیر حسین صاحب کا زمانہ تھا، ان متوفی کے ترکے میں کچھ مکانات چاندنی چوک میں تھے اور ان مکانات میں کسبیاں رہتی تھیں، حنفی بھائیوں نے اپنے حصہ میں وہ مکانات نہیں لئے اور ان کی بدلے میں دوسرے مکانات لئے۔ اہل حدیث بھائیوں نے شوق سے وہ کسبیوں والے مکانات اپنے حصہ میں لگا لئے اور اپنے حنفی بھائی کو طعنہ دیا کہ میاں ابوحنیفہ نے تمہارا دین تو خراب کردیا' اب دنیا بھی خراب کردی، اچھے خاصے مکان زیادہ کرایہ والے کو چھوڑ کر کم کرائے والے مکانات لے لئے۔ جب بھی وہ حنفی بھائی نظر پڑتا تو یہ طعنہ دیتے تھے۔ اس نے ایک دن حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ یہ صورت ہے۔ میرے بھائی مجھے طعنہ دیتے ہیں اور حرمت ثابت کرنے والی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، میں بہت پریشان ہوں' ان کے ساتھ بحث میں پڑنے کی ہمت نہیں ہوتی، گھر میں ایسے وقت جاتا ہوں کہ وہ سو رہے ہوں یا کہیں دوسری جگہ ہوں، اس کے ساتھ غم وغصہ کے کلمات بھی لکھے اور لکھا کہ امید کہ میری تسلی فرمائیں گے، دہلی میں کسی نے تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ جب یہ خط گنگوہ پہنچا تو حضرت نے فرمایا: تعجب ہے دہلی تو منبع علم ہے' وہاں سے تشفی کا جواب کیوں نہیں آیا؟ ان اہل حدیث کا حرمت کی حدیث طلب کرنا ایسا ہی جیسا کہ ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' ہماری دلیل تو یہ حدیث ہے: ''مهر البغی حرام ''اب وہ حلال بتاتے ہیں تو ثابت کریں۔ یہی جواب اس کو لکھ دیا۔ جواب کا پہنچنا تھا کہ اس حنفی بھائی نے اہل حدیث بھائیوں کے سامنے آکر کہا کہ میاں! ہمارے پاس حرمت کی یہ دلیل موجود ہے: ''مهر البغی حرام ''۔ اب تم حلال سمجھتے ہو تو اس کی دلیل حدیث سے پیش کرو۔ کوئی حدیث ہوتی

تو پیش کرتے خاموش ہو گئے اور شرمندہ ہوئے۔ حنفی کو موقع ہاتھ آیا، اب وہ اہل حدیث بھائی سامنے آتے تو زور سے کہتا ''مھر البغی حرام'' ان کو سخت ندامت ہوئی، بالآخر انہوں نے طعنہ دینا موقوف کر دیا۔ اس حنفی نے حضرت کو شکریہ کا خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، ایسا جواب مرحمت فرمایا ہے کہ مسئلہ حل ہو گیا' وہ سب بھائی خاموش وشرمندہ ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔

شیخ محسن یمانی رحمہ اللہ سے اجازت حدیث

پھر بھوپال میں قاضی ایوب صاحب اور عظیم محدث شیخ حسین بن محسن یمانی خزرجی رحمہ اللہ جو بیک واسطہ علامہ قاضی شوکانی کے شاگرد تھے' سے سند حدیث حاصل کی۔

رفقائے درس

آپ کے رفقائے درس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی' حضرت مولانا حافظ احمد صاحب' حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھلاؤدوی' حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

اساتذہ

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی' حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی' حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی' حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی' حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی' حضرت ملا محمود صاحب، حضرت مولانا منفعت علی صاحب' قاضی ایوب صاحب' عظیم محدث شیخ حسین بن محسن یمانی خزرجی ''رحمھم اللہ تعالی اجمعین'' بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

تدریس

مدرسہ شاہی میں طالب علمی ہی کے دوران آپ کو معین مدرس کی حیثیت سے خدمت کا موقع مل گیا تھا۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ بمبئی کے کموسیٹھ کے مدرسہ میں پڑھایا۔ چند ماہ ریاست مینڈھو میں بھی خدمت انجام دی۔

۱۳۳۰ھ میں حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے حکم پر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب کو اعزاز بخشا اور اپنے استاذ کی وفات سے پیدا ہونے والے خلاء کو پر کر دیا۔ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ سے شوال ۱۳۲۹ھ تک مدرسہ شاہی مراد آباد کی مسند صدارت پر فائز رہے۔ (ماہنامہ ندائے شاہی ''تاریخ شاہی نمبر ص ۳۲۵)

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ۱۳۵۲ھ میں تشریف لائے اور ۱۳۶۲ھ تک رہے۔ ۱۳۵۹ھ سے اخیر تک منصب شیخ الحدیث پر فائز رہے۔ (تاریخ جامعہ ڈابھیل ص ۳۰۴)

۱۳۶۲ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ گرفتار کر لئے گئے تو دیو بند میں بھی بعہدۂ صدر مدرسی درس حدیث دیا۔

(''تاریخ دارالعلوم دیو بند'': از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب ص ۶۰)

آخر میں امروہہ آ کر باوجود ضعیفی کے درس قرآن وحدیث دیتے رہے۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا نام نامی بھی ہے۔ تقریبا ساٹھ سال تک درس وتدریس کی عظیم خدمات انجام دیں۔

امروہہ کے مدرسہ کی بنیاد حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ڈالی ہے

فرمایا کہ: مدرسہ اسلامیہ امروہہ کی بنیاد حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے ہاتھوں رکھی گئی

ہے۔حکیم عبد الصمد صاحب مرحوم نے (جو کہ حضرت مولانا عبد الہادی کی اولاد میں تھے) بیان کیا تھا کہ جب حضرت نانوتوی امروہہ تشریف لائے تو فرمایا کہ: تمہارے یہاں سے فیض کا چشمہ جاری ہوا ہے، ابھی تم کو اجراء فیض کا انتظام کرنا چاہئے، چنانچہ اسی زمانہ میں مشورہ کر کے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی' جو مختلف محلوں میں رہا، آخر میں جب حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ شاہی مراد آباد سے چلے آئے تو اہل امروہہ نے ان کو یہیں روک لیا اور مدرسہ جامع مسجد میں قائم ہو گیا۔

حضرت کی سند حدیث عالی تھی

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی' حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور شیخ حسین بن محسن یمانی رحمہم اللہ کے تلمذ کی وجہ سے حضرت کی سند حدیث عالی تھی۔اللہ تعالی کا شکر ہے کہ راقم کے ہم قریہ لاجپور کے ایک عمر رسیدہ عالم مولانا احمد علی صاحب مدظلہ کو حضرت مولانا سے شرف تلمذ حاصل تھا' اس لئے خیال آیا کہ مولانا موصوف سے حدیث کی اجازت حاصل کر لینا چاہئے ،الحمد للہ' اللہ تعالی نے یہ موقع عنایت فرما دیا اور موصوف نے راقم کو اپنی تمام مرویات کی اجازت تحریراً مرحمت فرمائی ۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی کرتا چلوں کہ کئی اکابر علماء نے مولانا احمد علی صاحب سے حدیث شریف کی اجازت حاصل کی ہے۔کسی وقت موصوف کے حالات لکھنے کا موقع ملا تو ان کے اسماء کی فہرست نقل کروں گا۔

حضرت کی اجازت حدیث کی ایک نقل

اتفاق سے راقم کو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی سوانح میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی اجازت حدیث خود ان کی تحریر فرمودہ' حضرت مفتی محمود صاحب کو مرحمت فرمائی تھی' مل گئی۔مناسب ہے کہ اسے من وعن نقل کر دوں وھو ہذا:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى ، اما بعد ! فقد طلب منى اخونا فى الله المولوى المحمود ابن المولوى محمد صديق الساكن فى بلدة بنيا له من مضافات ديره اسماعيل خان ، ان يروى عنى الاحاديث ، فسمعت بعض مواضع البخارى فرأيته اهلا ' لان يجاز بما اجازنا به مشايخنا الكريم حضرتنا مولانا الجنجوهى و حضرتنا مولانا القاسم النانوتوى و حضرتنا مولانا الحسين ابن الحسن الخزرجى ، ان تروى عنى الاحاديث بشرائط المعتبرة عند اهل العزة ' واوصيه بتقوى الله فى السر والعلن ' والاجتناب عن المعاصى ما ظهر وما بطن ' وان لا يغفل عن خدمة الدين والنصح لله ولرسوله وللمؤمنين ' وان لا ينسانى من الدعاء فى العسرة والرخاء ' وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمن ،

حرره ببنانه واجازه بلسانه عبده وابن عبده وابن امته

عبد الرحمن ابن الفاضل الامين مولانا عنايت الله رضى الله عنه وارضاه

سنة احدى و ستين بعد الف و ثلاث مائة من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف صلوة و سلام وبركته و تحيته۔ (سوانح قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمود ص ۴۸)

علمی آثار

طویل تدریسی خدمات کی وجہ سے آپ کو تصنیف کا موقع نہ مل سکا، تاہم ’’بیضاوی شریف‘‘ ’’مطول‘‘ اور ’’مختصر المعانی‘‘ کے کامل حواشی آپ کے علمی آثار ہیں۔ اللہ کرے حضرت کا یہ علمی ورثہ طبع ہو کر قدردان اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچے اور حضرت کے لئے صدقۂ جاریہ بنے۔

بیعت وخلافت

حضرت پہلے حضرت گنگوہی سے دیوبند کے زمانہ میں بیعت ہوئے تھے۔ پھر حضرت نانوتوی سے زبانی بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اس کی تفصیل ایک مرتبہ خود اس طرح ارشاد فرمائی کہ:

''حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ایک دن مکان کے اندر سے مٹھائی لے کر آئے اور مجھ کو دی، عادت اس طرح کی نہ تھی۔ آج یہ نئی بات دیکھ کر میں نے عرض کیا یہ مٹھائی کیسی ہے؟ فرمایا کہ: ایک شخص بیعت ہوا ہے، اس کی مٹھائی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے بھی اس شرف سے محروم نہ فرمائیں' بیعت کرلیں! فرمایا کہ: بیعت کا تعلق اصل میں تو عقیدت اور محبت سے ہے اور تم کو یہ بات حاصل ہے، رسمی بیعت کی ضرورت نہیں ہے، جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا: جاؤ! میں نے تم کو بیعت کرلیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس طرح مجھے زبانی بیعت حضرت سے حاصل ہے''۔

حضرت نانوتوی سے بیعت تھے اور پہلی خلافت حضرت گنگوہی سے حاصل ہوئی، حضرت نے ایک مجلس میں خود فرمایا کہ:

''حضرت گنگوہی کے یہاں میں دورۂ حدیث میں شامل ہوا، گنگوہ میں ایک صاحب کا انتقال ہوا جن کا نام مولانا عبدالرحمٰن تھا، وہ حضرت گنگوہی کے خلیفہ تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کا سامان نیلام ہوا، میں نے ان کے سامان میں سے ایک لفافہ جس میں چند کاغذات تھے' نیلام میں خریدا، اس کو جب کھول کر دیکھا تو ایک سند حدیث تھی' جو حضرت گنگوہیؒ نے ان کو دی تھی اور اس میں ان تمام کتابوں کے نام درج تھے' جو انہوں نے حضرت گنگوہی سے پڑھی تھیں۔ دوسرا کاغذ اجازت بیعت کا تھا، میں نے ان کاغذات کو

پڑھا اور پڑھ کر حضرت گنگوہی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت گنگوہی نے ان کو ملاحظہ فرمایا، پھر سند حدیث کو تو حضرت نے رکھ لیا اور جس کاغذ پر بیعت کی اجازت تحریر تھی' وہ مجھے واپس دیدیا، چونکہ میرا نام اور ان مرحوم کا نام ایک تھا، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت نے گویا مجھ کو اشارۃً بیعت کی اجازت دی۔ سند والا کاغذ یہ کہہ کر واپس لے لیا کہ تم نے اس میں لکھی ہوئی سب کتابیں مجھ سے نہیں پڑھی ہیں۔ دوسرا کاغذ (اجازت والا) تم رکھ لو'۔ مولانا نے فرمایا کہ اس سے پہلے میں دیوبند میں حضرت گنگوہی سے بیعت ہو چکا تھا۔ بیعت کرنے کے بعد حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ: جس طرح میں نے بیعت کی ہے اور جس طریقہ سے تمہارے دونوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہیں' حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی طرح لکھا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے علوم باطنی کے لئے آپ کو مجدد زماں اور تصوف کے امام حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں پہنچا دیا تھا، اور ان سے بیعت ہو کر خلافت سے بھی نوازے گئے۔ حضرت کے مریدین اور مسترشدین کا بھی کافی حلقہ تھا۔

حضرت حاجی صاحب سے خلافت کا واقعہ

مولانا' حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ سے اجازت کا واقعہ اس طرح سناتے تھے کہ:

''جب امیر شاہ خانصاحب مرحوم حج کو تشریف لے گئے تو واپسی کے وقت حضرت حاجی صاحب سے انہوں نے عرض کیا کہ میں ہندوستان واپس جا رہا ہوں' وہاں میں اپنے دوستوں کو تحفہ لے کر جاتا وہ مجھ سے نہ ہو سکا، اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے چند دوستوں کے لئے (جو آپ کے سلسلے کے ہیں) میں آپ سے اجازت نامہ حاصل کرلوں تاکہ ان کو یہ تحفہ پیش کر سکوں، حضرت نے وہ فہرست لے لی جس میں خاں صاحب موصوف نے اپنے

دوستوں کے نام لکھے تھے، اس میں میرا نام بھی تھا۔ اس فہرست میں بہت سے نام تھے، حاجی صاحب نے دوسرے وقت ان میں سے چند نام (غالباً تین چار) انتخاب کئے جن کو اجازت دی' ان میں سے ایک میرا نام بھی تھا۔ خانصاحب نے وہ اجازت نامہ مجھے لا کر دیا اور پورا واقعہ سنایا۔

خواب میں آنحضرت ﷺ' صحابہ کرام' حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زیارت

مولانا نے فرمایا کہ: حاجی صاحب سے میں مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں ملتا رہتا تھا، اس زمانہ میں میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ قیامت آ گئی ہے، میری زبان پر استغفار جاری ہے، سخت سماں ہے' پھر ایک مکان دیکھا جس میں آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں، وہاں تجلی باری تعالیٰ بھی دکھائی گئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی اس خواب میں زیارت ہوئی، اس مکان میں پہنچ کر وہ خوف و ہراس دور ہوا۔ اسی مجلس میں حاجی صاحب کو بھی بیٹھا ہوا دیکھا۔ اس خواب کو میں نے حاجی صاحب: سے بیان کیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ: تم کو ہمارے یہاں سے فیض ہوگا۔ اس کے عرصے بعد یہ اجازت نامہ جس کا ذکر ہوا حاصل ہوا۔

اوصاف وکمالات

حضرت مولانا بے حد زندہ دل' سادہ لوح' اور طبیعت کی سچائی اور صفائی کے لحاظ سے قدیم بزرگوں کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔

مولانا کی عادت تھی کہ اپنے چھوٹوں' نیاز مندوں کی بات اتنی دلچسپی سے سنتے تھے کہ

گویا ایک چھوٹا اپنے کسی بڑے کی بات سن رہا ہے۔

حضرت کی بات بات میں نکتہ‘ ہر موقعہ پر شعر اور لطائف وحکایات کا انبار ہوتا تھا۔ ملنے‘ جلنے اور ساتھ رہنے والوں کے ساتھ انتہائی بے تکلفی کے ساتھ رہتے اور اتنی بے تکلفی سے رہتے کہ قطعاً یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ ان میں دو نسل کا بعد ہے‘ اور نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔ ڈابھیل کے قیام میں حضرت کی مجلس میں اساتذہ‘ طلبہ اور گاؤں کے لوگ سبھی جمع رہتے اور رات کو بارہ بارہ بجے تک مجلس قائم رہتی۔

آپ کی محفل میں اللہ ورسول کا ذکر‘ بزرگان دین کے تذکرے سن کر دل کو نشاط اور روح کو سرور حاصل ہوتا تھا۔ وہ اکابر دیوبند کی زندہ یادگار اور ناطق تاریخ تھے۔ جب آپ اکابر کے چشم دید حالات اور ان کے ملفوظات سناتے تھے تو ستر‘ اسی سال پیشتر کے قدسی صفات مجسمے نظروں کے سامنے آجاتے تھے۔

آپ کی مجلس کی ایک خاص اور قابل اتباع خصوصیت یہ تھی اس میں کبھی کسی کی غیبت نہیں ہوتی، جب وہ کسی دوسرے کو غیبت کرتے پاتے تو فوراً ٹوک دیتے اور منع فرمادیتے۔

حدیث وتفسیر کے مسند درس پر آپ علم وفضل کے ایک بحر ذخار تھے۔ حدیث وتفسیر کے مشکل مسائل کو چند لفظوں میں یوں سلجھادیتے تھے کہ دوسرے گھنٹوں کی تقریر سے بھی اسے اس طرح ادا نہیں کرسکتے تھے۔ قرآن فہمی کی خداداد دولت سے آپ کو حصۂ وافر ملا تھا۔

اعلیٰ بصیرت‘ بے انتہا ذہانت وذکاوت قدرت کی جانب سے ان کو ودیعت کی گئی تھی۔

ان کی طبیعت کی معصومیت ونیکی‘ ان کی فطری پاکبازی‘ ان کے علم وفضل اور ان کے وسیع اخلاق اور مزاج کی سادگی کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس دور کے ہیں، بلکہ یوں لگتا تھا کہ وہ بہت پہلے کے انسان ہیں، وہ قدیم تاریخ کا ایک صفحہ تھے۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے نام سے انہیں عشق تھا، دنیا جہاں کی باتوں کو گھیر گھار کر حضرت نانوتوی پر ختم فرمادیتے تھے۔ان کی کوئی مجلس ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں حضرت کا ذکر نہ آتا ہو۔

ایسے پاکباز اور سادہ دل انسان‘ قدرت کی ایک گراں مایہ امانت کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کے وجود اور کمالات کی روشنی میں گم کردہ راہ لوگوں کو اپنے مقاصد کی منزل تک پہونچنے کا موقعہ ملتا ہے۔

دنیا سے بے رغبتی کا یہ حال تھا زندگی بھر کوئی مکان آپ نے اپنے لئے تعمیر نہیں کروایا۔ عمر کے اخیری چند سال مدرسہ کی چہار دیواری میں گذارے۔آپ کا ایک بیش قیمت کتب خانہ تھا‘ جن میں چند نوادرات بھی تھیں‘ مدرسہ امروہہ کو وقف کردیا تھا۔

وفات

۲۳ر جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲ر مئی ۱۹۴۷ء بروز یکشنبہ بوقت صبح چھ بجے آپ کی وفات کا حادثہ امروہہ میں پیش آیا۔۹۰ر سال کی عمر پائی۔ایک بڑی جماعت نے نماز جنازہ ادا کی۔صحن جامع مسجد امروہہ کے جنوبی گوشے میں اپنے استاذ حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔

اولاد

آپ کے پانچ صاحبزادے تھے: مولانا عبدالقیوم شفیق صاحب‘ مولانا عبدالحیٔ صاحب‘ مولانا عبدالقدوس صاحب‘ حافظ عبدالسلام صاحب‘ مولانا عبدالمؤمن صاحب۔

مولانا عبدالقیوم صاحب کا عالم شباب میں انتقال ہوگیا تھا، بہترین مناظر تھے اور ملک کے مشہور وقادر الکلام شاعر تھے۔

مولانا عبدالقدوس صاحب مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے صدر مدرس اور اپنے والد ماجد کے جانشین تھے۔

ملفوظات

ایک پیر صاحب کا واقعہ اور توحید کے دلائل

فرمایا کہ: ایک پیر صاحب پونہ میں آیا کرتے تھے، ان کے مریدین خلاف توحید امور کے مرتکب تھے۔ میں نے ان مریدین کے سامنے تین آیتیں تلاوت کیں اور کہا: تم جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو پکارتے ہو اس کے متعلق قرآن کا فیصلہ سنو!

(۱)......﴿ انما یستجیب الذین یسمعون ﴾۔(سورۂ انعام، آیت نمبر:۳۶)

ترجمہ:......قبول تو بس وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔

(۲)......﴿وما انت بمسمع من فی القبور ﴾۔(سورۂ فاطر، آیت نمبر:۲۲)

ترجمہ:......اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

(۳)......﴿ ومن اضل ممن یدعوا من دون الله من لا یستجیب له الی یوم القیمة﴾
(سورۂ احقاب، آیت نمبر:۵)

ترجمہ:......اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کی بات نہ سنے۔

ان تینوں سے بطور صغری و کبری نتیجہ صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ جو سنتے ہیں' وہ جواب دیتے ہیں اور جو قبروں میں ہیں' ان کو سنا نہیں سکتے، پس نتیجہ نکلا کہ قبر والے جواب نہیں دے سکتے۔ اب جو ایسوں کو پکارے جو جواب نہ دے سکیں' اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا؟ ان آیتوں کو پیر صاحب کے سامنے سنایا گیا' ان سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔

شیخ طیط مکی نے (جو مشہور ادیب اور ریاست بھوپال میں رہتے تھے) ان آیتوں کو اس ترتیب سے سنا تو فرمایا کہ: میں نے بہت سی آیتیں توحید کے مضمون کی جمع کی تھیں، مگر ان تین آیتوں نے بہت ہی زبردست طریقہ سے توحید کو واضح کر دیا۔

فرمایا کہ: توحید کی بارے میں یہ آیت بھی جامع ہے:

﴿ والذين تدعون من دونه ما يملكون من قطمير ، ان تدعوهم لا يسمعوا دعاء كم ولو سمعوا ما استجابوا لكم و يوم القيامة يكفرون بشرككم ولا ينبئك مثل خبير ﴾۔ (سورۂ فاطر، آیت نمبر: ۱۳/۱۴)

ترجمہ:...... اور جنہیں تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گھٹلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری سنیں گے بھی نہیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہا نہ کر سکیں، اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی سے منکر ہوں گے اور تجھ کو (خدائے) خبیر کا سا کوئی نہ بتائے گا۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ:

﴿ اعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ﴾۔ (سورۂ، آیت نمبر: ۶۰)

ترجمہ:...... اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے۔

میں ''قوۃ'' کو نکرہ لایا گیا ہے' اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قوت ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے، ایک زمانہ میں تیر و کمان تھے، پھر کچھ اور' آج کچھ اور، لیکن ''رباط الخيل'' اس کو نکرہ نہیں لایا گیا، کیوں؟ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ قیامت تک گھوڑے سے میدان جنگ میں کام لیا جاتا رہے گا۔ پہلے اونٹ اور خچر بھی جنگ میں ہوتے تھے، اب

دونوں کا رواج ختم، لیکن گھوڑا آج بھی اسی طریقہ سے رکھا جاتا ہے جس طرح پہلے رکھا جاتا تھا۔ اور میدان جنگ میں گھوڑا جو کام کر لیتا ہے کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''الخیل معقود بنواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ''۔

ترجمہ: گھوڑے (وہ جانور ہیں) جن کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر و بھلائی بندھی ہوئی ہے۔ (مظاہر حق ص ۶۵۷ ج ۳)

فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا کلام' اللہ ہی کا کلام ہے، اس کلام سے مستنبط ہو رہا ہے کہ گھوڑا قیامت تک میدان جنگ میں کام دے گا۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

گفت الہ گفت زبان محمد است آرے زبانِ حق بدہان محمد است

عربی زبان ام السنہ ہے

ایک دن فرمایا کہ: بمبئی میں عبداللہ احمد نام کے ایک شخص رہتے تھے، ان سے ایک شخص آکر ملا جو کئی زبانیں جانتا تھا اور اس کا دعوی تھا کہ دنیا میں جتنی زبانیں ہیں' سب عربی سے نکلی ہیں۔ عبداللہ احمد سے وہ شخص حج کے سلسلے میں کچھ سہولتیں چاہتے تھے، انہوں نے کمشنر سے ان کی سفارش کی، اتفاق سے جس وقت وہ کمشنر سے سفارش کر رہے تھے' وہ شخص آتا دکھلائی دیا، عبداللہ احمد نے کمشنر سے کہا کہ: اس شخص کا دعوی ہے کہ عربی' تمام زبانوں کی اصل ہے' خواہ کونسی زبان کیوں نہ ہو۔ کمشنر نے کہا اچھا' اس کو بلاؤ، چنانچہ بلایا گیا، کمشنر نے کہا ہم نے سنا کہ تمہارا کہنا ہے کہ تمام زبانیں عربی سے نکلی ہیں' تو اچھا یہ بتاؤ کہ ''اندھے'' کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا ''بلائنڈ''۔ کمشنر نے کہا: یہ بتلاؤ کہ یہ لفظ عربی میں کیسے تھا؟ اس نے جواب دیا کہ عربی میں ''بلا عین'' (بے آنکھ والا) تھا اس کو ''بلائنڈ''

کرلیا۔ کمشنر حیران رہ گیا اور اس کے کام کو پورا کرنے کا وعدہ کرلیا۔

اس بات کا چرچہ عبداللہ احمد کی مجلس میں ہوا تو ہندوستانیوں نے کہا میاں! ''بلائنڈ'' کو بتلا دیا، اگر لفظ ''اندھا'' کے متعلق پوچھا گیا تو کیا جواب دے گا؟ عبداللہ احمد نے کہا: ٹھہر جاؤ، جب وہ شخص آجائے تو خود ان سے سوال کرنا، چنانچہ اسی دن یا اور دن وہ آئے تو اس سے حاضرین محفل نے سوال کیا کہ لفظ ''اندھا'' کے متعلق جو اردو ہے کیا کہو گے؟ اس شخص نے بے ساختہ کہا کہ عربی میں ''عین ضاع'' (آنکھ ضائع ہوئی) تھا اُس سے ''اندھا'' بن گیا۔

زمانہ کے تفاوت اور موجودہ دور کے غفلت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ ہمارے بچپن میں عورتیں جھولا جھلاتے وقت یہ کہتی جاتی تھیں ؎

جل جلالک یا مولانا نحن عبیدک لا تنانا

اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ: پہلے طوطوں تک کو یہ کلمات سکھلائے جاتے تھے: ''حق اللہ، پاک اللہ، صحیح ہے خدا اور اس کا رسول، غافل نہ ہو خدا کو نہ بھول'' (آج لوگ اپنے بچوں کو بھی کلمہ اور نیک باتیں نہیں سکھاتے)۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے ہمراہ سفر

حضرت مولانا بعض اسفار میں حضرت نانوتوی کے ہمراہ تشریف لے گئے ہیں۔ مظفر نگر، روڑکی، پیران کلیر کے سفروں میں کئی مرتبہ اپنی ہمراہی کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے دلچسپ اشعار

فرمایا کہ: جب حضرت نانوتوی رحمہ اللہ پنڈت دیانند کے مقابلہ کے لئے روڑکی تشریف لے گئے تھے، یہ قطعہ تحریر فرمایا تھا ؎

ہم وہ نہیں ہیں دور سے باتیں کیا کریں ہم وہ نہیں ہیں دون کی بیٹھے لیا کریں
اپنا قول ہے کہ ہم آئے ہیں' آیئے دعویٰ اگر کیا ہے تو کچھ کر دکھایئے

حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے مکتوبات جو دیانند سرسوتی کو لکھے گئے ہیں' اس کے ایک گرامی نامہ میں بھی یہ اشعار موجود ہیں' جن میں ذرا سا فرق ہے، وہ یہ ہیں ؎ [1]

ہم وہ نہیں کہ دور سے وعدے کیا کریں ہم وہ نہیں کہ دون کے بیٹھے لیا کریں
اپنا یہ قول ہے کہ ہم آئے ہیں' آیئے دعویٰ اگر کیا ہے تو ہاں کچھ دکھایئے

(قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی' احوال و آثار و باقیات و متعلقات ص ۳۷۷)

ایک مرتبہ جزیرہ انڈمان کے اسیروں میں سے ایک اسیر کی نعتیہ نظم کا یہ درد انگیز شعر سنایا ؎

اے فخرِ نوح کیا کہیں پوچھے اگر کوئی کشتی یہ ڈوبتی ہوئی کس ناخدا کی ہے

حضرت کو اکبر الہ آبادی کے یہ اشعار بہت پسند تھے

حضرت مولانا کو لسان العصر اکبر الہ آبادی کا کلام بہت پسند تھا، ان کے بہت سے منتخب اشعار اپنی بیاض میں درج فرمائے تھے، یہ دو شعر ان کے بہت پسند تھے ؎

اللہ کی راہ اب بھی ہے کھلی' آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا
جب سر میں ہوائے طاعت تھی' سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصرِ عصیاں چلنے لگی' اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

حکیم مؤمن خان کے کلام سے بہت ربط تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ مؤمن خاندان ولی اللہی سے تلمیذانہ تعلق رکھتے تھے اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے خاص آدمی

---

[1] ......دون کی لینا: ڈینگ مارنا' تعلّی کرنا' شیخی بگھارنا' اترانا' خودستائی کرنا۔ (فرہنگ آصفیہ ص ۲۸۶ ج ۲)

تھے۔ ایک دن ایک موقع پر مؤمن کا شعر پڑھا ؎

وہ چلا' جان چلی' دونوں یہاں سے کھسکے
اس کو تھاموں کہ اسے' پاؤں پڑوں کس کس کے

افسوس

افسوس کہ حضرت کے مزید دلچسپ حالات' ملفوظات' واقعات' اکابر کے تذکرے رہ گئے۔ حضرت مولانا نسیم احمد فریدی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اپنے اکابر کے علاوہ دیوبند' امروہہ' رامپور' مرادآباد' بمبئی وغیرہ میں جن جن علماء سے ملاقاتیں ہوئی تھیں' ان کا تذکرہ بڑے دلچسپ پیرایہ میں کیا کرتے تھے۔ گنجائش نہیں ورنہ مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی' فرنگی محلی' شاہ ابوالخیر دہلوی' مولانا عین القضاۃ لکھنوی' مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی' نواب صدیق حسن خان اور حاجی وارث علی شاہ صاحب [1] رحمهم الله تعالى عليهم اجمعين کی ملاقاتیں اور ان ملاقاتوں کی دل آویز باتیں جو کچھ یاد تھیں سب لکھتا۔ آپ کا طریقۂ درس' طریقۂ وعظ' قرآن وحدیث کے علمی نکات یہ سب پہلو باقی رہ گئے''۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، شوال ۱۳۷۱ھ)

نوٹ: ...... حضرت مولانا کے یہ حالات جہاں سے لئے گئے ہیں ان کے حوالے ساتھ لکھ دیئے گئے ہیں' جہاں کوئی حوالہ نہیں وہ سارے حالات حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کے مضمون سے ماخوذ ہیں' جو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند شوال اور رمضان ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوئے تھے۔ مرغوب

[1] ...... جو آپ کی نانی کے حقیقی بھائی اور آپ کے نانا مولانا خادم حسین صاحب کے مرید تھے۔

مولانا سید عبدالحئ صاحب قاضی لاجپوری رحمہ اللہ

لاجپور جامع مسجد کے امام، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے خسر تھے۔ جید عالم دین تھے۔ تعلیم وتعلم کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ گلاںؔ ضلع سورت کے مدرسہ میں صدر مدرس تھے۔ بدعت کے مٹانے میں قابل رشک کوشش کی، مار کھانے تک کی نوبت آئی، لہولہان ہوئے۔ نوساری میں مولانا عبدالکریم صاحب (والد ماجد حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب) کے ساتھ ملکر ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جس میں اردو فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم میں مشغول رہے۔ ایک عرصہ تک افریقہ کے شہر ڈربن میں درس و تدریس وافتاء کی خدمات انجام دیں۔ دوراندیشی ضرب المثل تھی۔ طبیعت میں سنجیدہ گی تھی۔ ۵/ذیقعدہ ۱۳٦۹ھ مطابق: ۱۱/اگست ۱۹۵۰ء میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ حضرت مفتی مرغوب احمد صاحب نے پڑھائی۔ لاجپور کے قدیم قبرستان میں مدفون ہیں، رحمہ اللہ۔

مولانا سید محمد عمر لاجپوری

مولانا سید محمد عمر لاجپوری رحمہ اللہ کے حالات نہ مل سکے۔ آپ کی وفات: ۱۳۷۰ھ مطابق: ۱۹۵۱ء رنگون (برما) میں ہوئی۔

حیات احمد

ولادت:......۱۲۹۸ھ۔

وفات:......۵/ربیع الاول ۱۳۷۱ھ۔

گجرات کے مشہور عالم، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے آخری مرید، حضرت اقدس مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ، حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی رحمہ اللہ کی سوانح حیات۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

عرض مرتب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين ، وعلى اله واصحابه اجمعين ، اما بعد ،

بزرگان دین اور علماء صالحین کی سیرت وسوانح کا رواج قدیم زمانہ سے معمول بہا ہے، اور یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ قلب کی اصلاح اور اعمال صالحہ کا ذوق وشوق پیدا کرنے میں سلف صالحین کے حالات اور ان کے ایمان افروز واقعات کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) جیسے محدث' مفسر' فقیہ' فقہاء ومحدثین اور طلبہ وعلماء کو سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں' اور اپنا یہ تجربہ بیان کرتے ہیں کہ اصلاح نفس کے لئے یہ بہت مؤثر نسخہ ہے۔ موصوف ''صید الخاطر'' میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ فقہ اور سماع حدیث میں انہماک ومشغولیت قلب میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں، اس کی تدبیر یہی ہے کہ اس کے ساتھ مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے۔ حرام وحلال کا خالی علم قلب میں رقت پیدا کرنے کے لئے کچھ زیادہ سودمند نہیں۔ قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے' مؤثر احادیث و حکایات سے اور سلف صالحین کے حالات سے، اس لئے کہ ان نقول وروایات کا جو مقصود ہے وہ ان کو حاصل تھا، احکام پر ان کا عمل شکلی اور ظاہری نہ تھا، بلکہ ان کو ان کا اصلی ذوق اور لب لباب حاصل تھا۔ اور یہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ عملی تجربہ اور خود آزمائش کرنے

کے بعد ہے۔ میں نے دیکھا ہے عموماً محدثین اور طلبۂ فن حدیث کی ساری توجہ اونچی سند حدیث اور کثرت مرویات کی طرف ہوتی ہے۔اسی طرح عام فقہاء کی تمام تر توجہات جدلیات اور حریف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے۔ بھلا ان چیزوں کے ساتھ قلب میں کیا گداز اور رقت پیدا ہوسکتی ہے۔سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور وطریقہ کو دیکھنے کے لئے ملنے جاتی تھی، علم کے استفادہ کے لئے نہیں، اس لئے کہ یہ طور وطریقہ اس کے علم کا اصلی پھل تھا۔اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو اور فقہ وحدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہاد امت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو تا کہ اس سے تمہارے دل میں رقت پیدا ہو‘‘۔ (تاریخ دعوت وعزیمت :ص ۲۴۷ ج ۱)

خود علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسی غرض کے لئے سلف صالحین اور صلحاء امت میں سے بہت سے متقدمین ومشاہیر مثلاً: حضرت حسن بصری، سیدنا عمر بن عبدالعزیز، حضرت سفیان ثوری، حضرت ابراہیم ابن ادہم، حضرت بشر حافی، امام احمد بن حنبل، حضرت معروف کرخی (رحمہم اللہ) کی مستقل سیرتیں لکھی ہیں۔ (حوالہ بالا)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ (م: ۱۴۰۲ھ) سے کسی نے پوچھا کہ کس قسم کی کتابیں مطالعہ میں رکھنا مفید ہیں؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ:

’’اپنے اکابر کی سوانح عمریاں: تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، حضرت مدنی کی سوانح اور مکاتیب اور دوسرے اکابر کی سوانح حیات مفید ہیں۔

(حضرت شیخ اور ان کے خلفاء کرام :ص ۴۰۶ ج ۱)

اسی جذبہ کے ماتحت راقم نے مولانا احمد بزرگ صاحب رحمہ اللہ کی مختصر سوانح مرتب کی تا کہ مولانا کے حالات واوصاف وکمالات کو پڑھ کر کسی کو (اولاً مرتب کو) ان کے نقش قدم

پر چلنے کی توفیق ہو جائے۔

مولانا احمد بزرگ صاحب رحمہ اللہ قطب ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے آخری مرید' حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمہ اللہ کے خلیفۂ اجل' حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید اور حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے صحبت یافتہ تھے۔ رنگون (برما) میں تین سال مسند افتاء پر فائز رہے۔ تقریباً بائیس سال جامعہ ڈابھیل کے منصب اہتمام کو بحسن وخوبی سنبھالا۔ غرض آپ کے کمالات کا احصاء دشوار ہے، ان کمالات پر نظر کریں تو آپ کی سوانح کے لئے ایک مبسوط تصنیف درکار ہے۔

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد

لیکن یہ کام وہ شخص کرسکتا تھا جسے آپ کی رفاقت وصحبت کا شرف حاصل ہو مگر تقدیر الٰہی میں جو فیصلہ ہوتا ہے وہی وجود میں آتا ہے۔ آج حضرت کی وفات کے تقریباً ۴۵ رسال بعد یہ ہونا مقدر تھا'' کل امر مرھون باوقاتھا '' جب کہ آپ کے معاصرین بھی جوار رحمت میں پہونچ گئے، اس لئے چند کتابوں سے یہ حالات جمع کئے ہیں'' لکن لیس الخبر کالمعاینه '' حق تعالیٰ اس حقیر محنت کو شرف قبولیت سے نوازے ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
میرے مولا یہ تیری مہربانی

اور میرے لئے ذریعہ نجات بناوے، اور بروز قیامت ان حضرات کے طفیل معاف فرمائے، آمین۔

شنیدم کہ در روز امید بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اگر چہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدستہ ام

آخر میں استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم (خلیفۂ مجاز حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ) کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ موصوف نے مسودے کا ایک ایک لفظ بامعان نظر پڑھا اور جہاں غلطی تھی اس کی اصلاح فرمائی، اور باوجود مصروفیات کثیرہ کے تقریظ تحریر فرما کر ہمت افزائی فرمائی۔

مرغوب احمد لاجپوری

۲۱؍رجب المرجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳؍جنوری ۱۹۹۴ء

بروز دوشنبہ

....

’’نقوش بزرگاں‘‘ کے سامنے اپنی محنت ہیچ ہے

نوٹ:...... رفیق محترم مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ نے حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب رحمہ اللہ اور ان کے نامور اور خادم قوم وملت صاحبزادے حضرت مولانا سعید احمد صاحب رحمہ اللہ کی سوانح حیات ’’نقوش بزرگاں‘‘ کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں مرتب کر کے شائع کردی ہے۔ اس کے بعد اس حقیر کی کاوش کو دوبارہ اشاعت کرنا ہیچ معلوم ہوتا ہے، مگر ’’ذکر صالحین‘‘ کے ساتھ راقم کے مضامین اور سوانحی تالیفات کو جب شائع کیا جارہا ہے تو اس کا ترک گوارہ نہ ہوا۔

مرغوب احمد

تقریظ:

استاذ محترم حضرت مولانا احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

استاذ حدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محسن ملت حضرت مولانا احمد حسن بھام سملکی رحمہ اللہ نے ''مدرسہ تعلیم الدین'' کے نام سے ایک پودا لگایا، اس کی آبیاری کر ہی رہے تھے کہ داعیٔ اجل کا پیغام آ گیا۔

اب اس پودے کی آبیاری اور حفاظت و پرداخت کی ذمہ داری انہی کے ایک رفیق وہم درس پر آ پڑی۔ انہوں نے اس پودے کی حفاظت و پرورش کا وہ حق ادا کیا کہ اس نے ''جامعہ اسلامیہ'' نامی ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لی، جس کی چھاؤں میں اہل علم وفضل کے قافلوں نے اپنی منزل تلاش کی، اور تشنگان علوم نبوت نے اس چشمۂ آب حیات سے اپنی علمی پیاس بجھا کر سیرابی حاصل کی۔

فیوض وبرکات کا یہ سلسلہ گجرات وہندوستان سے متجاوز ہوکر بخارا اور ختن تک پہنچا، انہی کو دنیا حضرت مولانا احمد بزرگ سملکی صاحب رحمہ اللہ کے نام نامی سے پہچانتی ہے۔

یہ عظیم ہستی کون ہے؟ ان کے اوصاف وکمالات کیا ہیں؟ ان کی خدمات واحسانات کیا ہیں؟ ان سوالات کے جوابات سے غیر تو غیر جامعہ کے فیض یافتگان کا طبقہ بھی واقف نہیں۔

ضرورت تھی کہ ایک مفصل سوانح حیات کے ذریعہ ان کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا، لیکن کون ہے جو اس کا بیڑا اٹھائے؟

عزیز مکرم مولوی مرغوب احمد لاجپوری سلمہ اللہ تعالی وعافاہ (نبیرۂ حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ) نے فضلائے جامعہ کی غیرت وحمیت کو للکارنے کے لئے مختصر حالات کی صورت میں بزرگ مرحوم کا ایک مرقع پیش کیا ہے۔ اللہ تعالی ان کی اس سعی جمیل کو قبول فرما کر ان کو حقیقی معنی میں اپنے جد بزرگوار کا علمی وعملی جانشین بنائے، آمین۔

کتبہ العبد: احمد عفی عنہ خانپوری

مورخہ ۹/جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ

....

صاحب سوانح مولانا احمد بزرگ صاحب رحمہ اللہ کا ایک خواب

الروية الصالحة

رأيت فى المنام فى ليلة الاربعة يوم الثلثاء فى الصفر ١٣٥٠ ه شيخنا ومرشدنا حضرت مولانا رشيد احمد الجنجوهى فى احسن لباس ' فى قصر رفيع ' على سرير مرفوعة ' فسلمت عليه ' فاجابنى ' وصافحنى ' و عانقنى ' وبسط لى السجادة ' وقال لى : " انت خليفتى" واجازنى باخذ البيعة من المسلمين وكتب لى ورقة كتب فيه:

" هذا خليفتى ' اجزت له باخذ البيعة ' واجزت له بتلقين الاذكار والاوراد" واعطانى هذه الورقة ' وكان مسرورا ' واقعدنى على السجادة "۔

حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب رحمہ اللہ

ولادت

ظن غالب یہ ہے کہ آپ کی ولادت: ۱۲۹۸ھ ''سملک'' نامی گاؤں میں ہوئی۔ یہ گاؤں ڈابھیل سے قریب واقع ہے۔

ڈابھیل سملک

ازمنۂ ماضی کا باب مکہ ''سورت'' ہندوستان کے صوبہ گجرات کا مشہور شہر ہے، سورت سے جنوب مشرق میں بمبئ جانے والی ایک سڑک کے کنارے تقریباً: ۲۶/کلومیٹر پر یہ دونوں گاؤں آباد ہیں۔ یہ دونوں گاؤں ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہیں کہ دونوں کو ایک ہی گاؤں سمجھنا چاہئے۔

مولانا کے والد

آپ کے والد صاحب کا نام ''ابراہیم'' عرف ''نانا'' تھا۔ پیر کے لقب سے مشہور تھے، سملک کے باشندے' زراعت پیشہ' علماء وصلحاء کے ہمنشین' صوم وصلوۃ کے پابند' بہت معمولی طور پر پڑھے لکھے تھے' درویشوں اور بزرگوں سے محبت رکھتے تھے' اوران کی خدمت کرتے تھے، اس کی برکت تھی کہ اللہ تعالی نے صالح ولد سے نوازا۔ صاحبزادے (مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ) کے قیام دیوبند کے زمانہ میں غالباً ۱۳۲۱ھ یا ۲۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا'' انا للہ وانا الیہ راجعون'' حدیث شریف میں ہے:

عن ابی هريره رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : اذامات الانسان انقطع عنه عمله ، الا من ثلثة : الامن صدقة جارية ، أوعلم ينتفع به ، أو ولد

صالح يدعو له۔(رواه مسلم كتاب الوصية:مشکوۃ ص۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل موقوف ہوجاتا ہے، مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے: ایک صدقہ جاریہ کا' دوسرے علم کا جس سے لوگ فائدہ اٹھائے' تیسرے نیک وصالح لڑکا' جو اس کے لئے دعا کرے۔

امام نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے بڑی فضیلت معلوم ہوئی اس نکاح کی جو ولد صالح کی امید سے کیا جائے''۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''علما نے لکھا ہے: مطلب اس کا یہ ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل موقوف ہوجاتا ہے، اور اب نیا ثواب اس کو حاصل نہیں ہوتا، مگر ان تین چیزوں سے' کیونکہ میت ان کا سبب بنا ہے' اولاد تو اس کی کمائی ہے''۔

مولانا کے والد مرحوم نے بھی اپنے پیچھے ایک ایسا لائق وہونہار فرزند چھوڑا جو یقیناً مرحوم کے لئے بموجب حدیث ترقئ درجات کا ذریعہ تھا۔

حدیث کے ذیل میں بے اختیار قلم پر احقر کے جد بزرگوار مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری کا ذکر آ ہی گیا' جنہیں حق تعالیٰ نے حسن اتفاق سے وہ تینوں نعمتیں عطا فرمائی تھیں' جو حدیث بالا میں مذکور ہیں۔ مولانا موصوف نے ولد صالح میں راقم کے والد ماجد مدظلہ' اور صدقہ جاریہ میں لاجپور کی وسیع جامع مسجد' اور مفید کتابیں چھوڑی ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

طفولیت

مؤرخین جانتے ہیں کہ بچپن کے واقعات وحالات کی تفصیل کا جمع کرنا کوئی سہل کام نہیں۔اوراس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص دینی یا دنیوی حیثیت سے کیسا ہی بڑا کیوں نہ ہو‘اس کے زمانۂ طفولیت میں کسی کو کیا خبر کہ حال کا یہ طفل مکتب مستقبل میں علم دینی یا دنیوی کی کونسی منزل طے کرے گا؟ یہی وجہ ہے کہ مولانا بزرگ رحمہ اللہ کے حالات طفولیت مجھے باوجود کوشش کے دستیاب نہ ہوسکے، ہاں اتنا معلوم ہوا کہ حق تعالی نے آپ کو بچپن ہی سے فطری نیکی عطا فرمائی تھی،صغرسنی ہی سے آپ میں آثار رشد وہدایت نمایاں تھے،بقول مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ کے: بچپن ہی سے بزرگ لقب تھا۔

بالائے سرش زہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

آغاز تعلیم

تعلیم کی ابتداء ناظرہ قرآن سے سملک کے مکتب میں ہوئی۔قرآن شریف کی تکمیل کے بعد اردو پڑھی‘اور فارسی جناب مولوی سید امیر میاں صاحب سملکی (مولانا کے حالات مل نہ سکے) مقیم ’’نوساری‘‘ (ڈابھیل سے جنوب مغرب کی سمت تقریباً:۱۴رکلومیٹر پر ایک قدیم شہر ہے) سے پڑھی۔اسی دوران لاجپور میں ’’مدرسہ اسلامیہ‘‘ کا دور جدید حضرت مولانا احمد میاں صاحب صوفی رحمہ اللہ کے دست بابرکت سے شروع ہوا،مولانا نے درس نظامیہ کے طور پر للہ فی اللہ درس دینا شروع کیا،جس سے مقام اوراطراف وجوانب کے تشنہ کام طلبہ کا اجتماع شروع ہوا، دیگر طلبہ کے ساتھ مولانا بزرگ بھی وہاں پہنچے۔یہ ۱۳۱۴ھ کا زمانہ تھا۔فارسی میں ’’گلستاں‘‘ اور ’’بوستاں‘‘ پڑھنے کے بعد محرم:۱۳۱۵ھ میں ۱۴رطلبہ کی ایک جماعت نے تحصیل عربی کے سلسلہ میں ’’میزان‘‘ شروع کی۔

رفقاء درس

مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے اپنے استاذ محترم مولانا احمد میاں صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے حالات میں پوری جماعت کے اسماء بھی تحریر فرمائے ہیں۔ مولانا رقم طراز ہیں:

''ضلع سورت کے اکثر علماء آپ سے مستفید اور آپ کے دامن سے وابستہ ہیں، مولانا احمد حسن بانی جامعہ ڈابھیل' مولانا احمد بزرگ سابق مہتمم جامعہ ڈابھیل' مولانا احمد درویش' مولانا صوفی حاجی ابراہیم میاں صاحب' مولوی حافظ ابراہیم پٹیل صاحب کفلیتوی' مولانا محمد یوسف صاحب لاجپوری' مولانا سید عمر صاحب لاجپوری' (م:۱۳۷۰ھ ۱۹۵۱ء، رنگون برما) مولانا سید عبدالحئی صاحب لاجپوری' مولانا حافظ عبدالرحمٰن بھوپالی' مولانا وزیر خاں صاحب حیدرآبادی' مولوی الٰہی بخش صاحب پنجابی' مولوی عبداللہ صاحب پنجابی' مولوی یحیٰ صاحب بنگالی' اور ننگ تلامذہ راقم الحروف مرغوب احمد لاجپوری (احقر کے جدامجد) آپ کے ہی دامن فیض سے وابستہ ہیں''۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ربیع الاول ۱۳۷۳ھ جلد ۴۴)

لاجپور میں تعلیم کا یہ سلسلہ کامل چار سال تک جاری رہا، جس سے یہ جماعت صرف ونحو کے علاوہ منطق میں ''شرح تہذیب'' اصول فقہ میں ''نورالانوار'' فقہ میں ''ہدایہ اولین'' اور حدیث میں ''مشکوۃ شریف'' تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد مدرسہ میں کچھ تعطل پیدا ہوگیا، مگر حضرت استاذ کے علمی ذوق اور طرز تعلیم وشفقت نے طلبہ میں تحصیل علم کا ایک جوش اور ولولہ پیدا کردیا تھا، اس لئے طلبہ نے مختلف علمی مراکز کا قصد کیا۔ مولانا احمد بزرگ صاحب بھی شوال ۱۳۱۸ھ میں دیوبند تشریف لے گئے' اور دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے' جہاں کہ اکابر اساتذہ کرام کی شہرت عالم اسلامی کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے تھی۔ دیوبند کا یہ وہ

دور تھا جس کی سیادت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ فرما رہے تھے، اور دار العلوم کا اہتمام دار العلوم کے پانچویں مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمہ اللہ سے متعلق تھا۔ آپ نے تین سال دیوبند میں رہ کر علوم وفنون کی بقیہ درس نظامیہ کی کتابیں اپنے عہد کے علماء کبار حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، ومولانا محمد احمد صاحب صدر مہتمم، ومولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی نائب مہتمم، وحضرت مولانا غلام رسول صاحب سے پڑھیں، اور حدیث کی کتابیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ سے پڑھ کر: ۱۳۲۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مولانا احمد بزرگ دار العلوم میں: ۱۸ھ میں تشریف لے گئے، جیسا کہ مولانا مرغوب احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے، اور مرتب تاریخ دار العلوم نے بھی لکھا ہے۔ (ص۹۶ ج ۲)

مگر تاریخ جامعہ میں ہے کہ: ’’مولانا احمد بزرگ لاجپور سے دہلی پہنچے، اور ایک سال وہاں رہ کر دیوبند چلے گئے‘‘۔ تاریخی حیثیت سے اس میں سقم معلوم ہوتا ہے، کیونکہ لاجپور میں مولانا کا قیام :۱۸ھ تک رہا اور: ۱۸ھ ہی میں دار العلوم میں داخل ہوئے، تو پھر دہلی میں مولانا کون سے سال میں رہے؟

مولانا کی فراغت ۲۱ھ میں ہوئی جیسا کہ تاریخ دار العلوم (ص۹۶ ج ۲) اور تاریخ جامعہ ص ۲۷۵ / میں ہے، مگر مولانا مرغوب احمد صاحب نے :۲۲ھ میں فراغت لکھی ہے، لیکن صحیح ۲۱ھ ہے۔

خانقاہ رشیدی میں حاضری

دار العلوم میں تین سالہ قیام کے بعد شعبان (غالبًا ۱۳۲۱ھ میں بغرض بیعت گنگوہ حاضر ہوئے، (جس کا تفصیلی ذکر بیعت وخلافت کے عنوان میں آئے گا) اور امام ربانی

حضرت گنگوہی سے بیعت ہوئے، مگر طویل قیام نہ کر سکے' اور صرف بیعت ہو کر حضرت کی اجازت سے وطن کی طرف مراجعت کی، لہٰذا مفتی مرغوب احمد صاحب اور ان کی اتباع میں مرتب تاریخ جامعۂ کے بیان میں سہو ہے، ان ہر دو حضرات کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا بزرگ فراغت کے بعد ۲۲ھ کے آخر میں حضرت گنگوہی کی خدمت اقدس میں پہنچ کر بیعت سے سرفراز ہوئے' اور حضرت مرشد کے وصال تک گنگوہ میں رہے' اور حضرت کے وصال کے بعد بادل ناخواستہ وطن واپس تشریف لائے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ پہلی حاضری میں بیعت کے بعد طویل قیام نہ فرما سکے' اور دوسری حاضری میں: ۹/ ماہ تک قیام فرما کر حضرت کی تعلیم کے مطابق ذکر وفکر شغل اور مجاہدہ وریاضت کرتے رہے۔

الغرض مولانا وطن تشریف لائے' مگر ابھی علمی ذوق وشوق ختم نہیں ہوا تھا' اور معقولات کی کچھ کتابیں پڑھنی رہ گئی تھیں، اس کی تکمیل کے خیال سے ٹونک پہنچے' اور منطق وفلسفہ میں مشغول ہو گئے، ابھی ہفتہ ہی گزرا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ:

ایک بڑا دریا ہے جس کو انہوں نے ایک دم میں عبور کر لیا ہے، اس دریا کے پرلے کنارے پر حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کھڑے تھے، اور ان کو اپنی طرف بلا رہے تھے۔

(تذکرۃ الرشید: ص ۳۰۹ ج ۲)

اس خواب کے بعد جب آنکھ کھلی تو دل پر وحشت اور گھبراہٹ کے آثار طاری تھے، سمجھ گئے کہ مربی ومرشد امام ربانی کی طرف سے ترک منطق وفلسفہ پر تنبیہ کی جاری ہے' کیونکہ بہت ممکن ہے کہ مولانا احمد بزرگ کو اپنے شیخ کا مسلک در باب منطق وفلسفہ معلوم ہوگا۔

ناظرین کے سامنے موقع کی مناسبت سے امام ربانی کا منطق وفلسفہ کے متعلق جو نظریہ تھا کہ اس کا تذکرہ کرتا چلوں۔ امام ربانی نے گرچہ طالب علمی کے زمانہ میں سارے ہی

علوم کو پڑھا تھا، مگر زمانہ تدریس میں فلسفہ وغیرہ سے کنارہ کشی اختیار فرمالی تھی، اور نہ صرف آپ فلسفہ وغیرہ سے متنفر تھے، بلکہ دوسرے کو بھی نفرت دلایا کرتے تھے حتی کہ ناجائز فرمایا کرتے تھے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (م:۱/شعبان:۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) رقم طراز ہیں:

''حضرت امام ربانی نے پڑھتے وقت تمام علوم مروجہ منطق وفلسفہ، عقائد وکلام، ریاضی وہیئت وغیرہ سب ہی علوم کی تکمیل اور سارے نصاب نظامیہ کومع شئی زائد بوجہ احسن جماعت میں اول نمبر رہ کر تمام کیا تھا، مگر زمانہ تدریس میں تدین کے سبب سے سب کو ترک کردیا اور سوائے علوم دینیہ کے کوئی فن نہیں پڑھایا، بلکہ فلسفہ وغیرہ کو مخالف شرع کے باعث ناجائز فرماتے، اور اس درجہ تنفیر دلایا کرتے تھے کہ حد نہیں۔ ایک مرتبہ کسی طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت ہمارا عقیدہ فلسفی مسائل پر نہیں ہے، صرف زبان ہی سے ان کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، اس میں کیا حرج ہے؟ حضرت نے فرمایا: اول تو زبان سے کلمات کفر وشرک کا نکالنا اور ان کو دلائل سے ثابت کرنا اس کے اعتراضات کو دفع کرنا خود دلیل عقیدہ کی ہے، اور اگر بالفرض عقیدہ نہ ہو تب بھی حرام اور موجب غضب خداوندی ہے، مثلاً کوئی شخص تم کو گدھا، سور کہے، یا کوئی مغلظ گالی دے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص عقیدہ نہیں رکھتا کہ تم گدھے، سور یا ایسے ہو جیسا وہ گالی میں تمہیں بتا رہا ہے، صرف زبان ہی سے کہہ رہا ہے، مگر بتلاؤ تو سہی تمہیں اس پر غضب آئے گا یا نہیں؟ ضرور آئے گا، پس ایسے ہی کلمات کفر وشرک کو سمجھو کہ ضرور موجب غضب خداوندی ہوں گے، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات حیادار سے حیادار مسلمان سے بھی زیادہ غیور ہے، طالب علم نے لاجواب ہو کر عرض کیا کہ حضرت کیا کریں مجبوری ہے، بدون اس کے نوکری نہیں مل سکتی، حضرت نے ارشاد فرمایا: اگر تم سے کوئی کہے کہ سو روپے ماہوار تم کو ملے گا پاخانہ کا ٹوکرا سر پر اٹھا کر بازار کے اس سرے سے

دوسرے سرے لے جایا کرو، انصاف سے کہو تمہاری غیرت اس کو قبول کرے گی؟ ہرگز قبول نہ کرے گی افسوس اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے میں اتنی بھی غیرت نہیں آتی جتنی ایک مباح کام کے کرنے میں غیرت آتی ہے۔ طالب علم لاجواب ہو گیا اور اس کے ساتھ دوسرے طلبہ کے ذہن سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گندے علوم کی رغبت یا اجازت جاتی رہی۔ (تذکرۃ الرشید:ص۹۴ ج۱)

موصوف دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

اسی طرح منطق وفلسفہ کے ساتھ آپ کا تنفر عداوت کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: میرا جو مرید اور شاگرد فلسفہ کا شغل رکھے گا وہ میرا مرید اور شاگرد نہیں، اور بارہا فرمایا کرتے تھے کہ: ''اس منطق وفلسفہ سے تو انگریزی بہتر کہ اس سے دنیا کے نفع کی امید تو ہے''۔ (تذکرۃ الرشید:ص۵۰/۵۱ ج۲)

بہرحال مولانا بزرگ نے اس خواب کے بعد ٹونک میں قیام کا ارادہ ملتوی کر دیا' اور دیوبند کا قصد کیا' اور دوبارہ دارالعلوم میں تشریف لا کر ایک سال میں بقیہ کتابیں ختم کیں، پھر دوبارہ گنگوہ حاضر ہوئے' اور حضرت کی خدمت میں رہ کر مستفیض ہوئے۔

بیعت وخلافت

علوم دینیہ کا مقصد نیت کی درستگی' معاملات کی صفائی' عبادات کا اہتمام' باطن کا تزکیہ' اور اعمال کا تجلیہ ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ (م:۶۷۲ھ) مثنوی میں دینی علوم کا مقصد واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ؎

جان جملہ علمہا ایں است وایں تا بدانی من کیم در یوم دیں

کہ تمام علوم کا حاصل یہ ہونا چاہئے کہ انسان کو عاقبت کی فکر اور زمرۂ سعداء میں شریک

ہونے کی تمنا نصیب ہو‘ورنہ یہی علم جو انسان کو کامیابی کی بلندی اور جنت کے درجات عالیہ دلاتا ہے‘بغیر اخلاص کے ذلت کی پستی اور جہنم کی بھیانک اور مہیب وادیوں میں دخول کا سبب بن سکتا ہے،اس لئے بہت ضروری ہے کہ ظاہری علوم سے فراغت کے بعد اصلاح باطن کی طرف متوجہ ہو۔

امام غزالی (م:۵۰۵ھ) کو ان کی نمایاں قابلیت کی وجہ سے درس وتدریس سے فراغت کے بعد جب کہ آپ کی عمر:۳۴/سال سے زیادہ نہ تھی:۴۸۴ھ میں نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ کی صدارت کے لئے منتخب فرمایا‘ جو اس وقت ایک عالم کے لئے سب سے بڑا اعزاز اور منتہائے ترقی تھا۔جب آپ نے نظامیہ میں درس شروع کیا تو تھوڑے ہی دن میں آپ کے درس‘ حسن تقریر اور تبحر علمی کی بغداد میں دھوم مچ گئی،طلبہ وعلماء نے استفادہ کے لئے ہر طرف سے ہجوم کیا،ان کی مجلس میں تین تین سو منتہی طالب علم اور سو سو امراء ورؤسا شرکت کرتے۔رفتہ رفتہ اپنی عالی سلطنت کے ہمعصر بن گئے‘اور بقول ایک معاصر شیخ عبد الغافر فارسی کے: ان کے جاہ وجلال کے سامنے امراء اور وزراء اور خود بارگاہ خلافت کی شان وشوکت بھی ماند پڑ گئی۔اس انتہائی عروج کا تقاضا یہ تھا کہ امام اس پر قناعت کرتے، مگر آپ کی بے چین طبیعت اور بلند ہمتی نے اقلیم علم کی بادشاہی کو چھوڑ کر یقینی وباطنی علم کی تلاش وجستجو میں نکلنے پر مجبور کردیا،خود فرماتے ہیں کہ:

’’میرا سب سے افضل عمل تدریس وتعلیم کا معلوم ہوتا تھا،لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم پر ہے جو نہ تو اہم ہیں‘ اور نہ آخرت کے سلسلہ میں کچھ فائدہ پہنچانے والے ہیں۔میں نے اپنی تدریس کی نیت کو دیکھا تو وہ بھی خالص لوجہ اللہ نہ تھی‘ بلکہ اس کا باعث ومحرک بھی محض طلب جاہ وحصول شہرت تھا۔تب مجھے یقین ہوگیا کہ ہلاکت

کے غار کے کنارے کھڑا ہوا ہوں، اگر میں نے اصلاح حال کی کوشش نہ کی' تو میرے لئے سخت خطرہ ہے''۔(تاریخ دعوت وعزیمت:ص ۱۳۵)

بالآخر تقریباً دس سال تک شام' بیت المقدس' اور حجاز مقدس میں عزلت وخلوت کے اندر نفس کے تزکیہ' ریاضت ومجاہدہ میں مصروف رہے، اس کے بعد جو کچھ حاصل ہوا' اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے' اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا' اس کی تفصیل اور اس کا استقصاء تو ممکن نہیں' لیکن ناظرین کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ: مجھے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ صوفیاء ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں' ان کی سیرت بہترین سیرت' ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم' اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں' اگر عقلاء کی عقل' حکماء کی حکمت' اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت واخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں۔ ان کے تمام ظاہری وباطنی حرکات وسکنات مشکوۃ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے''۔(حوالہ بالا:ص ۱۳۷)

امام غزالی رحمہ اللہ نے اصلاح باطن کے بعد دوبارہ تدریس کا سلسلہ شروع کیا' لیکن پہلی اور دوسری حالت میں نمایاں فرق تھا، اس کو خود پوری صفائی سے تحریر فرماتے ہیں:

''میری اس پہلی اور دوسری حالت میں زمین وآسمان کا فرق ہے، میں پہلے اس علم کی اشاعت کرتا تھا' جو حصول جاہ کا ذریعہ ہے اور میں اپنے قول وعمل سے اسی کی دعوت دیتا تھا' اور یہی میرا مقصود ونیت تھی، لیکن اب میں اس علم کی دعوت دیتا ہوں جس سے جاہ سے دست بردار ہونا پڑتا ہے' اب میں اپنی اور دوسرے کی اصلاح چاہتا ہوں۔(حوالہ بالا:۱۴۰)

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ (م:۶۷۲ھ) استاذ دوراں اور خود صاحب سجادہ تھے، علماء اور طلباء کا ان کے گرد ہجوم رہتا تھا اور صوفیاء تک ان سے مستفیض ہوتے تھے، آپ کی جب سواری نکلتی تو علماء وطلباء کے ساتھ امراء کا ایک گروہ بھی رکاب میں ہوتا تھا۔ ان کمالات کے باوجود اپنے اندر باطنی خلاء محسوس فرماتے تھے' جس کی وجہ سے حضرت شمس تبریز رحمہ اللہ کی غلامی اختیار کی اور ریاضت ومجاہدہ میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا، اس کے بعد اللہ پاک نے ان کو جوئی روح عطا فرمائی' جس سے لاکھوں مردہ دل زندہ ہوئے، اس کو دنیا جانتی ہے' یہ شیخ کامل کی فیض محبت کا نتیجہ تھا۔ مولانا خود فرماتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم — تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

(آداب المتعلمین ص:۱۰۲)

راقم کو ان سطور میں تصوف اور اس کی حقیقت پر کوئی طویل گفتگو نہیں کرنی ہے' یہ تو ضمناً چند سطریں قلم پر آ گئیں۔ بتانا تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو رذائل سے پاک کر کے محاسن سے آراستہ کرنا چاہے تو خود کو کسی کامل سے وابستہ کرنا ضروری ہے، اہل اللہ کی جوتی سیدھی کئے بغیر یہ دولت حاصل نہیں ہوتی۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا بھرا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضاء لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

مولانا احمد بزرگ کو دیوبند میں طالب علمی ہی کے زمانہ سے علوم باطنی کے حصول کی طلب تھی، اور بذریعہ مبشرات گنگوہ حاضری کی نشاندہی کی جاچکی تھی، چنانچہ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کے حصول کے لئے امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں اقدس میں حاضر ہوکر بیعت سے سرفراز ہوئے، بیعت کے بعد وطن تشریف لے گئے، پھر دوسرے سال غالباً شوال: ۱۳۲۲ھ میں اس نیت و عزم سے حاضر ہوئے کہ علوم باطنی کی تکمیل تک دربار رشیدی سے مفارقت نہ کریں گے، مگر بادل ناخواستہ: ۹ رمہینے کے بعد مولانا کی موجودگی ہی میں مرشد کا وصال ہوگیا۔ ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رقم طراز ہیں:

''مولوی احمد صاحب سملک، ضلع سورت کے رہنے والے تھے، جس وقت دیوبند میں علوم شرعیہ پڑھتے تھے، اسی وقت سے اللہ کا نام سیکھنے کی دل میں طلب تھی، اور چونکہ جوان صالح تھے، اس لئے اکثر رویاء صالحہ نظر آتی تھیں۔ خوابوں میں ان کو یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ گنگوہ حاضر ہوکر اللہ کا نام سیکھنا چاہئے، مگر چونکہ حضرت کی عادت سے واقف تھے کہ طالب علم کو بیعت نہیں فرماتے، اس لئے عرض کی جرأت نہ کرسکتے تھے، اسی فکر میں تھے کہ ایک شب خواب دیکھا: ایک باغ ہے بہت بڑا، جس میں طرح طرح کے پھل دار درخت لگے ہوئے ہیں، یہ باغ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کا کہلاتا ہے، اسی باغ میں انہوں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ اندر گئے اور دو تین امرود توڑ کر کھائے'' دفعۃً آنکھ کھل گئی تو سمجھ گئے کہ انشاء اللہ حضرت کے فیض سے محروم نہ رہوں گا۔ آخر ماہ شعبان میں گنگوہ حاضر ہوئے تو بیعت کی درخواست کی اور حضرت نے منظور فرمالی، مگر ذکر شغل کچھ تعلیم نہیں فرمایا، بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ: یہاں رہو تو کچھ بتاؤں ورنہ نہیں، چونکہ ان کو وطن چھوڑے مدت

ہوئی تھی والدہ کی زیارت کو بہت جی چاہتا تھا، اس لئے خانقاہ میں ٹھہر نہ سکے اور صرف بیعت ہوکر بحصول اجازت وطن واپس ہوگئے، اگر چہ صرف بیعت ہوئے تھے مگر تصرفات کے آثار وبرکت وتوجہ کے ثمرات سے محروم نہ تھے، حق تعالیٰ کا خوف اور خشیہ دل میں ایسا پیدا ہوگیا تھا جس کا وجود طالب علمی کے زمانہ میں بھی نہ تھا، فرائض کی پابندی کا ایک خیال ہوگیا تھا کہ نماز قضا نہ ہونے پاتی تھی، قلب میں ایسی چٹک محسوس ہوئی تھی جو طاعات کی طرف شوق دلاتی اور حصول رضاء خالق جل وعلی شانہ کو دیگر مرغوبات پر ترجیح دیتی تھی، مگر چونکہ کچھ کتابیں معقول کی پڑھنے سے رہ گئی تھیں، اس لئے ان کی تکمیل کا خیال مقدم تھا، چنانچہ ٹونک پہنچے اور فلسفہ ومنطق میں مشغول ہوگئے، آٹھواں یا نواں دن تھا کہ خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا دریا ہے جس کو انہوں نے ایک دم میں عبور کرلیا ہے، اس دریا کے پرلے کنارے پر حصرت مولانا کھڑے تھے' اوران کو اپنی طرف بلا رہے تھے۔ یہ خواب دیکھ کر جب ان کی آنکھ کھلی تو دل میں ایک وحشت اور گھبراہٹ موجود تھی' آخر وہاں سے چل دیئے اور دیوبند آئے، یہاں ایک سال رہ کر بقیہ کتابیں ختم کیں' اور پھر گنگوہ حاضر ہوئے' ذکر شغل شروع کیا اور نعمتوں سے متمتع ہوئے، مگر افسوس چند ہی ماہ بعد حضرت قدس سرہ کا وصال ہوگیا' اوران کو صرف نو مہینے خانقاہ میں رہ کر وطن واپس ہونا پڑا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے بلانے پر گنگوہ پہنچے ضرور مگر بدیر' تکمیل معقولات میں ایک سال گزارا اس مدت میں بہتری خوابیں ان کو نظر آئیں' جو قریب قریب تصریح کے تھیں کہ وقت کو غنیمت سمجھو اور گنگوہ جاؤ' مگر تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا، حق تعالیٰ کی میشت سب پر غالب ہے' وہی ہوا جو کاتب ازل نے لکھا تھا' تاہم حضرت قدس سرہ کے فیوضات وتصرفات سے محروم نہ رہے، اس ایک سال میں ان کے کئی

قریبی رشتہ داروں کا انتقال ہوا' جن کی مفارقت دنیاویہ سے دیوبند ہی میں مطلع ہوئے، مگر الحمدللہ بیتاب نہ بنے پورے سال بھر تکمیل علم میں مشغول رہے' اوراس کے بعد نو ماہ گنگوہ میں قیام بھی کیا' ان کے اکثر عزیزوں نے طاعون میں وفات پائی' جن کو مولوی احمد صاحب اکثر خواب میں دیکھا کرتے کہ وہ نہایت خوش اور ہشاش وبشاش ہیں' نیز ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ احمد گنگوہ میں حضرت مولانا کے پاس تم جلدی جاؤ اور وہاں رہ کر ذکر شغل کرو' دیکھو پھر ایسا موقع کبھی نہ ملے گا۔

ایک مرتبہ انہوں نے اپنی خالہ کو جو نہایت پارسا اور عابدہ تھیں' خواب میں دیکھا فرماتی ہیں کہ:

''احمد تم حضرت مولانا سے فقط مرید ہوئے ہو' اس سے تمہیں زیادہ فائدہ نہیں ہے' اگر تم وہاں پہنچ کر ذکر شغل کرو تو تم کو بہت نفع ہو' ایسے شیخ سے مرید ہونے کا فائدہ تمہیں اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ ان سے ذکر شغل جا کر کرو''۔

ایک بار خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ کھڑے ہیں' اور خاص ان کو مخاطب بنا کر یوں ارشا فرماتے ہیں کہ: ''گجرات میں مدرسہ بنانے سے گنگوہ شریف میں حضرت مولانا کے یہاں رہنا بہت عمدہ اور تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے''۔

ایسی کھلی ہوئی خوابیں ان کو نظر آتی تھیں، مگر پھر اس خیال سے کہ ناتمام کتابوں کی تکمیل کا وقت دوبارہ ملنا مشکل ہے' یہ درس میں مصروف تھے، ہاں عجلت ضرور کرتے تھے کہ کسی طرح جلد ہو جاویں، آخر ایک خواب اور دیکھا کہ:

مولانا کا ایک خواب اور حضرت تھانوی کی تعبیر

''ان کے اور گنگوہ کے درمیان ایک نہایت عظیم الشان سمندر حائل ہے، یہ معہ اپنے

چند ہم سبق طلبہ کے اس کے کنارہ پر کھڑے اور گنگوہ پہنچنے کا ارادہ کر رہے ہیں' چنانچہ ہمت کر کے اس میں قدم ڈال دیا اور پار اتر گئے، وہاں ایک جامن کا درخت کھڑا ہے' ان کے ہمراہی رفقاء تو جامنیں کھانیں میں مصروف ہو گئے اور یہ سیدھے گنگوہ پہنچے، دیکھا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ جس مرید کی جانب توجہ فرماتے ہیں اسی طرف استغراق فرماتے ہیں''۔

یہ دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔ مولوی احمد صاحب نے سارا خواب لکھ کر تعبیر کے لئے طبیب امت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی خدمت میں بھیجا، مولانا نے تحریر فرمایا:

''یہ دریا علم کا ہے تم اس کو طے کر کے گنگوہ پہنچو گے' اور تمہارے ہم سبق طلبہ اپنے دنیاوی مشاغل میں مشغول ہو جائیں گے، انشاء اللہ تمہاری اندرونی خرابیاں سب نکل جائیں گی، جو شیخ کے منہ سے قے کی صورت میں تم کو نظر آئیں، حضرت کا مریدین کی جانب متوجہ ہو کر استغراق کرنا مریدین کے مفاسد باطنیہ کا وہ اخراج ہے جس کو توجہ اور تصرف سے تعلق ہے''۔

اس خواب پر آخر کار مولوی احمد صاحب گنگوہ حاضر خدمت ہوئے اور حضرت سے اجازت لے کر خانقاہ میں قیام فرمایا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ:

''شام کو آنا تم کو کچھ بتلاؤں گا''

چنانچہ مغرب کے بعد اس سے قبل کہ یہ حاضر خدمت ہوں خود ہی حضرت نے بلا بھیجا اور بارہ تسبیح ذکر بالجہر کی تعلیم فرمائیں۔

ذکر کے دوسرے دن اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے کہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ ایک ایسے عظیم الشان دربار میں تشریف فرما ہیں

جہاں بکثرت علماء موجود ہیں، اسی حال میں ایک بڑے عالم کے توسط سے یہ بھی حضرت حاجی صاحب تک پہنچائے گئے' اس وقت حضرت حاجی صاحب نے ان کو بارہ تسبیح تعلیم فرمائیں۔ یہ دیکھتے ہی آنکھ کھل گئی، اس خواب سے ان کو اطمینان ہو گیا کہ حضرت مولانا کی تعلیم بجنسہ حضرت حاجی صاحب کی تعلیم ہے' اور وہ وسوسہ رفع ہو گیا جو ظلمت فلسفہ کی بدولت دونوں حضرات میں تخالف کا پیدا ہو گیا تھا۔ اب ان کا قیام خانقاہ میں خالص محبت اور حسن عقیدت کے ساتھ ہوا اور موسلا دھار بارش کی طرح برسنے والے فیوضات سے مستفیض ہونے لگے۔ اثناء قیام خانقاہ ہی میں ان کو یہ خواب نظر آیا کہ گویا اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ سے ذکر شغل کی تعلیم حاصل کرتا ہوں۔

اس قسم کی خوابوں سے ان کا یقین بڑھتا رہا کہ حضرت کی تعلیم اعلیٰ حضرت کی تعلیم سے ذرہ برابر متجاوز و متفاوت نہیں، اور حضرت امام ربانی قدس سرہ اعلیٰ حضرت فانی فی اللہ حاجی امداد اللہ شاہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کے سچے جانشین ہیں جو شبہ مانع استفاضہ تھا ہو لیا' اور حجاب حائل درمیان سے اٹھ لیا تھا' اس لئے جو کچھ مقدر تھا حاصل کیا' اور الحمدللہ سینکڑوں سے بہتر، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (تذکرۃ الرشید: ص۱۱۳ ج۲)

حق تعالیٰ نے مولانا کو علوم ظاہری سے آراستہ فرمانا چاہا' تو علوم اسلامیہ کا عظیم مرکز دارالعلوم دیوبند پہنچا دیا' اور علوم باطنی سے باطن کو مزین فرمانے کا ارادہ فرمایا تو وقت کی عظیم تربیت گاہ یعنی گنگوہ میں امام ربانی کے قدموں میں ڈال دیا' جہاں مرشد عصر حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے' اور اصلاح باطن کا کام بڑے سلیقہ سے ہو رہا تھا، اس زمانہ میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی ذات بابرکت سے گنگوہ کو وہ مرجعیت حاصل تھی جو آج سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے دور قدسی (شیخ

عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ م:۹۴۵ھ) میں حاصل تھی۔

امام ربانی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر سب سے آخری بیعت ہونے والے مولانا بزرگ رحمہ اللہ ہی ہیں، اسی مناسبت کے کئی مبشرات ''تذکرۃ الرشید'' میں مذکور ہیں۔ مولانا میرٹھی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''جن اللہ والے ذاکر شاغل اہل صفہ کی جماعت سے خانقاہ آباد تھی، ان کو خواب میں صراحۃً بتلا دیا گیا تھا کہ تمہارے اکتساب کا دور اخیر دور ہے۔ مولوی احمد صاحب سورتی جو اسی دور کے ذاکر شاغل شخص تھے' تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت کے یہاں نہایت صاف پانی کے بہت سے مٹکے رکھے ہوئے ہیں' حاضرین ان میں سے پانی پی رہے ہیں' جب سب پی چکے تو میں اٹھا اور پانی پیا' میرے بعد کوئی نہ تھا' جو پانی پیئے''۔

دوسرا خواب دیکھا کہ:

''بہت سے آدمی صفیں باندھے بیٹھے ہوئے ہیں' اور کوئی شخص ان پر آب طہور چھڑک رہا ہے' آخر صف میں بندہ بیٹھا ہے مجھ پر بھی پانی چھڑکا گیا اور قصہ ختم ہولیا''۔ (۳۲۹ ج ۲)

مولانا کو امام ربانی رحمہ اللہ سے از حد محبت اور انتہائی تعلق تھا' اسی لئے آپ نے طے کرلیا تھا' حضرت کی صحبت کو حتی المقدور ترک نہ کروں گا' اور حضرت کی حیات تک نو ماہ مسلسل گنگوہ میں قیام فرمایا، حضرت گنگوہی کے وصال سے ایک دن پہلے آپ نے خواب دیکھا جس سے حضرت سے تعلق اور محبت کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا میرٹھی تحریر فرماتے ہیں:

''امام ربانی رحمہ اللہ کے تصرفات میں اس جگہ مولوی احمد صاحب سورتی کا وہ خواب درج کرکے اس عنوان کو ختم کرتا ہوں جو گویا حضرت کی منامی وصیت ہے' اپنے متوسلین کی

ساری جماعت کوٗامید ہے انشاء اللہ نافع ہوگا۔

حضرت کے وصال سے ایک دن قبل دوپہر کے وقت مولوی احمد خانقاہ میں اپنے حجرہ کے اندر پڑے سوئے تھے کہ خواب میں حضرت امام ربانی رحمہ اللہ تشریف لائے اوران کے سارے بدن پر ہاتھ پھیر کر یوں ارشاد فرمایا: احمد میں تمہارے بدن کے اوپر ہاتھ پھیرتا ہوں اورتم کواللہ تعالی مال دے گا، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت بندہ کو مال نہیں چاہیئے، آپ بندہ کے لئے دعا فرمادیں اورآخرت میں مجھے اپنے ساتھ رکھیں۔ حضرت نے اس کے جواب میں یہ کلمات ارشاد فرمائے:

''احمد ہمارے ساتھ آخرت میں وہی شخص رہے گا جواللہ تعالی کی طاعت کرے گا، اورفخر عالم ﷺ کا اتباع کرے گا، اورسنت پراس کا عمل ہوگا، اورجو شخص بدعت کرے گا اوراللہ تعالی کی طاعت نہ کرے گا، اوراتباع آنحضرت ﷺ سے بازرہے گا وہ شخص قیامت میں ہمارے ساتھ نہ ہوگا، اگرچہ کوئی کیسا ہی ہمارا قریب کا ہواورہمارا ہو''۔اس کے بعدآنکھ کھل گئی۔ (ص۱۵۲ج۲)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی وفات سے پہلے بھی مولانا کوایسے مبشرات دکھلائے گئے تھے، جن میں مرشد کی مفارقت کا اشارہ تھا۔

ایک خواب دیکھا کہ ایک ریل گاڑی نہایت تیز رفتار ہے، جس میں بہتیرے آدمی سوار ہیں، منجملہ ان کے میں بھی ہوں، اس ریل گاڑی کے چلانے والے حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ ہیں، ایک مقام پرریل گاڑی رکی' اورتمام سواریوں کواتار کرتیز رفتاری کے ساتھ چل دی، میں روتا ہوااس کے پیچھے دوڑا' مگر پکڑ نہ سکا' چیختا رہ گیا کہ مجھے ساتھ لے چلیئے' مگر میری ہائے ہائے پرکسی نے ترس نہ کھایا، حضرت مولانا جوریل کے چلانے

والے تھے، یہ جواب دے کر روانہ ہوئے کہ: ''احمد گھبراؤ مت' اپنی طاقت سے چلو' اور پیدل چلو' ہمیں پکڑلوگے'' اس جواب پر میں پیدل چلنے لگا اور ریل نکل گئی۔

ایک دن خواب دیکھا کہ میں اپنے گھر جارہا ہوں، حضرت مولانا مجھے رخصت کرنے کے لئے تھوڑی دور تک آئے اور مصافحہ کرکے یوں ارشادفرمایا: جاؤ اللہ حافظ ہے۔

مولوی احمد صاحب کے ان خوابوں کا خاتمہ اس خواب پر تھا جو آپ کے یوم وصال کی شب میں دیکھا کہ ریل سے یہ اترے اور دوسری جگہ جانے کو ٹکٹ لینے گئے' ٹکٹ بانٹنے والے کچھ عجیب وغریب آدمی تھے، یہ ان کے پاس تک پہنچے کہ ریل چل دی' یہ چلائے کہ ہائے ہائے! میں رہ گیا' مجھے جلدی ٹکٹ دو،ٹکٹ بانٹنے والے نے جواب دیا: احمد مت روؤ اس ریل کی میعاد ختم ہوچکی' اب یہ ٹھہر نہ سکتی' تم اس میں جا نہیں سکتے' دس بارہ سال بعد ایک ریل اور تیار ہوگی اس میں تم چلے جانا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۳۲۹ ج ۲)

''تذکرۃ الرشید'' کی ان طویل عبارتوں اور خوابوں کے نقل کرنے سے خوامخواہ کی طوالت مقصود نہیں' بلکہ مولانا کا اپنے شیخ ومرشد کے ساتھ تعلق اور حق تعالی کی طرف سے بذریعہ مبشرات اصلاح باطن کی طرف رہنمائی کی پوری داستان اس میں موجود ہیں۔اسی طرح مولانا مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ کے اس جملہ کی تائید بھی ہوتی ہے کہ مولانا خواب اکثر سچے دیکھتے تھے۔

مولانا اپنے پیرومرشد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تلقین وہدایت کے مطابق برابر ذکر و شغل میں مشغول رہے۔حضرت کے وصال کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے در دولت پر حاضر ہوکر فیوض ظاہری وباطنی سے مستفید ہوتے رہے۔اخیر میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے ۱۳۶۹ھ میں

مولانا کو مجاز طریقت بنا کر ڈابھیل سملک کے ایک مجمع عام میں اعلان فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا، اور لوگوں کی اصلاح وارشاد کی ہدایت فرمائی۔

آپ کے پیرومرشد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ

آپ کی ولادت ۶/ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ بروز دوشنبہ گنگوہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب رحمہ اللہ (م:۱۲۵۲ھ) جید عالم تھے، اور حضرت شاہ غلام علی مجددی نقشبندی رحمہ اللہ کے مجاز تھے۔

ابتدائی تعلیم گنگوہ میں حاصل کی، پھر کرنال تشریف لے گئے، وہاں فارسی اپنے ماموں مولانا محمد نقی صاحب سے پڑھی، جو فارسی کے مسلم استاذ تھے، پھر مولوی محمد بخش رامپوری سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ موصوف آپ کے نہایت شفیق استاذ تھے۔ آپ کو ''حزب البحر'' اور ''دلائل الخیرات'' کی اجازت مولوی محمد بخش ہی سے ملی ہے، پھر موصوف ہی کے مشورہ سے ۱۲۶۱ھ میں دہلی پہنچ کر حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی (م:۱۲۶۷ھ) کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا، یہی حضرت نانوتوی سے تعلق قائم ہوا، جو ساری عمر قائم رہا۔

دہلی میں بعض معقولات کی کتابیں مولانا مفتی صدرالدین صاحب (م: ۱۲۵۸ھ ۱۸۶۸ء) سے بھی پڑھیں۔ آخر میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب (م:۱۲۹۵ھ) کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل کی۔

۲۱/سال کی عمر میں تکمیل علوم وفنون کے بعد مولانا محمد نقی صاحب کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (م:۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء) کی خدمت بابرکت میں رہ کر بیعت کا شرف حاصل کیا اور

بڑی تیز رفتاری سے سلوک کی منزلیں طے کرلیں، چنانچہ آٹھویں دن حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میاں رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دیدی' آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے'' اور چالیس دن کی قلیل مدت میں خلافت سے سرفراز فرمایا۔ گنگوہ رخصتی کے وقت حضرت نے اجازت بیعت اور خلافت ان الفاظ کے ساتھ عنایت فرمائی، اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو بیعت کر لینا۔

آپ کے علمی وروحانی کمالات کے لئے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کا خراج عقیدت ہی کافی ہے، فرماتے ہیں کہ:

''جو آدمی اس فقیر امداد اللہ سے محبت وعقیدت وارادت رکھتا ہے وہ مولوی رشید احمد سلمہ اور مولوی محمد قاسم سلمہ کو' جو تمام کمالات علوم ظاہری اور باطنی کے جامع ہیں' بجائے میرے بلکہ مجھ سے بھی بڑھ کر شمار کرے' اگر چہ معاملہ برعکس ہے وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا' ان کی صحبت غنیمت جاننی چاہئے کہ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں''۔ (ضیاء القلوب)

گنگوہ واپس آکر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کے حجرے کو (جو صدیوں سے غیر آباد وویران پڑا ہوا تھا' گردش زمانہ سے گھوڑوں اور گدھوں کا مسکن بن گیا تھا) اپنی قیام گاہ بنایا۔ اس دوران میں مطب ذریعہ معاش تھا۔

۱۸۵۷ء میں خانقاہ قدوسی سے مردانہ وار نکل کر انگریزوں کے خلاف صف آرا ہو گئے، اور شاملی کے معرکہ جہاد میں خوب داد شجاعت دی، جنگ کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور گرفتار کر کے سہارنپور' پھر مظفر نگر چھ مہینہ کی مدت قید میں گزاری۔

رہائی کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا' جو ۱۳۱۴ھ تک تقریباً انچاس سال

جاری رہا، اس دوران میں تین سو سے زائد حضرات نے آپ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ آپ کے سب سے پہلے شاگرد سید مؤمن علی تھے، جنہوں نے گنگوہ میں آپ سے ''شرح جامی'' پڑھی، اور آخری شاگرد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی (م:۱۳۳۴ھ) تھے۔ آخر میں نزول ماء کی وجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ منقطع ہوگیا، مگر ارشاد و تلقین اور فتاویٰ کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کے فتاویٰ ''فتاویٰ رشیدیہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

بدعات کی بیخ کنی میں تن تنہا وہ کام کر دکھایا جو علماءِ حق کی ایک جماعت ہی کر سکتی ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (م:۱۳۴۶ھ) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی (م:۱۳۳۹ھ) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبھیٹوی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (م:۱۳۳۷ھ) حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری (م:۱۳۵۲ھ) حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (م:۱۳۷۷ھ) آپ ہی کی خانقاہ سے طلوع ہونے والے آفتابِ ہدایت ہیں۔

۸ یا ۹ / جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق: ۱۱/ اگست ۱۹۰۵ء بروز جمعہ ایک زہریلے جانور کے کاٹنے کی وجہ سے شہادت کے عالی مقام پر رسائی ہوئی، اور یہ گنجِ گرانمایہ سرزمین گنگوہ میں ودیعت ہوا رحمہ اللہ۔ (انتہی تذکرہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ)

مولانا کی ازواج و اولاد کا ذکر

آپ کی تین بیویاں تھیں: پہلی بیوی کا نام فاطمہ تھا، جو قریہ بارڈولی کی رہنے والی تھی، اس سے تین اولادیں ہوئیں: ایک لڑکی سارہ بی بی، دوسرا صاحبزادہ، جن کا نام محمد معصوم تھا، تیسری خدیجہ۔

حافظ قاری محمد معصوم:...... آپ حافظ قرآن اور قاری تھے۔ جامعہ ڈابھیل میں آپ نے

مدرس تجوید کی حیثیت سے خدمت کی۔۱۹۶۲ء میں انگلینڈ تشریف لے گئے' اور وہیں رہے، ۲ر جون ۱۹۷۵ء ۱۳۹۵ھ میں شہر والسال میں وفات پائی۔

دوسری بیوی کا نام آمنہ تھا۔

تیسری کا نام عائشہ تھا' جن سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئے، جن کے اسماء یہ ہیں:

(۱)......مولانا محمد سعید صاحب۔

(۲)......رابعہ بی بی۔

(۳)......مولانا رشید احمد صاحب۔

(۴)......حافظ محمد امین صاحب۔

حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگ سملکی رحمہ اللہ

آپ کی ولادت ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں بمقام سملک ہوئی۔اپنے والد ماجد کے زیر سایہ شروع سے اخیر تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تعلیمی مراحل طے کئے۔۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں فراغت حاصل کی۔

مشاہیر عصر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی' حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہی' حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی' حضرت مولانا محمد یوسف بنوری' حضرت مولانا عبدالقدیر کیمل پوری' حضرت مولانا محمد ناظم ندوی رحمہم اللہ سے اکتساب فیض کیا۔

فراغت کے بعد مختلف دینی وملی خدمات انجام دیں۔جمعیۃ العلماء ضلع سورت کے صدر بھی رہے۔دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن تھے۔

سملک مسجد کی تولیت بھی سنبھالی۔سملک میں دنیوی تعلیم کے لئے اسکول قائم کیا' اور

اس میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیئے۔

مجلس خدام الدین سملک کی تاسیس میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء سے تادم آخر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے عہدۂ اہتمام پر فائز رہے۔ آپ کے دور اہتمام میں جامعہ نے قابل قدر ترقی کی۔

زمانہ طالب علمی میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے خلاف معمول والد صاحب کی سفارش پر آپ کو بیعت سے سرفراز فرمالیا تھا۔

حضرت کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوری رحمہ اللہ پھر حضرت مدنی رحمہ اللہ سے متعلق ہوگئے۔ حضرت مدنی سے آپ کا تعلق بہت خصوصی تھا۔

متعدد عرب وغیر عرب ممالک کا سفر بھی فرمایا۔ تین بار حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ یاب ہوچکے تھے۔

افسوس مؤرخہ ۷ر محرم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۹ر جولائی آپ کا وصال ہوگیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ع

خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

....

نوٹ:...... راقم الحروف کے رفیق درس، جامعہ اسلامیہ کے ڈابھیل کے معین مفتی، کئی مفید کتابوں کے مصنف ومرتب مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ کا محبت نامہ موصول ہوا، جس میں مجھے یہ حکم تھا کہ: میں حضرت مولانا محمد سعید صاحب رحمہ اللہ کے متعلق اپنے تأثرات پر مشتمل مضمون لکھوں، ان کی فرمائش پر ایک مختصر خط لکھا، اس کو یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوا۔

خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

باسمہ تعالی

رفیق محترم مفتی عبدالقیوم صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمة الله و بر کاته

خیریت طرفین مطلوب ہے۔محبت نامہ موصول ہوا۔آپ حضرت مولانا احمد بزرگ و مولانا سعید احمد صاحب نوراللہ مرقدہما کے حالات کی ترتیب میں مشغول ہیں۔دلی مسرت ہوئی،حق تعالی آپ کی نصرت فرمائے،آسان فرمائے اورآپ کی محنت جلدازجلد منظر عام پرلائے،آمین۔

آپ نے حضرت مولانا محمد سعید صاحب رحمہ اللہ کے متعلق میرے تأثرات کا مضمون طلب فرمایا۔میرے تأثرات کی کیا حیثیت؟ تاہم تعمیل حکم میں مختصر درمختصر تأثرارسال کررہا ہوں، ع گرقبول افتدزہے عزوشرف

راقم الحروف نے حضرت مرحوم کا دوراہتمام آٹھ سال تک دیکھا،جس میں مرحوم کی نرمی وشفقت بھی خوب دیکھی اوربعض اوقات غصہ وشدت کا وہ حال دیکھا کہ خدا کی پناہ! ’’ضرب یضرب‘‘ کی گردان کا عملی مشاہدہ ہوا۔

مرحوم کی خصوصیات میں سے ان کی اعلی انتظامی صلاحیت وقابلیت بھی ہے،جس کا مشاہدہ ہرصاحب انصاف جامعہ ڈابھیل کو دیکھ کر لگا سکتا ہے۔اظہار حقیقت واداۓ شہادت کے طور پر یہ لکھنا بجاہے کہ مرحوم کا یہ دوراہتمام جامعہ کے نظم وضبط‘انضباط اوقات‘ طلبہ پران کی فکروتربیت کے گہرے اثرات‘تعلیمی وتعمیری ترقیات کے اعتبار سے نمایاں طور پرممتازاورکامیاب ترین عہدتھا۔

مولانا ضعف و پیرانہ سالی اور معذوری کے باوجود جس اہتمام اور پابندیٔ وقت سے جامعہ میں تشریف لاتے' وہ اس دور کے نوجوانوں کے لئے بھی قابل رشک وتقلید ہے۔

فیاضی پر مشتمل دو واقعے

مولانا مرحوم کے احسان اور کارنامہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، جس سے ناظرین محسوس کریں گے کہ حضرت کی نگاہ بصیرت اور اخلاقی بلندی کا مقام کیا تھا؟

(۱)......راقم الحروف درجۂ ثالثہ کا طالب علم تھا اور دل و دماغ پر یہ بھوت سوار ہوا کہ مظاہر علوم سہارنپور ہی میں داخلہ لینا ہے، اور یہ خیال ایسا مسلط ہوا کہ میرے کئی محسنین کی ترغیبات و نصائح بے اثر رہیں۔ چنانچہ میرے والد محترم مدظلہم نے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر میرے ارادہ کا اظہار فرمایا۔ مرحوم نے اولاتو مجھے سمجھایا، مگر میرے اصررا پر نہ صرف یہ کہ اجازت نامہ تحریر فرمایا، بلکہ بغرض سفارش حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم کے نام ایک گرامی نامہ میرے داخلہ کی سفارش کا تحریر فرمایا، جس میں میرا مختصر تعارف' حضرت جد امجد کے ذکر کے ساتھ کرایا، چنانچہ جب میں سہارنپور پہنچا تو بغیر کسی دشواری کے داخلہ ہوگیا۔

مزید براں یہ کہ جمعرات کو حضرت مولانا مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم کا قاصد پہنچا کہ حضرت! تجھے یاد فرما رہے ہیں۔ حاضر خدمت ہوا تو بڑی شفقت فرمائی اور گاہے گاہے ملتے رہنے کی وصیت کے ساتھ بیس روپے مرحمت فرمائے اور فرمایا کہ ہر جمعرات کو بیس روپئے لے جانا، حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگ مدظلہ نے تیرے خرچ کے لئے پانچ سو روپئے بھیجے ہیں۔ آج جب اس واقعہ کو سوچتا ہوں تو مرحوم کے احسان کے بدلے میں ندامت ہوتی ہے کہ میں نے لاابالی پن میں اور ناسمجھداری کی وجہ سے ایسے محسن کی کوئی

قدر نہ کی۔

(۲)......ایک اور واقعہ بھی میرے ہی ساتھ پیش آیا۔ ۸۵ء کے اواخر یا ۸۶ء کے اوائل میں میرے والد محترم مدظلہم سخت علیل ہوگئے، مرض اس حد تک پہنچ گیا کہ مسجد کی حاضری تو در کنار، گھر میں چلنا پھرنا، حتی کہ استنجاء وغیرہ کے لئے کسی کے سہارے کے محتاج ہوگئے۔ مولانا مرحوم عیادت کے لئے تشریف لائے۔ یاد پڑتا ہے کہ مولانا مرحوم کے ساتھ حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ، حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ بھی تھے، مولانا نے مجھ سے پوچھا کہ ڈاکٹر نے کیا کہا؟ میں نے امراض کی تفصیل بتلائی اور کہا کہ سورت ہسپتال میں داخل کرنا ہوگا۔ کچھ دیر کے بعد جب حضرت مولانا واپس تشریف لے جانے لگے تو مجھے تنہائی میں بلایا اور ایک ہزار روپئے مرحمت فرمائے اور غالبا یوں فرمایا کہ آدھے سورت ساتھ لے جانا اور آدھے گھر میں دے جانا، اور شفاخانہ کا، بل اور دوائی وغیرہ کے خرچ کی فکر نہ کرنا، مجھے اطلاع کر دینا کہ کتنا خرچ ہوا۔

اندازہ لگائیے کہ مرحوم کے دل میں متعلقین کا کس قدر خیال تھا۔ آج اس واقعہ کو لکھ کر بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

الحمد للہ جب بھی مولانا مرحوم کا خیال آتا ہے، میں ضرور کچھ نہ کچھ پڑھ کر بخشتا ہوں اور مرحوم کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالی مولانا کی مغفرت تامہ فرما کر آپ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ ان کے احسانات کا بہت ہی بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

جلدی میں مولانا کے متعلق یہ چند سطریں لکھ دی ہیں۔ آپ کی سوانح کا انتظار رہے گا۔ اللہ تعالی آپ کی مدد فرمائے۔ فقط والسلام طالب دعا: مرغوب احمد لاجپوری

حضرت مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ اور خدمت جامعہ

مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

مولانا احمد حسن بھام سملکی رحمہ اللہ (م:۱۳۳۷ھ) نے توکلاً علی اللہ سملک کی مسجد میں ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۶ھ میں جامعہ کا افتتاح ''مدرسہ تعلیم الدین'' کے نام سے ایک بڑے مجمع میں اپنے استاذ حضرت مولانا احمد میاں صاحب صوفی لاجپوری رحمہ اللہ (م: ۱۳۲۷ھ) کے دست بابرکت سے کرایا۔

سملک کی مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا، مگر جگہ غیر مستقل اور ناکافی تھی، اس لئے ضرورت تھی کہ مدرسہ کے لئے کوئی مستقل اور وسیع جگہ حاصل کی جائے، اگر کسی معمولی مدرسہ کے لئے زمین کی ضرورت پیش آتی تو وہ بآسانی مل جاتی، مگر مشکل یہ تھی کہ مولانا کے مطمح نظر ایک دارالعلوم کی بناء تھی، اور آپ ایسی وسیع جگہ کی تلاش میں تھے جو دارالعلوم کے شایان شان ہو، چنانچہ بڑی جدوجہد کے بعد مولاناؒ نے مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ (م:۱۳۴۹ھ) مرحوم کے ساتھ مل کر ڈابھیل وسملک کے ہر چہار طرف تلاش وجستجو کے بعد ڈابھیل کے غربی جانب عیدگاہ کے مقابل زمین کا ایک قطعہ خرید لیا، جہاں پر آج جامعہ قائم ہے۔ زمین مل جانے کے بعد مولانا نے سب سے پہلے مسجد تعمیر کرائی۔ اب تعلیم کا سلسلہ سملک سے ڈابھیل منتقل ہو گیا۔ ۱۳۲۶ھ سے ۱۳۴۶ھ تک جامعہ میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہو سکی، تعمیرات بھی قلیل تھیں، عربی درجات کے طلبہ کی تعداد بھی: ۱۲/ سے متجاوز نہیں، درجۂ فارسی میں اس سے کچھ زیادہ، کل طلبہ کی تعداد ۲۹۳/ تھی، جن میں ناظرہ وگجراتی کی پڑھائی تھی، اس تعداد میں بیشتر وہی ہیں۔

زمین ملنے کے بعد مسجد تو تیار ہو گئی، مگر درس گاہوں' دارالطلبہ وغیرہ دوسری ضروریات

باقی تھیں، اس مقصد کی تکمیل کے لئے بانی جامعہ مولانا احمد حسن بھام صاحب رحمہ اللہ نے جنوبی افریقہ کا سفر کیا۔ افریقی احباب کی اعانت سے ایک گراں قدر رقم جمع ہوگئی جس کو مولانا نے یہاں بھیج دیا۔

آپ واپسی کا قصد فرما ہی رہے تھے کہ انفلوئنزا کا سخت حملہ ہوا اور چند روز علالت کے بعد ۱۰ر محرم ۱۳۳۷ھ پنج شنبہ کو واصل بحق ہوگئے، اور جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں مدفون ہوئے۔

مولانا احمد حسن بھام رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جناب حاجی یوسف میاں صاحب افریقہ سے تشریف لائے اور مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، لیکن اس اثناء میں حاجی صاحب موصوف اور دوسرے متعلقین مدرسہ اس امر کی سخت ضرورت محسوس کررہے تھے کہ مدرسہ کا اہتمام کسی صاحب علم کو سپرد کرنا چاہئے، اس اہم ذمہ داری کے لئے نظر انتخاب حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب پر پڑی، مولانا کو رنگون سے بلایا گیا، تعمیر درس گاہ کی تکمیل کے بعد اس کے افتتاحی جلسہ میں محدث راندیر حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری ثم راندیری (م: ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء) نے اہتمام کے لئے مولانا بزرگ صاحب کا نام پیش کیا، جس کی تائید تمام حاضرین نے کی، اس طرح شعبان ۱۳۳۹ھ میں مولانا کو مہتمم مدرسہ بنایا گیا۔ مولانا بزرگ خود تحریر فرماتے ہیں:

''بالآخر بہی خواہان مدرسہ نے راقم الحروف کو اہتمام سپرد کرنا چاہا، ان دنوں دارالافتاء سورتی جامع مسجد رنگون کی خدمت راقم کے سپرد تھی، اگرچہ حضرات رنگون وہاں کے قیام پر مجبور کررہے تھے، لیکن ایک اسلامی مدرسہ کی خدمت ایسی چیز نہیں تھی جس کو نظر انداز کردیا جاتا، خصوصاً جب کہ اس سے اہل وطن کی خدمت اور مولانا مرحوم کی دیرینہ رفاقت کا

بہترین حق ادا ہوتا تھا، اس لئے راقم کو قیام رنگون ترک کر کے اپنے وطن ڈابھیل سملک آنا پڑا‘ اور خدا پر بھروسہ کر کے ۲۳ رشعبان ۱۳۳۹ھ کو اہتمام کی گراں بار ذمہ داریوں کو قبول کرلیا“۔

مولانا کا ایک عظیم کارنامہ

مولانا بزرگ کی خدمات میں سے ایک عظیم خدمت یہ ہے کہ آپ کی سعی وکوشش سے اکابر علماء دیوبند کی جامعہ میں تشریف آوری اور مدرسہ کی وہ حیرت انگیز ترقی کہ جس سے مدرسہ تعلیم الدین سے جامعہ اسلامیہ بن گیا، مولانا بزرگ کے شروع زمانہ اہتمام میں گرچہ مدرسہ میں کوئی قابل ذکر ترقی نہ ہوئی، مگر حق تعالیٰ نے جامعہ کی ترقی کے لئے غیب سے وہ سبب پیدا فرمایا جس سے نہ صرف جامعہ بلکہ پورے گجرات کے ماحول میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے جامعہ کی اس وقت کی حالت کو یوں بیان فرمایا ہے:

”مولانا احمد بزرگ صاحب رحمہ اللہ کی قبر کو اللہ نور سے منور اور ٹھنڈا رکھے‘ سعید روح تھی‘ سعادت ازلی حاصل کر کے حق میں پیوست ہوگئی، کیسی نیک کمائیاں تھیں جو گجرات سے لے کر ہند بیرون ہند کابل‘ بخارا‘ یمن وحجاز تک فیض پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔ اس وقت جامعہ کی رونق لائق ومستعد مختلف دیار کے طلبہ کا ہجوم قابل دید تھا۔

(ماہنامہ دار العلوم جمادی الثانی: ۱۳۷۱ھ)

اس سے پہلے کہ میں اکابر دار العلوم کی آمد کی تفصیل بیان کروں، گجرات کے ماضی کا مختصر تذکرہ مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری ہی کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ مولانا رقم طراز ہیں:

''یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی زمانہ میں یہ خطۂ گجرات علوم وفنون کا سرچشمہ ومخزن اور علماء وفضلاء کا ماویٰ ومسکن رہا ہے،جن کے فیوض علمیہ سے ہزاروں تشنگان علوم سیراب ہوا کرتے تھے'اور جن کی مفید تصنیفات آج بھی طالبان ہدایت کے لئے مشعل راہ ہیں۔

ازمنۂ ماضی میں چونکہ شہر سورت کو''باب المکہ'' ہونے کا شرف حاصل تھا،اس لئے ہندوستان کے ہر گوشہ سے ارباب فضل وکمال اولیاء وصلحاء کے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو شرف حاصل ہوتا رہتا تھا، اور یہاں کے باشندوں کو ان برگزیدہ حضرات کے فیوض حاصل کرنے کے بہترین مواقع نصیب ہوتے رہتے تھے،مگر انقلاب زمانہ جہاں دوسری جگہ کے مسلمانوں کی سلطنت' مال ودولت' صنعت وحرفت کو تباہی کے ہولناک سیلاب میں بہالے گیا' وہاں اس نے اس سرزمین گجرات کی خصوصیات کو بھی خاک میں ملا دیا۔شاہان گجرات کی سلطنت کے ساتھ ساتھ علماء ربانی اور اولیاء وصلحاء حقانی کہ جن کا وجود سلطنت سے بھی زیادہ باعث خیر وبرکت اور ضروری تھا' رخصت ہوگئے۔ان نفوس قدسیہ کا مبارک وبافیض دور ختم ہوا کہ ہر طرف جہالت کی بھیانک وخوفناک تاریکی چھاگئی۔

احمد آباد اسلامی تہذیب وتمدن کا سرچشمہ تھا' ایسا تباہ ہوا کہ پھر اسے پنپنا نصیب ہی نہ ہوا' اس کا وہ جاہ وجلال اور شان وشوکت جو یادگار زمانہ تھی' تاریخ کے صفحات پر افسانہ بن کر رہ گئی، یہی شہر جو کبھی دارالعلم تھا' دارالجہل بن گیا۔لوگوں کے عقائد ایسے بگڑے کہ خدا کی پناہ،امور شرکیہ وبدعیہ نے دین کے ہر شعبہ میں گھر کرلیا، بہت سی باتیں جن کو دین سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا' دین میں داخل سمجھیں جانے لگیں۔غرض جہالت کیا تھی؟ ایک وباء تھی' جو ہر طرف اپنے زہریلے جراثیم کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔(ماہنامہ دارالعلوم محرم:۱۳۷۳ھ)

خدا کی شان' تاریخ نے اپنے ماضی کے اوراق کو دہرایا' اور خدا کی نظر رحمت دوبارہ

سرزمین گجرات پر پڑی، اورزمانہ کے اولیاء وصلحاء و اساطین علم کی آمد کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ میری مراد اس سے خاتم المحدثین مولانا سید انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی جیسے امام ملت، فقہ ودرایت کے راسخ کی تشریف آوری سرزمین گجرات کے لئے باعث خیر وبرکت وموجب فیض عظیم ہوئی۔

اکابر دارالعلوم میں اختلاف

گجرات کی تشنہ کام زمین کی سیرابی کا سبب یہ ہوا کہ ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم میں منتظمین مدرسہ ومدرسین میں کچھ اختلاف ہوگیا، یہ اختلاف ''اختلاف امتی رحمۃ'' کا مصداق تھا۔ بقول سید ازہر شاہ قیصر کے:

۴۶ھ کا یہ اختلاف حدیث نبوی: ''اختلاف امتی رحمۃ'' کے مصداق اس نتیجہ خیر پر منتج ہوا تھا کہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے دارالعلوم کا فیضان علمی اس جماعت کے ذریعہ صوبۂ گجرات وکاٹھیاواڑ میں دیر تک اور دور تک پھیلا۔ (ماہنامہ دارالعلوم ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ)

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ۱۳۴۴ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کو ناظم مطبخ مولوی گل محمد مرحوم سے کچھ شکایت پیدا ہوئی، بنابریں طلبہ نے انہیں شعبان میں سالانہ امتحان کے موقع پر عین دارالامتحان میں زدوکوب کیا، اس جرم میں پانچ طلبہ کا اخراج عمل میں آیا۔ اس اخراج سے طلبہ کی ایک بڑی جماعت میں ہیجان پیدا ہوگیا، مگر سالانہ امتحان کے بعد عام تعطیل ہوجانے سے یہ ہنگامہ فرو ہوگیا۔ ۱۳۴۵ھ میں پھر اس طرح کی کچھ شکایت پیدا ہوئیں اور اب کی دفعہ طلبہ کو اکابر اساتذہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سراج احمد

رشیدی کی تائیدات بھی حاصل ہوگئیں' اور شاہ صاحب نے دارالعلوم کی مسجد میں اوائل شعبان: ۴۵ھ میں دو مرتبہ طلبہ کے مطالبات کی تائید میں تقریر بھی فرمائی۔ یہ اختلاف جو تقریباً دو سال سے جاری تھا' دب دب کر نمایاں ہو جاتا تھا۔ ذیقعدہ ۴۵ھ میں حضرت شاہ صاحب اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے۔ ماہ صفر ۴۶ھ کے وسط میں آپ نے وہیں سے استعفاء بھیج دیا۔ ۲/ربیع الاول کو دیوبند تشریف لائے، مستعفی ہو چکے تھے، اس لئے درس شروع نہیں فرمایا، طلبہ نے ۳/ربیع الاول سے تعلیمی اسٹرائک کردی جو دس دن تک جاری رہی۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی اور حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کی سعی وکوشش سے چند دنوں کے لئے بظاہر مفاہمت ہوگئی' جس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت اسٹرائک ختم ہوگئی۔

اوائل رجب ۴۶ھ میں مجلس شوری کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں بر بنائے اختلاف حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور مولانا سراج احمد رشیدی سے استعفاء طلب کرلیا گیا، ان حضرات کے استعفاء پر دوسرے اساتذہ نے بھی احتجاجاً اپنے اپنے استعفاء پیش کردیئے، اس پر طلبہ نے دوبارہ اسٹرائک کردی۔ تعلیمی سال کا یہ آخری مہینہ تھا۔ ان نامناسب حالات کی بناء پر سالانہ امتحان کی تاریخیں مقدم کردی گئیں۔ دوسری اسٹرائک کے بعد حضرت شاہ صاحب اور دیگر چند اکابر کا تعلق دارالعلوم سے منقطع ہو گیا، نیز ان طلباء کو جو شاہ صاحب سے وابستہ تھے' مدرسہ سے خارج کردیا گیا۔ [۱]

---

[۱]......حضرت شاہ صاحب کی علیحدگی پر بعض بڑے حضرات نے یہاں تک کہہ دیا کہ: ''شاہ صاحب کو دارالعلوم کی ضرورت ہے' دارالعلوم کو شاہ صاحب کی ضرورت نہیں''۔ اس پر مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری نے فرمایا کہ: ''شاید دنیا کے کسی بڑے نے اس سے زیادہ غلط اور لغو بات نہیں کہی ہوگی'' (ملفوظات محدث کشمیری: ۲۳۹)

دارالعلوم کی دونوں جماعتوں کے اکابر اور ان کے علم وفضل دیانت وصداقت اور ورع وتقوی کے پیش نظر اختلافات کی نوعیت کو دیانت دارانہ اختلاف رائے پر مبنی سمجھنا چاہئے، جیسے بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وائمہ اسلاف کے اختلافات تاریخ کے صفحات میں مذکور ہیں۔

سنت اللہ کچھ یوں ہی جاری ہیں، اللہ کی زمین جب پیاسی ہوتی ہے، اور کرۂ ارضی کی ہر شئی تشنگی کی شدت سے پانی کے لئے بیتاب ہوجاتی ہے تو سمندر میں تلاطم وتموج کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے، جس سے بخارات اٹھتے ہیں اوپر جاتے ہیں، پھر بادل کی شکل اختیار کرتے ہیں، اور ابر رحمت بن کر باران رحمت برسانے لگتے ہیں، ٹھیک اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کے لفظوں میں (۱۳۵۵ھ میں دارالعلوم کے ایک عام اجتماع میں بیان فرماتے ہوئے بلیغ انداز میں فرمایا:)

''دارالعلوم کے علمی سمندر میں ایک طوفان جوش پر تلاطم اٹھا اور اس کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں، اس تموج اور تلاطم میں کچھ نقصانات بھی پہنچے مگر یہاں سے بخارات کے جو بادل اٹھے وہ ابر رحمت بن کر گجرات کی اس دور افتادہ سرزمین پر جاکر برسے جو علم اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں سے محروم اور بے بہرہ تھی۔ علماء دیوبند کے وہاں پہنچ جانے سے ڈابھیل میں وہ عظیم الشان مدرسہ وجود میں آیا جس کے علمی فیضان سے آج گجرات کا چپہ چپہ سیراب ہورہا ہے، اور گجرات کا بدعت کدہ بحمد اللہ آج قرآن وسنت کی روشنی سے منور ہے''۔ (ماخوذ تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد: ۱ ص ۲۶۹ تا ۲۷۳ ملخصاً، وتاریخ جامعہ: ۳۵)

ان اکابر کی دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد بہت سے مدارس نے چاہا کہ ان کی خدمات حاصل کریں، لیکن یہ شرف ڈابھیل وسملک گجرات کے نصیب میں آیا، اور مولانا احمد

بزرگ اور منتظمین جامعہ کے دلوں میں ان حضرات کو جامعہ کی خدمت کے لئے لانے کا داعیہ پیدا ہوا، مگر مشکل یہ تھی کہ مدرسہ ابھی ابتدائی مراحل میں تھا، ان حضرات کے رہنے سہنے کا انتظام' اور طلبہ کی کثرت ہو تو ان کے خورد و نوش کا مسئلہ' اساتذہ کی تنخواہ' کتابوں کے لئے رقم کی فراہمی' یہ تمام مسائل نظر کے سامنے تھے، اور خصوصاً مولانا بزرگ کو بڑی فکر لاحق تھی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''واقعات و حالات کی رفتار سے بجا طور پر یہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کچھ دنوں اگر یہی صورت اور قائم رہی تو مبادا دنیائے اسلام کہیں اسلام کی ان مایۂ ناز ہستیوں کے فیض سے محروم نہ ہو جائے''۔ (تاریخ جامعہ: ص ۳۹)

مگر اس سعادت عظمی کا حصول قضا و قدر نے سرزمین گجرات کے حصہ میں لکھ دیا تھا، اب قضا و قدر کے اشارے سعید روح کو عالم رویا میں ہونے شروع ہوئے، اور رمضان ۱۳۴۶ھ کے اخیرہ عشرہ میں ۲۷ رکی شب کو مولانا بزرگ نے ایک خواب دیکھا وہ خواب ''نفخة العنبر فی هدی شیخ انور'' میں جو مولانا احمد بزرگ کی حیات میں شائع ہو چکی تھی یوں مذکور ہے، مولانا نے خواب میں دیکھا کہ:

مولانا کا ایک خواب

ان سيدنا ومولانا محمد الهاشمي رسول الله صلى الله عليه وسلم قد مات بدهلی ، ونعی الی سائر الاقطار ، والناس هياط ومياط حواهم اضطراب شديد ، و وضع صلى الله عليه وسلم على النعش ، فبينا هو فی ذلک اذ يری انه صلى الله عليه وسلم حي مستلق على سرير فی بقعة بين قريتی دابيل وسملک ، لكنه مريض ، محاول ان يرفعه صلى الله عليه وسلم فی حجره استحصالاً لليمن بمساس

بدنه المقدس فکلمایرفعه شیئا ینوء به بدنه المبارک حتی یعبی باعبائه بید انه رفعه وناء به شیئا بجهد ومعاناة ۔ (نفخة العنبرفی ھدی شیخ انور ص ۱۷)

رسول پاک ﷺ کا دہلی میں وصال ہوگیا ہے، ہر طرف انتقال کی خبر پھیل چکی ہے، لوگوں پر حیرانی و پریشانی طاری ہے، آپ کے جسد اطہر کو جنازہ پر رکھا گیا ہے، پھر اچانک دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ حیات ہیں' ایک چارپائی پر ڈابھیل اور سملک کے درمیان ایک جگہ پر لیٹے ہوئے ہیں (اس جگہ سے مراد سملک کا وہ سہ راہ ہے جہاں بس رکتی ہے) لیکن بیمار ہیں، مولانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گود میں اٹھا کر جسم اطہر سے اپنے جسم کو ملا کر برکت حاصل کریں، لیکن جب اٹھانا چاہتے ہیں جسم مبارک بھاری اور وزنی ہوجاتا ہے اور اٹھانے سے عاجز ہوجاتے ہیں، بڑی مشکل اور مشقت سے تھوڑا اٹھا سکے۔

مولانا بزرگ نے اپنا یہ خواب' حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے سامنے بیان فرمایا، مفتی صاحب نے یوں تعبیر دی: ''افسوس کہ علم حدیث دیوبند سے رخصت ہوا اور اس کی نشأۃ ڈابھیل وسملک میں ہوگی'' چنانچہ ایسا ہی ہوا جو تعبیر دی۔
صاحب نفحۃ العنبر کے تعبیر کے الفاظ یہ ہیں:

''یا اسفی : مات علم الحدیث بدیوبند وعسی ان یکون له نشأة بدابیل وسملک ' فکان کما قال''۔(۱۷)

''نقش دوام'' میں اس موقعہ پر خواب وتعبیر کی ترجمانی میں سقم ہیں۔ علاوہ اس کے تعجب ہے صاحب نقش دوام پر کہ اس خواب کو نقل کر کے رقمطراز ہیں:

''جس وقت یہ خواب دیکھا اس وقت شاہ صاحب دیوبند سے جدا نہیں ہوئے تھے، لیکن دیوبند کا قضیۂ نامرضیہ شباب پر تھا''۔

حالانکہ ایک صفحہ پہلے ۴۵ھ میں شاہ صاحب کے استعفاء کا ذکر کر چکے ہیں، اور یہ خواب ۴۶ھ کا ہے، تو ظاہر ہے خواب دیکھنے کے پہلے دیوبند سے علیحدہ ہو چکے تھے۔

مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری نے مولانا بزرگ کے حالات میں جو خواب تحریر فرمایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

''مولانا احمد بزرگ صاحب نے انہی دنوں میں ایک خواب دیکھا (یہ خواب مولوی عبدالحق ابن حاجی ابراہیم میاں صاحب نے مجھے حال میں سنایا) کہ:

''سملک کے چوراہے پر ایک بڑ کے درخت (اب یہ بڑ نہیں ہے) کے زیرسایہ حضور ﷺ کا جسد اطہر محوخواب ہے، اور مولانا احمد حسن صاحب مرحوم بانی مدرسہ اسلامیہ حضور ﷺ کے جسد اطہر کے پاس کھڑے ہیں، میں مسجد جانے کے ارادے سے گھر سے نکل کر شاہ راہ عام پر پہنچا تو مولانا احمد حسن صاحب نے مجھے آواز دی کہ: مولوی احمد! یہاں آؤ، پاس پہنچا تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ: حضور ﷺ کے جسد مبارک کو پہنچانے میں میری مدد کرو، چنانچہ ہم دونوں نے حضور ﷺ کے جسد اقدس کو اٹھا کر مولوی احمد حسن کے گھر میں ایک بستر پر لٹا دیا، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی''۔ انتہی۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جمادی الثانی:۱۳۷۱ھ)

اکابر دارالعلوم کی ڈابھیل آمد

علوم نبویہ کے ماہرین کو بلانے کی دھن تو لگی ہی تھی، ساتھ ہی کوشش بھی جاری تھی حتی کہ دعوت نامے بھی پہنچ چکے تھے، رویائے صادقہ نے شوق وہمت میں اور اضافہ کر دیا، اور مالی مشکلات کا حل یوں نکلا کہ خدا کے دو مخلص بندوں: جناب حاجی موسی میاں اور حاجی یوسف گارڈی صاحبان نے ایک ایک ہزار روپئے ماہنامہ مدرسہ کو دینے کا وعدہ فرمایا، ان

اسباب و وسائل کے بعد مولانا احمد بزرگ صاحب ایک ذی اثر وفد کے ساتھ دیوبند تشریف لے گئے، اور اللہ کے فضل وکرم سے ان اکابر نے استدعاء کو قبول فرمالیا، اور: ۵؍ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں محدثین ومفسرین کی ایک جماعت نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے جامعہ کو شرف بخشا۔ناظرین ان حضرات کے اسماء گرامی ملاحظہ فرمائے اور غور کیجئے کہ حق تعالیٰ نے مولانا کی فکر ومساعی سے کیسے اساطین علم کی آمد کو سرزمین گجرات کے لئے مقدر فرمایا:

(۱)......حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری (م:۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء)۔

(۲)......حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (م:۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء)۔

(۳)......حضرت مولانا سید سراج احمد رشیدی (م:۱۳۵۶ھ م ۱۹۳۷ء)۔

(۴)......حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی (م:۱۴۰۴ھ م ۱۹۸۴ء)۔

(۵)......حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی (م:۱۳۸۵ھ م ۱۹۶۵ء)۔

(۶)......حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سکھروڈوی۔

(۷)......حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی (م:۱۳۸۲ھ م ۱۹۶۲ء)۔

(۸)......حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب تھانوی۔

(۹)......حضرت مولانا سعید احمد صاحب آگروی (اکبرآبادی)۔

(۱۰)......اور ۱۷؍ ربیع الثانی ۴۷ھ میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ تشریف لائے۔

ان اکابر کی تشریف آوری سے سرزمین گجرات پر خیر وبرکت، رشد وہدایت کی بارش برسنے لگی۔ بقول حضرت علامہ بنوری کے:ـ

وكانت بقاعا أُجدَت من طوارق	فعادت رياضا رحبها و سيعها
وهذه ديار كن مظلمة الرجا	فاضحت ويزهو ربعها و بقيعها
عليّ وجيه قبله الشيخ طاهر	جواهرهذه الارض كل ضيحيعها
وكان غشاء زهرها ونباتها	فرقت لها هطلاء فاضت دموعها
تضوعت الاقطار من طيب نشرها	ويهتز موجا نهرها و بضيعها
الا بارك الرحمن اسعاد جدها	فساوىٰ بهاء بدئها ورجوعها

یہ خطہ کچھ عرصہ بیشتر حوادث زمانہ سے قحط زدہ ہو چکا تھا، اب پھر اس کے کھلے میدان شاداب باغات بن گئے۔

یہ وہ دیار ہیں جن کے اطراف وجوانب پر اندھیرا چھا گیا تھا، اب دوبارہ اس کے بیابان اور معمورات روشن ہو گئے۔

خواجہ علی متقی، شیخ محمد طاہر پٹنی اور شیخ وجیہ الدین (رحمہم اللہ) یہ سب اسی سرزمین کے جواہر، یہیں آسودہ خواب ہیں۔

اور اس کے علم ومعرفت کے باغیچے اور سبزہ زار خشک ہو کر بے رونق ہو گئے تھے، اب ابر رحمت نے مہربانی کی اور برسنے لگے۔

تمام اطراف وجوانب اس کی پاکیزہ خوشبوؤں سے معطر ہو گئے، اور اس کے چھوٹے بڑے دریا فرط خوشی سے لہرانے لگے۔

خدائے رحمٰن اس کی خوش بختی کو مبارک کرے، اسی کے فضل سے اس سرزمین کا ابتدائی اور آخری دور حسن میں برابر ہو گیا۔

(تاریخ جامعہ ص۱۳)

مولانا کا ایک مضمون

۴۷ھ کی روداد جامعہ میں ان اکابر کی آمد کے بعد مولانا احمد صاحب رحمہ اللہ کا مضمون قابل مطالعہ ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

''مشہور ہے کہ تاریخ ہمیشہ اوراق ماضیہ کو دہراتی ہے' اور ہر مستقبل ایک مرتبہ ضرور ماضی کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو بلا شبہ کہا جا سکتا ہے کہ گجرات کی سرزمین نے بھی اپنی تاریخ' ماضی کے اوراق کو دہرانا شروع کر دیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ گجرات کی پاک سرزمین پر اب سے چند صدی قبل علوم نبوی کے وہ آفتاب و ماہتاب گزرے ہیں، جن کی ضیا پاشی سے ایک زمانہ تک دنیائے اسلام مستفید رہ چکی ہے، مثلاً:

(۱):......شیخ علی متقی، متوفی: ۹۷۵ھ' مؤلف کنز العمال' جو گجرات کے تاریخی مقام برہان پور میں جلوہ افروز شمع نبوت تھے۔

(۲):......علامہ مجد الدین محمد بن طاہر شہید پٹنی، متوفی: ۹۸۶ھ صاحب مجمع البحار' وغیرہ جن کے وجود سے مدتوں پیران پٹن میں علوم نبویہ کے چشمے ابلتے رہے۔

(۳):...... گجرات کے مایۂ ناز محدث اور اسرار شریعت کے زبردست امین شیخ علاؤ الدین علی بن احمد المہائمی قدس سرہ، متوفی: ۸۳۵ھ مصنف: ''تبصیر الرحمن'' و''تیسیر المنان'' اور ''انعام الملک العلام'' پہلی کتاب تفسیر میں' اور دوسری حقائق شریعت میں' غالبًا اسرار شریعت میں سب سے پہلی تصنیف ہے، اس لئے کہ آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سے متقدم ہیں۔

(۴):......علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی، متوفی ۹۹۸ھ، علامہ موصوف سرسٹھ سال تک احمد آباد میں معقول و منقول کا درس دیتے رہے، اور متعدد کتابوں پر حاشیے اور شرحیں لکھیں۔

(۵):......قاضی علاؤالدین گجراتی،م:۹۴۹ھ۔

(۶):......قاضی برہان الدین۔

(۷):......مولانا صبغۃ اللہ الحسینی بھروچی،م:۱۰۱۵ھ۔

(۸):......شیخ عبدالقادر،م:۱۰۳۸ھ۔

(۹):......محمد بن عمر آصفی۔

(۱۰):......مولانا نورالدین احمد آبادی،م:۱۱۵۵ھ۔

(۱۱):......شیخ جمال الدین،م:۱۱۲۴ھ وغیرہم۔(رحمہم اللہ)

یہ وہ حضرات ہیں جن کے انہماک تدریس وتصنیف سے خطۂ گجرات بارہویں صدی کے اوائل تک معمورۂ عمل بنارہا،مگر نیرنگئ زمانہ نے اس بابرکت دور کے بعد عرصہ تک اس سرزمین کو اپنے موروثہ علم سے بیگانہ رکھا' اور گجرات کی سرزمین کا چپہ چپہ ان قرون مبارک کو تڑپتا رہا' جن میں اس نے ہند اور بیرون ہند کے طالبان علوم نبوت کو اپنی پشت پر جگہ دی اور ہر وقت ان کی زبان سے قال اللہ اور قال الرسول سنتی رہتی تھی''۔(تاریخ جامعہ:ص۳۳)

بہر حال مولانا بزرگ رحمہ اللہ کی ان مساعی جمیلہ نے اکابر دارالعلوم کی آمد سے ایک مکتب کو عظیم الشان دارالعلوم میں منتقل کردیا' اور تعلیم الدین کو وہ مرکزیت حاصل ہوئی کہ بجائے تعلیم الدین کے جامعہ بن کر اس کا شمار منتخب مدارس میں ہونے لگا۔

ویسے بھی صاحب سوانح کو جامعہ اور جامعہ کی تعلیمی ترقیات کی بڑی فکر رہتی تھی،اور آپ ہمہ وقت اس کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ روداد: ۵۵ھ کے ضمیمہ میں ارکان ادارہ جامعہ نے اس حقیقت کو اپنے ان لفظوں میں ظاہر کیا ہے:

''قارئین روداد جامعہ واقف ہیں کہ جناب مہتمم صاحب کو جامعہ کی تعلیمی ترقیات اور

اس کے بقاء وتحفظ کا کس قدر خیال ہے۔انہوں نے محض جامعہ کی فلاح کی خاطر رنگون کے عہدہ افتاء کو چھوڑا' اور اس وقت سے ڈابھیل آکر برابر جامعہ کی ترقی کے لئے ہمہ تن متوجہ رہے۔وہ جس وقت تشریف لائے تھے، یہ جامعہ مدرسہ تعلیم الدین کے نام سے بہت ہی چھوٹے پیمانہ پر قائم تھا۔ چند مدرس تھوڑے طلبہ اور عمارت محدود۔ مدرسہ کے خزانہ میں روپئے کے نام سے صفر، ایسی حالت میں آپ کی گراں قدر مساعی اور بے مثل ایثار واخلاص کی بدولت یہ معمولی گاؤں کا مکتب بہت ہی تھوڑی مدت میں ایک عظیم الشان مرکزی دارالعلوم میں منتقل ہوگیا، اور دنیائے اسلام کے بے مثل محدث' مایہ ناز مفسر' عالی مرتبت فقیہ' وادیب اور اسی طرح ہر علم وفن کے حاذق وماہر یہاں تشریف لائے' جو اپنے ظاہری اور روحانی فیوض سے ہندو بیرون ہند کے مستفیدین کو فیض یاب کرنے لگے۔

غرض جامعہ کی تمام تر ترقیات محض آپ کے اخلاص وایثار اور سرپرستان جامعہ کی علمی قدردانی کی رہین منت ہے۔حق تعالی کی مشیت مقتضی ہوئی کہ اس خطۂ گجرات کو جو کبھی علم وفضل کا گہوارہ رہ چکا ہے، پھر علوم وفنون کی ترقیات سے بقعۂ نور بنائے اور قرآن وحدیث کے آفتاب وماہتاب سے اسے چمکائے، اسی لئے حضرت حق نے اس کے لئے مہتمم کا انتخاب کیا تو ایسے عالم باعمل' اخلاص وایثار مجسم بزرگ کا' مالی سرپرستی کے لئے چنا تو افریقہ کے ان باہمت عالی حوصلہ عاشقان علوم نبوت کو جن کے ادنی درجہ کے اخلاص کی قدروقیمت بھی یقیناً ان کی گراں قدر رقوم سے کہیں زیادہ ہے، درس وتعلیم کے لئے منتخب فرمایا تو ان قدسی نفوس کو جن کے شہرۂ آفاق علم وفضل سے ان کی روحانی برکات مسابقت کررہی تھیں' اور جو تقوی وطہارت اخلاق ودیانت کے جیتے جاگتے نمونہ تھے۔

مختصر یہ کہ جامعہ کے سابقہ ادوار ترقی اور اس کی موجودہ ترقی یافتہ صورت کو ہم حق تعالی

کے ان کرشمہائے قدرت میں سے سمجھتے ہیں جو بطور خوارق عادات اپنے بندوں کو محض اپنے لطف بے پایاں سے نوازنے کے لئے ظاہر ہوا کرتے ہیں''۔ (تاریخ جامعہ: ص ۱۰۷)

خود مولانا کی اپنی کوشش کیا تھی؟ لکھتے ہیں:

''جامعہ اسلامیہ کا شعبۂ تعلیم برابر ترقی کے مدارج طے کر رہا ہے' اور ادارۂ جامعہ کی سب سے بڑی کوشش یہی ہے کہ اس کی تعلیمی حالت زیادہ سے زیادہ اچھی ہونی چاہئے۔ تعلیمی اسٹاف میں ہندوستان کے مایۂ ناز علماء کام کر رہے ہیں۔ ادارۂ جامعہ اس کی بھی کوشش کر رہا کہ جامعہ میں قابل اور مستعد طلبہ کا اجتماع رہے، کیونکہ قابل اساتذہ سے لائق طلبہ ہی مستفید ہو سکتے ہیں''۔ (حوالہ بالا)

مولانا کو جامعہ کے اخراجات کی بھی بڑی فکر رہتی تھی۔ ایک جگہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بحیثیت مہتمم یہ خیال میرے قلب و دماغ کو رہ رہ کر پریشان کر رہا تھا کہ خدانہ کردہ اگر کوئی دوسری صورت جس کی بظاہر توقع نہیں پیش آ گئی' تو جامعہ کا موجودہ شکل میں بقاء کیونکر ہو سکے گا، یہ روح فرسا تصور آ کر آ کر احقر کی تکلیف کا باعث بن رہا تھا''۔

(تاریخ جامعہ: ص ۹۲)

اسی فکر کی وجہ سے مولانا نے مدرسہ کی ترقی کے لئے باوجود نا مساعد حالات کے رنگون و افریقہ کا سفر فرمایا، جس کا تذکرہ اسفار کے ذیل میں آئے گا۔

مولانا کے حسن انتظام پر چند اکابر کی آراء

مدرسہ کی اس حیران کن ترقی میں مولانا کے ایثار و اخلاص کے ساتھ آپ کی انتظامی صلاحیت کو بھی بڑا دخل ہے۔ آپ میں انتظامی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ جامعہ کا: ۲۲/

سالہ دور اہتمام اور مدرسہ کی ترقی اس کا بین ثبوت ہے۔ آپ کے حسن انتظام کی اکابر زمانہ نے تحسین فرمائی ہیں۔ ''مشتے نمونہ ازخروارے'' چند بزرگوں کی آراء نقل کرتا ہوں:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (م:۱۳۶۲ھ) نے ۲۳؍جمادی الاولی ۱۳۲۴ھ میں جامعہ کے طلبہ کا تجوید میں امتحان لیا، اور مدرسہ دیکھا، مدرسہ دیکھنے کے بعد معاینہ میں طلبہ کی کامیابی کا تذکرہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ صریح ثمرہ ہے کہ طلبہ اور مدرس صاحب کی مشقت وتوجہ اور مہتمم صاحب کی نگرانی کا کہ طلبہ کے ساتھ ہے، اگر مشقت وتوجہ کی یہی رفتار رہی تو مدرسہ کو بہت کچھ ترقی کی امید ہے''۔ (تاریخ جامعہ: ص ۳۱)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ (م:۱۳۷۳ھ) رقم طراز ہیں:

''خوش قسمتی سے اس جامعہ کو مولانا احمد بزرگ صاحب جیسے بزرگ کے اہتمام کی سعادت حاصل ہے''۔ (ص ۶۶)

سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس جامعہ کا اہتمام وذمہ داری مولانا احمد بزرگ صاحب کے سپرد ہے، جو صوبہ گجرات کے ایک مشہور عالم ہیں، موصوف اپنے فرائض کو پوری کوشش ومحنت کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اس وقت جامعہ کی تعلیمی اور انتظامی حیثیت ہر اعتبار سے قابل اطمینان ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا احمد بزرگ صاحب کی مساعی کو مشکور فرمائیں۔ (۱۷)

مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ (م:۱۳۸۲ھ) مولانا بزرگ رحمہ اللہ کے اوصاف کو بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''باوجود سیدھے سادے ہونے کے اچھے منتظم تھے''۔

مولانا سید انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ان کے میمون عہد میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے وہ ترقی کی جو بعد کے ادوار میں نصیب نہیں ہوئی''۔ (نقش دوام: ص۴۳)

سید محبوب رضوی ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' (ص ۹۷ ج ۲) میں رقم طراز ہیں:

''مولانا احمد بزرگ اگرچہ سیدھے سادے بزرگ تھے، مگر ان میں انتظامی صلاحتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ڈابھیل کے معمولی مدرسہ تعلیم الدین کو جامعہ اسلامیہ میں تبدیل کر دینا ان کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔ ان کے دور اہتمام میں برصغیر کے مختلف مقامات کے علاوہ افغانستان، بخارا، اور یمن وحجاز تک کے طلباء جامعہ ڈابھیل میں جمع ہو گئے تھے''۔

مولانا کے دور اہتمام میں ۴۶ھ سے ۶۸ھ تک ۱۴/سالوں میں ساڑھے چھ سو سے زیادہ: ۶۵۵/طلبہ نے فراغت حاصل کی، اور حفاظ کی تعداد تقریباً: ۴۰۰/سو تک پہنچتی ہے۔

آپ نے جامعہ کی تعمیری اعتبار سے بھی عظیم خدمت کی: ۵۵/۵۰/کمرے طلبہ کی رہائش کے لئے، اساتذہ کی رہائش کے لئے دارالاساتذہ، اور انور بلڈنگ جس میں کتب خانہ کے علاوہ دس درس گاہیں، اور متعدد کمرے ہیں، آپ ہی کے دور اہتمام میں تعمیر ہوئے، اس طرح آپ کا دور اہتمام جامعہ اسلامیہ کی پوری تاریخ میں ایک روشن باب ہے، جسے ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

جامعہ کی تعریف میں جو قصائد ونظمیں کہیں گئیں ان میں چند اشعار متعلقہ مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ درج ذیل ہیں:

وبعده احمد ذوالمجد ناظمها   مشكور سعى جزاه الله احسانا

ودام منه فيوض العلوم فائضة   ولا يزال جميل الذكر ازمانا

اور (مولانا احمد حسن بھام) کے بعد مولانا احمد بزرگ صاحب اس کے ناظم ہیں، جن کی کوشش کامیاب ہے، جزاہ اللہ خیراً۔

اور آپ کی وجہ سے علم کے فیوض ہمیشہ جاری رہیں، اور آپ کا ذکر خیر زمانہ تک جاری رہے۔ (از: قاری محمد یامین صاحب سہارنپوری)

کاش خود احمد بزرگ اس وقت ہوتے درمیان
دیکھ لیتے اپنی جدوجہد کا پورا سماں
یہ انہی کی رات و دن کی محنتوں کا ہے صلہ
آج بھی قائم ہے علم دین کا سلسلہ

از: مولانا رشید الوحیدی صاحب

حضرت احمد نے بھی اس کی خدمت ہے کی — شاہ انور نے اس سے محبت ہے کی
جہد شبیر بھی تھی مسلسل لگی — اس کے بانی ہیں مولانا احمد حسن
یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن — یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

از: مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری مدظلہ العالی

مولانا احمد بزرگ صاحب کے دور اہتمام کا سن وار مختصر جائزہ

مولانا احمد بزرگ جامعہ کے مسند اہتمام پر: ۱۳۳۹ھ میں فائز ہوئے۔ آپ نے اپنے دور اہتمام میں جامعہ کے لئے جو خدمات انجام دیں، ان کا مختصر طور پر سن وار خاکہ لکھا جاتا ہے۔

۱۳۳۹ھ...... مدرسہ کی مالی حالت ابتر تھی، مولانا کی سعی و کوشش سے اس میں ترقی ہوئی، چونکہ حاجی یوسف میاں کے دور میں درس گاہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تھی، اس لئے سرمایہ کی دقت

پیش آرہی تھی۔مولانا تحریر فرماتے ہیں:

’’جس وقت مدرسہ کا نظام میرے ہاتھ میں آیا‘ اس وقت تعمیر کے اخراجات مدرسہ کا خزانہ خالی کر چکے تھے،خزانہ میں ایک پائی بھی نہیں تھی،ضرورت تھی کہ اس کے سرمایہ کے لئے‘ نیز انتظام وتعلیم کی نگرانی کے لئے پورا بندوبست کیا جائے،چنانچہ اس کی سعی کی گئی‘ الحمد للہ وہ سعی بارآور ہوئی‘ اور مدرسہ حسب سابق خاطر خواہ طریقہ پر چلنے لگا۔

(تاریخ جامعہ ص ۳۰)

۴۰ھ و ۴۱ھ...... کے حالات نہ مل سکے۔

۴۲ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے جامعہ کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا،اور مولانا کی فرمائش پر تجوید کا امتحان لیا‘ اور معاینہ بھی تحریر فرمایا‘ اور تعریفی کلمات تحریر فرما کر آخر میں تحریر فرمایا کہ:

’’یہ احقر اس مدرسہ کے متعلق یہ رائے ہمیشہ کے لئے دیتا ہے کہ اس کے مہتمم ہمیشہ عالم باعمل اور بقدر ضرورت انتظام سے مناسبت رکھنے والے ہوا کریں‘ جیسا کہ اس وقت واقعہ ہے کہ تجربہ سے اس کی سخت ضرورت ہے‘‘۔اشرف علی۔(تاریخ جامعہ ص ۳۲)

۴۳ھ ۴۴ھ ۴۵ھ...... کے حالات نہ مل سکیں۔۴۳ھ کے سالانہ جلسہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے۔

۴۶ھ......میں اکابر دارالعلوم کی جامعہ میں تشریف آوری جن کا مفصل ذکر گزر چکا۔

۴۶ھ...... میں مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ نے جامعہ کو اپنی تشریف آوری کا شرف بخشا۔

۴۷ھ......اس سال جمادی الاخری یوم جمعہ کو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی

رحمہ اللہ کے وصال کا حادثہ پیش آیا، اور عموماً عالم اسلام اور خصوصاً جامعہ آپ کے ظاہری وباطنی فیوض سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا ’’انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘۔

۱۰ر شعبان ۴۷ھ کو پہلی مرتبہ جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، اب تک صرف انعامی جلسہ ہوتا تھا۔ چار ہزار افراد نے شرکت کی۔ اس جلسہ سے تمام گجرات میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی، ہر طرف سے جامعہ کے خیر خواہوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، علم دین اور مدارس کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوئی۔ (تاریخ جامعہ: ص ۴۵)

۴۸ھ......اس سال مزید دار الاقامہ کی تعمیر کے لئے دو اصحاب خیر نے چار چار ہزار روپئے نقد عنایت فرمائے۔

ماہ شعبان میں مولانا بزرگ رحمہ اللہ نے رنگون کا سفر کیا۔ وہاں مقیم علماء گجرات اور سر برآوردہ حضرات نے غیر معمولی جدوجہد سے چندہ کی فراہمی کا کام انجام دیا، خصوصاً مولانا احمد اشرف راندیری، مفتی اسماعیل بسم اللہ ڈابھیلی، مولانا مرغوب احمد لاجپوری (رحمہم اللہ تعالیٰ) وغیرہم کی مساعی سے تقریباً ۱۸ر ہزار کی رقم فراہم ہوگئی۔ ان تمام رقوم سے دار الاقامہ کے لئے مزید: ۳۴ر کمرے تیار ہوئے۔

اسی سال چند اصحاب خیر کی مدد سے ایک عالیشان دار الاساتذہ بھی تعمیر ہوگیا۔

مسجد کی مرمت اور صفوں کے لئے کچھ رقوم وصول ہوئیں۔ قدیم مطبخ کی توسیع ہوئی، اس کے متصل تین کمرے بنائے گئے۔ اور غلہ کی ذخیرہ اندوزی کے لئے ایک وسیع گودام بھی بنایا گیا۔

۴۹ھ......اس سال جمعیۃ العلماء برما کی خواہش پر مولانا احمد بزرگ صاحب نے علامہ کشمیری، علامہ عثمانی وغیرہ کی معیت میں رنگون کا سفر اختیار فرمایا۔ اکیس یوم کے قیام

کے دوران اہل رنگون ان اکابر کے مواعظ سے بہرہ اندوز ہوئے۔

اس سال مدرسہ میں پانی کے نلوں کا انتظام کیا گیا، ساتھ ہی بجلی کی روشنی کا بھی انتظام ہوگیا۔

۵۰ھ...... میں انور بلڈنگ کی عمارت' ستائیس ہزار روپیہ میں تیار ہوئی، جس میں کتب خانہ' آفس محاسبی' دارالاہتمام اور کئی درس گاہیں ہیں۔

۵۱ھ...... اس سال سالانہ جلسہ میں مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ جامعہ میں تشریف لائے اور وعظ بھی فرمایا۔ اور اسی سال علامہ کشمیری رحمہ اللہ بوجہ خرابی صحت ڈابھیل تشریف نہ لا سکے، اسی سال مولانا عبدالقدیر صاحب کیمل پوری کا تقرر رہوا۔

۵۲ھ......اس سال کے اہم واقعات میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے وصال کا حادثہ ہے۔ یہ حادثہ مولانا بزرگ اور جامعہ کے لئے بڑا ہی جانکاہ وصبر آزما تھا۔ مولانا بزرگ صاحب لکھتے ہیں:

''بیشک جامعہ کی تاریخ میں ۳؍صفر ۱۳۵۲ھ کا حادثہ جانکاہ بڑا ہی دردانگیز اور صبر آزما حادثہ تھا، جس کی تلخی کو ارکان جامعہ خصوصاً اور متوسلین جامعہ عموماً کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے، ہم اس جاں گسل سانحہ پر جس قدر بھی ماتم کریں' اور ایسی بلند شخصیت کے ظل عاطفت سے محروم ہوجانے پر جس قدر بھی غم واندوہ تاسف وتحسر کا اظہار کریں وہ کم ہے''۔(۶۰)

اس سال ۲۰؍ربیع الاول کو علامہ سید سلیمان ندوی کی جامعہ میں تشریف آوری ہوئی۔

سالانہ جلسہ میں اہل جامعہ کی استدعا پر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب تشریف لائے۔

۲؍شوال کو مولانا انور شاہ کی وفات کے بعد ایک محدث ومفسر کے تقرر کے لئے

مولانا بزرگ کی نظر انتخاب مولانا الحاج عبدالرحمٰن صاحب امروہی رحمہ اللہ پر پڑی، اور مولانا نے جامعہ کی خدمت کو قبول فرما کر شوال میں تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔

علامہ کشمیری کی وفات کے بعد مسند صدارت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کے سپرد ہوئی۔

شوال میں حضرت مولانا معین الدین صاحب اجمیری وحضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمہما اللہ تشریف لائے۔

۵۳ھ...... حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کا تقرر ہوا۔ تعمیرات کی مرمت کا کام بھی کیا گیا۔ مصر وغیرہ سے ۱۰۴۹ر کتابیں خریدی گئیں۔

۱۴ر صفر کو ''نبراس الساری علی اطراف البخاری'' کے مصنف مولانا عبدالعزیز صاحب تشریف لائے، اور رجسٹر معاینہ میں انتظامات کی تعریف بڑے بلند الفاظ میں لکھی۔

۵۴ھ...... اس سال مولانا بزرگ صاحب رحمہ اللہ کے ایک مخلص دوست ورفیق درس مولانا احمد درویش رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال ہے۔

۵۵ھ...... اس سال سے جامعہ کی روداد اردو میں بھی شائع ہونے لگی، اس سے گجرات کے باہر کے لوگوں کو بھی جامعہ سے واقفیت حاصل ہوئی، تو جامعہ کی عظیم خدمات سے متاثر ہو کر باہر کے لوگوں نے بھی امدادی رقوم ارسال کرنی شروع کر دیں۔

ربیع الثانی میں مولانا سید شاہ عطاء اللہ صاحب بخاری، اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی جامعہ میں تشرف لائے۔ مولانا عبدالقدیر صاحب کیمل پوری علیحدہ ہو گئے۔

۵۶ھ...... اس سال کے اہم واقعات میں مولانا احمد بزرگ صاحب کا سفر افریقہ ہے۔ ۱۰ر ذی الحجہ مولانا سراج احمد رشیدی کا سانحۂ ارتحال کا واقعہ پیش آیا۔

۵۷ھ...... اس سال مولانا محمد نور صاحب کا تقرر ہوا۔ اس سال چوراسی طلبہ نے

فراغت حاصل کی، یہ تعداد جامعہ کی پوری تاریخ میں سب سے زیادہ ہے۔

۵۸ھ......اس سال کا کوئی اہم واقعہ قابل درج نہیں۔

۵۹ھ......اس سال کی روداد مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ کی آخری شائع کردہ روداد ہے، اس سال کے اخیر میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ دیوبند تشریف لے گئے۔

۶۰ھ......اس سال مولانا عثمانی رحمہ اللہ تشریف نہیں لائے، سالانہ جلسہ میں مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ تشریف لائے۔ مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ پہلے سے تشریف فرما تھے، آپ نے کئی روز ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس بھی دیا۔

مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ کا اہتمام سے استعفی

۶۱ھ......اس سال مولانا احمد بزرگ ماہ ربیع الاول سے مستعفی ہوگئے، اور مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب مہتمم مقرر ہوئے۔

استعفاء کا باعث بعض لوگوں کا اختلاف بنا اور یہ اختلاف خاصا طویل ہوا، مقدمہ تک نوبت پہنچی۔ اس اختلاف کی کوئی تفصیل روداد میں درج نہیں، اس طرح کے اختلافات زیادہ تر غلط فہمیوں اور بدگمانیوں اور کسی قدر انسانی وبشری کمزوریوں پر مبنی ہوا کرتے ہیں، یہاں بھی یہی چیزیں کارفرما نظر آتی ہیں، اس لئے اس کی تہہ میں جانا اور اختلاف کے حقیقی عوامل کو تلاش کر کے معلوم کر لینا ہمارے لئے غیر ضروری بھی ہے اور مشکل بھی ہے۔

(تاریخ جامعہ: ص ۱۰۸)

مولانا کے اسفار

مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ نے مختلف ممالک کے اسفار فرمائے۔ اس عنوان میں آپ کے اسفار کے حالات اختصار کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

پہلا سفر افریقہ

ناظرین پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مولانا فراغت کے بعد حضرت امام ربانی رحمہ اللہ کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے، کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد ڈابھیل سملک آ گئے۔ آنے کے بعد پہلے گھر پر پھر راندیر میں مختصر وقت تدریسی سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد مولانا نے جنوبی افریقہ کا سفر اختیار فرمایا۔ اس سفر کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ یہ سفر ۲۵ھ سے ۳۰ھ کے درمیان ہوا۔ مولانا کا قیام وہاں ۳/۴ سال رہا۔

۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کا بڑا جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، ۲۸ سال کے فارغ شدہ علماء کو دستار فضیلت دی گئی۔ جو حضرات جلسہ میں حاضر نہ ہو سکے انہیں پہنچائی گئیں، چنانچہ مولانا بزرگ صاحب کو دستار فضیلت بذریعۂ پارسل جہانسبرگ جنوبی افریقہ پہنچائی گئی۔ کچھ سالوں کے بعد وطن واپس آ گئے۔

پہلا سفر رنگون

مولانا حکیم ابراہیم صاحب راندیری رحمہ اللہ (م: ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) نے دینی خیرخواہی کے بے پناہ جذبے اور پیہم عمل وسعی سے مسلمانان برما کی کایا پلٹ دی۔ مولانا نے رنگون میں ایسی دینی خدمات کیں جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مولانا مرحوم (مولانا ابراہیم صاحب) اور کاتب الحروف مرغوب احمد کی طالب علمی کا زمانہ دہلی میں ایک ساتھ رہا ہے، اس لئے میرا تعلق مولانا سے بہت قریبی رہا ہے اور میں نے برسوں برما میں ساتھ رہ کر دیکھا ہے، اس لئے بلا مبالغہ کہہ سکتا کہ خدا تعالی نے رنگون برما کے مسلمانوں کے لئے مولانا ابراہیم رحمہ اللہ صاحب کو ایک کرشمۂ رحمت بنا کر بھیج دیا

تھا۔(ماہنامہ دار العلوم جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ)

مولانا کی ان خدمات جلیلہ میں سے ایک اہم خدمت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ضرورت کے لئے ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۸ء میں رنگون کی سورتی جامع مسجد میں ایک مستقل ادارہ کی ''دار الافتاء'' کے نام سے بنیاد ڈالی۔ اس زمانہ میں مولانا بزرگ کی علمی صلاحیت مشہور زمانہ ہو چکی تھی، اس عظیم ذمہ داری اور مفتی کے عہدے کے لئے مولانا ابراہیم صاحب کی نظر انتخاب مولانا احمد بزرگ صاحب پر پڑی اور آپ کو مدعو کیا گیا، چنانچہ ۳۵ھ میں آپ رنگون تشریف لے گئے، اور تین سال تک قیام فرمایا، ان تین سالہ قیام میں افتاء کے علاوہ وعظ اور درس قرآن کے ذریعہ اہل رنگون کو فیض پہنچایا۔

اسی زمانہ میں خواجہ کمال الدین مبلغ قادیانیت کی آمد سے رنگون میں فتنۂ قادیانیت کا زور ہوا، اس فتنہ کی مدافعت کی سعی وجدوجہد میں مولانا نے خوب خوب کام کیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل ''صیحۂ رنگون'' نامی کتاب میں شائع ہوئی ہے۔

تعزیہ داری کے خلاف بھی آپ نے وہاں قابل قدر خدمت انجام دی، اور اس بدعت کو مٹا کر ہی دم لیا۔ ۳۹ھ میں جامعہ کے اہتمام کی وجہ سے اس عہدہ سے مستعفی ہو کر وطن تشریف لے آئے۔

دوسرا سفر رنگون

مولانا کو جامعہ کے ساتھ انتہائی تعلق تھا اور ہمیشہ جامعہ کی ترقی کی فکر دامنگیر رہتی تھی، اسی فکر میں ۴۸ھ میں مدرسہ کے سرمایہ کی ضرورت کے لئے مولانا نے رنگون کا سفر فرمایا۔ ''تاریخ جامعہ'' سے اس کی تفصیل درج ہے:

''ماہ شعبان ۱۳۴۸ھ میں مہتمم جامعہ مولانا احمد بزرگ نے سرمایہ کی فراہمی کے لئے

رنگون کا سفر اختیار کیا، وہاں کے اہل خیر حضرات نے جامعہ کے ساتھ پوری ہمدردی اور خلوص کا ثبوت دیا، اس سلسلہ میں وہاں مقیم علماء گجرات اور سر برآوردہ حضرات نے غیر معمولی جدوجہد سے چندہ کی فراہمی کا کام انجام دیا' خصوصاً مولانا احمد اشرف راندیری، مفتی اسماعیل بسم اللہ ڈابھیلی، مولانا مرغوب احمد لاجپوری (رحمہم اللہ) وغیرہم کی مساعی سے تقریباً اٹھارہ ہزار کی رقم فراہم ہوگئی۔ (ص ۴۶)

تیسرا سفر رنگون

جمعیۃ العلماء برما کی خواہش ودعوت پر مولانا احمد بزرگ صاحب نے علامہ کشمیری علامہ عثمانی کی معیت میں ۱۳۴۹ھ میں رنگون کا سفر کیا۔ اس سفر میں مولانا کا قیام رنگون میں ۲۱/ یوم رہا۔ جامعہ کی روداد میں ہے:

''اراکین جمعیۃ العلماء برما' رنگون کی خواہش ودعوت پر علامہ کشمیری' علامہ عثمانی' مولانا احمد بزرگ مہتمم جامعہ' مولانا محمد ادریس سکھروڈوی' مولانا محمد یحیی کاندھلوی' اور مولوی محمد اسماعیل گارڈی صاحبان نے رنگون کا سفر اختیار فرمایا۔

۵/ جمادی الاولی ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۱ء کو روانہ ہوکر ۱۲/ جمادی الاولی کو رنگون وارد ہوئے۔ وہاں بڑے بڑے جلسوں میں علامہ کشمیری اور مولانا عثمانی کی تقریریں ہوئیں۔ اہل رنگون ان اکابر کے مواعظ سے بہرہ اندوز ہوئے۔

اکیس یوم کے قیام کے بعد ۵/ جمادی الاخری کو روانہ ہوکر ۱۰/ کو ڈابھیل سملک بخیر وعافیت واپس ہوئے۔ اس تبلیغی سفر میں اہل بمبئی' اہل کلکتہ اور خصوصاً اہل رنگون بڑے گہرے اخلاص وعقیدت سے پیش آئے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی (م: ۱۳۹۴ھ) جو ان دنوں رنگون میں اراکین جمعیۃ العلماء صوبہ

برما' اور مدرسہ محمودیہ راندیریہ رنگون کے ناظم تھے، آپ نے اس وفد کی پیشوائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' وفد کو سپاس نامہ پیش کیا' جس میں اہل علم کی طویل خدمات' خصوصاً ہندوستان میں دانشمند طبقہ کی امتیازی کوششیں' دارالعلوم کا وقیع تذکرہ' اور اہم تاریخی حقائق وعلمی نکات زیر گفتگو ہیں۔(نقش دوام:۱۳۹)

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا سپاس نامہ

اس سپاسنامہ میں مولانا بزرگ رحمہ اللہ کے علم وفضل کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

''حضرت مولانا احمد بزرگ ایک مدت تک ہمارے اسی شہر رنگون میں قیام فرما کر بحیثیت مفتی اعظم مسلمانان برما کو اپنے فیوض وبرکات سے بہرہ یاب فرما چکے ہیں'' عیاں راچہ بیاں'' اب ڈابھیل میں دارالعلوم کی روح رواں آپ ہی کی ذات گرامی ہے' اور آپ ہی کے زیر اہتمام یہ دارالعلوم نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔(تاریخ جامعہ:۵۰)

جمعیۃ العلماء برما نے اشعار میں بھی بعض سپاس نامے پیش کئے' جن میں سے ایک سپاسنامہ جناب حکیم اسماعیل احسن عیش امروہی صاحب کا ترتیب دادہ ہے، جس کے بعض اشعار متعلقہ مولانا احمد بزرگ صاحب رحمہ اللہ درج ذیل ہیں ؎

ورفیقه احمد بزرگ المحترم　　　فاقت فضائله علی الاقران

ضوء السعادة ساطع فی وجهه　　　متاضأ ضأ کسبائک العقیان

کسب المکارم من کرام زمانه　　　فله العلی وله سهومکان

متفقه متودع متشرع　　　قد حل فی تقواه خیرمکان

اور ان کے ایک ساتھی مولانا احمد بزرگ ہیں' جو اپنے ہمسروں میں سب سے افضل ہیں۔

نور سعادت ان کے رخ میں روشن ہے، سونے کے ڈلے کی طرح ان کا چہرہ دمک رہا ہے۔

اپنے وقت کے اکابر سے اکتساب فیض کیا، اور مقام بلند پر فائز ہوئے۔

فقیہ متدین پرہیزگار ہیں، تقویٰ کے بہتر مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی اشعار میں ایک مقدمی قصیدہ پیش کیا' جن میں مولانا بزرگ رحمہ اللہ کا تذکرہ اس طرح ہے:

مرحبا اے مولوی احمد بزرگ — کردۂ در علم دیں کا رسترگ

ہیں بیا اے طالب دولت شتاب — کہ فتوح ایں زبان وفتح باب

ایکہ تو طالب نہٴ تو ہم بیا — تاطلب یابی ازاں یار وفا

دوسرا سفر افریقہ

۱۳۵۶ھ میں مولانا نے جامعہ ہی کے خاطر باوجود پیرانہ سالی کے افریقہ کا سفر فرمایا۔ مولانا کو ایک عرصہ سے اس کی فکر تھی کہ جامعہ کے لئے مستقل ودائمی سرمایہ کی صورت ہوجائے، جس سے علوم نبوی کی یہ تعلیم گاہ زوال وتنزل کے خطرات سے محفوظ ہوجائے اور اس کا دینی وعلمی فیض عرصہ مدید تک جاری وساری رہے، اسی لئے آپ نے کئی بار سفر افریقہ کا بھی خیال کیا تاکہ وہاں پہنچ کر محبان جامعہ کو اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلائیں، لیکن جامعہ کا اہتمام اور دوسرے مشاغل وموانع اس سفر سے روکتے رہے۔

۵۶ھ میں جناب حاجی یوسف گارڈی اور جناب حاجی ابراہیم صاحب کو اسی ضرورت کی طرف خصوصی توجہ ہوئی، اوران حضرات نے مولانا بزرگ صاحب کو افریقہ مدعو کیا۔ مولانا بھی محض جامعہ کی ترقی اور بہبودی کی خاطر اس دور دراز سفر اور ایسے تلخ وبے مزہ کام

کے لئے تیار ہو گئے، اور رفتہ رفتہ جامعہ کے انتظامی امور کی تکمیل فرما کر اواخر صفر ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۷ء میں عزم سفر فرما لیا۔

اس موقع پر ۲۶ر صفر مطابق ۸ر مئی کو طلبہ اور اساتذہ نے آپ کے لئے دارالحدیث جامعہ کے وسیع ہال میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہی کی صدارت میں الوداعی جلسہ منعقد کیا، جس میں ڈابھیل وسملک کے عمائد بھی جمع ہوئے۔ تلاوت کلام پاک کے بعد مولانا حکیم قاری یامین صاحب' مولانا حبیب اللہ صاحب اور حضرت بنوری کے وداعی قصائد و نظمیں پڑھیں گئیں۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے ایک مبسوط علمی تقریر فرمائی' جس میں مولانا بزرگ صاحب کے اوصاف ومناقب بیان فرمائے، پھر مولانا احمد صاحب نے بھی تقریر فرمائی اور آخر میں اپنی کامیابی اور بخیر واپسی کے لئے دعا کی درخواست کی۔

اس سفر کا داعیہ اور روداد سفر خود صاحب سوانح کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے! مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''جامعہ کے دور جدید کے اخراجات کا زیادہ تر بار جناب حاجی یوسف گارڈی اور جناب حاجی موسی میاں نے لے رکھا ہے، لیکن اب جب کہ ان حضرات نے اپنے وعدہ سے کہیں زیادہ مدرسہ کی امداد میں حصہ لے لیا ہے، نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا ذمہ دارانہ رویہ کب تک قائم رہے گا، اس لئے بحیثیت مہتمم یہ خیال میرے قلب ودماغ کورہ رہ کر پریشان کر رہا تھا کہ خدانہ کردہ اگر کوئی دوسری صورت جس کی بظاہر توقع نہیں' پیش آگئی تو جامعہ کا موجودہ شکل میں بقاء کیونکر ہو سکے گا، یہ روح فرسا تصور آ آکر احقر کی تکلیف کا باعث بن رہا تھا کہ خدائے قدوس نے غیب سے ایک صورت ظاہر فرمائی' یعنی جناب حاجی یوسف صاحب گارڈی کے دل میں مدرسہ کی مستقل امداد کا داعیہ پیدا کر دیا، چنانچہ آپ

نے احقر کو یاد کیا، حالات اگر چہ میرے لئے کچھ زیادہ مساعد نہ تھے، مگر احقر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس مبارک دعوت پر لبیک کہہ کر ۲؍ربیع الاول ۵۶ھ کو جہاز پر سوار ہو گیا، بیس دن کے سفر کے بعد جہاز ڈالگبے پہنچ گیا، گودی پر احباب ورفقاء کے پر اخلاص چہرے دیکھ کر وطن اور عزیزوں کی مفارقت کی کوفت بھول گیا۔ جمیعۃ العلماء ٹرانسوال کے احباب ورفقاء اور دیگر مقامی انجمنوں نے جس گرم جوشی سے اپنی محبت کے مظاہرے بڑی بڑی پارٹیوں اور مجالس وسپاس ناموں کے ذریعہ کئے ان کا گہرا اثر تادم مرگ رہے گا۔

(تاریخ جامعہ ص ۹۲)

ان سپاسناموں میں سے ایک سپاسنامہ کے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

از: جانب کارکنان انجمن اسلام ڈابھیل وسملک (جوہانسبرگ جنوبی افریقہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم۔

بگرامی خدمت فیض درجت، واقف اسرار شریعت، ماہر رموز طریقت، ذوالمجد والکرم، حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب مہتمم مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل وسملک دام فیوضکم۔

ہم آج ایسے مقدس بزرگ کی خدمت میں یہ سپاسنامہ پیش کررہے ہیں، جو باعتبار نجابت وشرافت کے تمام قوم و جماعت میں نہایت ممتاز ہیں، اور اپنے اخلاق حمیدہ زہد وتقوی اور امانت ودیانت میں خطۂ گجرات اور طبقہ علماء میں نہایت ہی معزز ومحترم۔

حضرت والا! آپ نے علوم دینیہ کی اشاعت اور جامعہ کی ترقی و بہبودی کے سلسلہ میں اس پیرانہ سالی میں یہاں کے اصحاب خیر کے مشورہ سے یہ سفر اختیار کیا، اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرزمین افریقہ کو رونق بخشی، اور جامعہ اسلامیہ کے دائمی بقاء وحفاظت کے

واسطے سرمایہ کی سعی کرتے ہوئے اہل جنوبی افریقہ کو اپنے مواعظ رشد وہدایت سے فیض یاب کیا، جس کے لئے ہم نہایت خلوص قلب سے ممنون ومشکور ہیں۔

حضور والا! آپ نے قومی خدمات اور مذہبی تعلیم کی اشاعت کی خاطر مفتی اعظم رنگون کے منصب جلیل کو خیر باد کہہ کر مدرسہ کے انتظام کی گرانبار ذمہ داری قبول فرمائی، اور اس کی ترقی میں بکمال جانفشانی کوشاں رہے، یہاں تک کہ خدائے بزرگ وبرتر نے ایسے اکابر علماء آپ کو اس دور پرفتن میں مرحمت فرمائے جن کی تشریف آوری سے گجرات کی سرزمین علوم نبویہ سے منور ہوگئی، اور دور دور سے تشنگان علوم آ آ کر سیراب ہونے لگے۔

اخیر میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی آپ کو جامعہ کی دائمی بقاء کے عظیم مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ ہم ہیں آپ کے نیازمند اراکین انجمن اسلام:

احمد اسماعیل منتی......احمد موسی......اسحاق بی ایم، بی، ایکھلوایا......ای، ایم، سورتی

۵/ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۸/ جنوری ۱۹۳۸ء

مولانا کا یہ سفر تقریبا نو مہینے کا تھا، جس میں آپ نے اندرون ملک پندرہ ہزار میل کا سفر کیا، اور اوائل ذی الحجہ میں وطن تشریف لائے۔

حضرت عثمانی اور دیگر اساتذہ اور بستی والے بمبئی تشریف لے گئے، اور مولانا ان حضرات کے ساتھ سب سے پہلے جامعہ ہی میں تشریف لائے۔ طلبہ واساتذہ کی طرف سے جلسہ تہنیت منعقد ہوا، جن میں اساتذۂ جامعہ کی طرف سے عربی اور فارسی میں بلند پایہ فصیح وبلیغ قصائد پڑھے گئے۔ علامہ عثمانی نے پُر جوش تقریر فرمائی اور مولانا کی بخیر تشریف آوری پر اظہار مسرت کیا۔ مولانا نے بھی جوابی تقریر میں اساتذہ کا شکریہ ادا کیا اور اپنی خدمت کو حقیر بتاتے ہوئے قبولیت کی دعا کی۔

اوصاف وکمالات

تواضع اور انکساری

انسان کی انسانیت اور برتری وسربلندی کا اصلی راز تواضع وانکساری میں مضمر ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

روی البیھقی عن عمر قال : وھو علی المنبر ، یا ایھا الناس تواضعوا ، فانی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول : من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ ، فھو فی نفسہ صغیر و فی اعین الناس عظیم ، ومن تکبر وضعہ اللّٰہ ، فھو فی اعین الناس صغیر و فی نفسہ کبیر ، حتی لھو اھون علیھم من کلب أو خنزیر۔

ترجمہ:......بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ممبر پر کھڑے ہوکر انہوں نے بیان فرمایا: اے لوگو! تواضع اختیار کرو، کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کیا حق تعالی نے اس کو رفعت بخشی، پس وہ اپنے نزدیک چھوٹا ہے، مگر لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہے، اور جس نے تکبر کیا، حق تعالی نے اس کو پست کیا، پس وہ لوگوں کی آنکھوں میں چھوٹا ہے اور اپنے نزدیک بڑا حتی کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (معارف الحدیث: ص۲۸۱ ج۲)

یہی تواضع وانکساری اصل شان عبدیت ہے، جو شخص بھی اپنی حقیقت کا شناسا ہوگا وہ مجسمہ تواضع ہوگا، اور کبر وغرور سے بالکل مبرا ہوگا جو سراسر عبدیت کے منافی اور متضاد ہے۔

مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ واقعۃً تواضع اور انکساری کا ایک مجسمہ تھے، ایک صاحب اقتدار عالم دین ہونے کے باوجود علمی شان کے اظہار سے کوسوں دور تھے۔

امانت داری

امانت داری ایمان کی علامت ہے، اور خیانت کو علامت منافق میں شمار کیا گیا ہے۔

لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له۔ (مشکوۃ:ص۱۵)

اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں، اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں۔

آیة المنافق ثلاث اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف و اذا أو تمن خان۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:......منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو دھوکہ دے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

اور ''مسلم شریف'' کی روایت میں تو یہاں تک کہ الفاظ ہیں:

وان صام و صلی و زعم انه مسلم۔ (مسلم:ص۵۶ ج۱)

یعنی اگرچہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور وہ خیال کرے کہ میں مسلمان ہوں۔

مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ کی امانت داری اپنے زمانہ میں ضرب المثل تھی، اس لئے لوگ اپنی امانت وغیرہ مولانا کو سپرد کرتے تھے۔ افریقہ کے تجار بھی آپ کی دیانت داری وامانت داری کی وجہ سے آپ پر کامل اعتماد کرتے تھے۔

مولانا مفتی مرغوب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا بزرگ امانت دار تھے، کئی مخلص احباب مقیم افریقہ کی بمبئی کی املاک کا انتظام بذات خود کرتے تھے، حساب کتاب بہت صاف رکھتے تھے''۔ (ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

سادگی و بے تکلفی

سادگی اور بے تکلفی بھی اعلی انسانی جوہر ہے۔ مولانا سادگی و بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ عالم دین ہونے کے علاوہ گجرات کی عظیم دینی درس گاہ کے مہتمم تھے، مگران

کمالات کے باوجود سنت نبوی کے موافق سادگی کے ساتھ زندگی گزارنا یہ آپ ہی کا حوصلہ تھا۔لباس موٹا پہنتے تھے۔مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری تحریرفرماتے ہیں کہ:

''مولانا بزرگ صاحب سیدھے سادے' بھولے بھالے بزرگ تھے،تکلف وتصنع مطلق نہیں تھا،لباس موٹا پہنتے تھے،کفایت شعار تھے،فضول خرچی سے محترز رہے، سادہ خوراک تھے،جو سامنے آیا شوق سے کھالیا،مرغن ولذیذ کھانے بھی خوب سیر ہوکر شوق سے کھاتے تھے۔ہاضمہ بہت قوی تھا۔قوی بہت مضبوط تھے۔ بہت ہی بے تکلف سادہ وضع بزرگ تھے۔چالاکی عیاری بناوٹ اوراظہار شان سے کوسوں دور رہے''۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند:ص۴۰۔جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ)

آپ کے سفر افریقہ کے موقع پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے الوداعی تقریر فرمائی تھی،جس میں آپ نے مولانا بزرگ کے تین اوصاف بیان فرمائے تھے،آپ نے فرمایا:

مہتمم صاحب کے تین وصف ہیں' جن سے میں بہت متأثر ہوں:ایک قلت تکلف و تواضع' کہ یہ اس زمانہ میں بہت کم ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ علیہم کا ایک وصف خاص یہ بھی تھا کہ ان میں تکلف وتصنع نہیں تھا،چنانچہ ایک صحابی سے کسی نے صحابہ کے اوصاف پوچھے تو یہی جواب دیا:

کانوا اعمقهم علما و اقلمهم تكلفاً و ابرهم قلوباً ، الخ۔

درحقیقت اس ''اقلهم تكلفاً'' کے الفاظ میں بھی قلت تکلف کا جز موجود ہے،ورنہ قلت کو بھی کیوں بیان کرتے۔دوسرا وصف ہے اخلاص' جو تمام اعمال حسنہ کی روح ہے۔یہ وصف بھی اس زمانہ میں تقریباً نایاب ہے۔دینی خدمات کو خصوصاً وہ جن میں کوئی نمایاں حیثیت بھی ہو بہت کم اخلاص کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ہم نے مہتمم صاحب کے تمام کاموں

کو دیکھا کہ ان میں اخلاص کا جز و بدرجۂ اتم موجود ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو کامیابی ہوتی ہے۔ تیسرا وصف یہ ہے کہ مہتمم صاحب کو دینی علوم کے احیاء کا جو قلبی شغف وشوق ہے وہ بھی اس زمانہ کے نوادر سے ہے‘‘۔ (ملخصاً، تاریخ جامعہ: ص ۸۹)

باوجود سادگی کے چہرے پر بزرگی اور علم کا رعب نمایاں تھا، طلبہ دیکھتے ہی راستہ صاف کر دیتے۔ صبح کو گھر سے آتے تو مدرسہ کی رقوم ایک تھیلی میں رکھ کر لاتے، جو ہاتھ میں ہوتی، اگر طلبہ کو سرزنش کی ضرورت ہوتی تو کبھی تھیلی ہی استعمال کر لیتے۔

مولانا اور علم میراث

علم میراث بہت قابل قدر علم ہے۔ حق تعالی نے قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ اس کی تعلیم فرمائی ہے، اور ہر ایک وارث کے حصے کو جدا جدا مقرر و معین فرما دیا ہے۔ (نساء)

احادیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے اس علم کے حاصل کرنے اور تعلیم دینے اور عمل کرنے کے بیشمار فضائل بیان فرمائے ہیں۔

آپ ﷺ نے ایک فصیح و بلیغ پر درد ورقت آمیز مؤثر وعظ میں فرمایا کہ:

’’اے لوگو! میں تم میں ہمیشہ نہیں رہوں گا، فرائض کو سیکھ لو اور لوگوں کو سکھلاؤ! وقت قریب ہے کہ وحی کا دروازہ بند ہو جائے گا، اور علم کے معدوم ہونے کا وہ زمانہ آئے گا کہ دو آدمی ایک ضروری مسئلہ میں جھگڑتے ہوں گے اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ملے گا‘‘۔

دوسرے موقع پر فرمایا:

’’اے لوگو! فرائض کو سیکھو، اس لئے کہ وہ نصف علم ہے، اور سب سے پہلے جو علم میری امت سے اٹھا لیا جاوے گا وہ علم فرائض ہے‘‘۔

آپ ﷺ کے ان ارشادات کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام اور علماء عظام نے اس

علم کی طرف خود بھی توجہ فرمائی اور دوسروں کو رغبت دلائی۔

علم فرائض کے سب سے بڑے عالم

صحابہ کرام میں سب سے بڑے عالم فرائض حضرت زید بن ثابت (م:۴۵ھ) تھے، اور حضرت ابوبکر (م:۱۳ھ) حضرت عمر (م:۲۴ھ) حضرت عثمان (م:۳۴ھ) حضرت علی (م:۴۰ھ) حضرت عبداللہ بن مسعود (م:۳۲ھ) حضرت ابن عباس (م:۶۸ھ) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری (م:۴۴ھ) رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ اس فن میں خاص امتیاز رکھتے تھے، اور میراث کی مشکلات کو حل فرماتے اور مسائل فرائض تعلیم فرماتے اور ساتھ ساتھ لوگوں کو توجہ دلاتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اے لوگو! فرائض کو ایسی ہی توجہ اور محنت سے سیکھو جس طرح قرآن مجید کو سیکھتے ہو۔ کبھی فرماتے کہ: مسلمانوں! فرائض کو سیکھو، اس لئے کہ وہ تمہارے دین کا ایک ضروری علم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: جو شخص قرآن مجید کو پڑھے، اس کو فرائض بھی سیکھ لینا چاہئے۔ (یعنی جس طرح قرآن کا سیکھنا ضروری ہے ایسے فرائض کا سیکھنا بھی ضروری ہے)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: جو شخص قرآن مجید سیکھے اور فرائض نہ سیکھے، وہ ایسا ہے جیسے بے چہرہ کا سر۔ (''مفید الوارثین'' سے یہ ساری روایات لی ہیں)

علم فرائض کی اس اہمیت کی وجہ سے علماء مجتہدین نے اس میں خاص حصہ لیا، اور مستقل کتابیں اور شروح وحواشی تحریر فرمائے، چنانچہ گیارہویں صدی تک تقریباً ستر کتابیں جن میں چالیس کے قریب اصل اور چوبیس شروحات اور پانچ چھ حاشئے اس فن میں لکھے گئے۔

مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ کو بھی علم فرائض کے ساتھ ایک خاص مناسبت تھی، اور اس فن میں مہارت تامہ حاصل تھی، جیسا کہ آپ کے فتاوی سے ظاہر ہے (اگر اس وقت میرے پاس آپ کے فتاوی کا رجسٹر ہوتا تو میں بطور نمونہ چند فتاوی نقل کرتا) اس لئے فن فرائض کی شہرۂ آفاق کتاب امام سراج الدین بن محمود حنفی سجاوندی کی ''سراجی'' اکثر آپ کے زیر درس رہتی۔

مولانا کی فقہی حذاقت

دینی مناصب وفرائض سب کے سب اہم اور عظیم ذمہ داری کے کام ہیں۔ ان کے لئے اچھی صلاحیت کے ساتھ وسیع مطالعہ اور تجربہ کار اساتذہ کی ضرورت ہے، مگر ان مناصب میں سب سے زیادہ دقیق ونازک ذمہ داری جس کے لئے ذکاوت وذہانت، مطالعہ کی وسعت، امانت ودیانت، فقہ واصول فقہ میں خصوصی مہارت کے ساتھ کسی نہ کسی درجہ میں شان اجتہادیت کی ضرورت ہے وہ منصب افتاء ہے۔

اللہ تعالی نے مولانا احمد بزرگ کو علم فقہ میں مہارت تامہ ومناسبت کاملہ عطا فرمائی تھی، اور آپ کو ''من یرد اللہ بہ خیرا یفقهه فی الدین'' کا سچا مصداق بنایا تھا۔ دراصل مدرسہ کے انتظام واہتمام کی مشغولی نے آپ کے علمی وفقہی کمالات کو نکھرنے کا موقع ہی نہ دیا، تاہم رنگون میں (۱۳۳۵ھ ۱۹۱۸ء سے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء فروری تک) تین سال اور قیام ڈابھیل کے ابتدائی زمانہ میں آپ کو اس خدمت کا موقع میسر آیا۔ رنگون میں آپ کے فتاوی (ماہنامہ المحمود) میں دوسرے مفتیان عظام کے فتاوی کے ساتھ ''فتاوی سورتیہ'' کے نام سے شائع ہوتے تھے۔ ان فتاوی کی چند نقلیں اس وقت میرے پاس محفوظ ہیں۔ بطور نمونہ ان کو یہاں نقل کرتا ہوں:

فتاویٰ مفتی احمد بزرگ

نماز فرض کے بعد متصلاً دعاء مانگنا سنت ہے یا نہیں؟

اور سنن ونوافل کے بعد دعا کا حکم:

س:۱/...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سورتی مسجد رنگون میں تقریباً آج سے آٹھ دس برس پہلے فرض نمازوں کے سلام پھیرنے کے بعد متصل ہی امام اولاً دعا میں ''اللّٰھم انت السلام'' پڑھتا تھا، اور جب لوگ سنن ونوافل سے فارغ ہوجاتے تھے تو پھر دوسری مرتبہ ''الفاتحہ'' کہہ کر بلند آواز سے دعا مانگتا تھا اور سب مقتدی آمین آمین کہتے تھے، اس دوسری ''الفاتحہ'' والی دعا کی پابندی کو ضروری سمجھتے تھے حتی کہ کسی وقت امام کو سنن ونوافل پڑھنے میں دیر لگ جاتی تو منتظرین دعا کا اعتراض امام پر ہوتا تھا کہ ہم تو دعا کے انتظار میں ہیں اور امام صاحب تاخیر کرتے ہیں۔ انہیں ایام میں مسجد کی امامت پر ایک دیندار عالم کا تقرر ہوا، جب انہوں نے دیکھا کہ ''فاتحہ ثانی'' کی نہایت پابندی کی جاتی ہے اور امام کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے، نیز امام کو سنن ونوافل کے پڑھنے میں تاخیر ہوجاتی ہے تو اعتراض کرتے ہیں، تو لوگوں سے کہا کہ اس التزام کے ساتھ ''فاتحہ'' پڑھنے کا حدیث وفقہ میں کسی جگہ ثبوت نہیں ملتا، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے سنن ونوافل پڑھ لینے کے بعد ہر شخص اپنے طور پر دعا مانگ لیا کریں۔ مولانا کے کہنے کا اثر لوگوں پر ہوا، علماء سے فتوی لیا، اس التزام کے ساتھ فاتحہ کا پڑھنا موقوف کر کے ہر شخص نے بعد سنن ونوافل کے منفرداً دعا مانگنا شروع کیا، تقریباً آٹھ دس برس سے حسب ذیل طریقہ دعاء مانگنے کا جامع مسجد سورتی رنگون میں قرار ہوگیا ہے کہ جن فرضوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں سلام پھیرنے کے

بعد امام ’’اللّٰھم انت السلام ‘‘اسی مقدار میں دعا مانگتا ہے، دعا میں سب لوگ شامل ہوتے ہیں، اور جن فرضوں کے بعد سنتیں نہیں مثلاً فجر وعصران میں سلام پھیرنے کے بعد دائیں بائیں جانب یا مصلیوں کی طرف منہ کرکے امام بیٹھ جاتے ہیں اور تھوڑی دیر اوراد و وظائف میں مشغول رہتا ہے، اس کے بعد جماعت کے ساتھ دعا مانگتا ہے، اس آٹھ دس برس کے عرصے میں بہت سے عالموں کا یہاں آنا جانا ہوا اور کچھ یہاں مقیم بھی ہیں، انہوں نے ہمیشہ اس طریقہ کو سنت کے موافق سمجھا اور کبھی کچھ اعتراض نہ کیا' نیز بہت سے مصلی بھی اس طریقہ کو سنت کے موافق سمجھتے ہیں اور کچھ اعتراض نہیں کرتے ہیں، لیکن بعض ناواقف لوگ جو رسم کے پابند ہیں اور رسم کے کرنے میں ثواب سمجھتے ہیں وہ متولیان مسجد کو ابھارتے ہیں کہ ’’فاتحہ ثانی‘‘ کا دوبارہ اجراء کیا جائے' اور امام صاحب کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ ’’فاتحہ ثانی‘‘ اسی التزام کے ساتھ پڑھیں' جس طرح پہلے پڑھایا جاتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس وقت جو بعد نماز فرض متصل ایک وقت دعا مانگی جاتی ہے وہ سنت کے موافق ہے یا نہیں؟

س:۲/...... سنن ونوافل کے بعد خاص التزام مذکور کے ساتھ دعا مانگنے کا ثبوت حدیث وفقہ سے ہے یا نہیں؟

س:۳/...... سنن ونوافل کے بعد خاص التزام مذکور کے ساتھ فاتحہ شروع کرانے کے لئے متولیان مسجد' امام مسجد کو مجبور کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ مجبور کریں تو ان کا یہ جبر شریعت کے موافق ہے یا نہیں؟ بینوتوجروا۔

ج:۱/...... بعد نماز فرض متصل سلام کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے' وہ سنت کے موافق ہے۔ ’’ترمذی شریف‘‘ میں ہے:

ای الدعاء اسمع ؟ فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : جوف اللیل الآخر و دبر الصلوات المکتوبات۔(بخاری،مسلم شریف،ابوداؤدشریف،نسائی)

عن المغیرۃ بن شعبۃ قال: ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من الصلوۃ وسلم قال : لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد وھوعلی کل شئی قدیر ، اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولاینفع ذا الجد منک الجد۔

ابوداؤد میں ہے:

وعن علی قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ سلم من الصلوۃ قال : اللّٰھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی ، انت المقدم والمؤخر لا الہ الا انت۔

وعن ثوبان ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان ینصرف من صلوۃ استغفر ثلث مرات ثم قال اللّٰھم انت السلام ۔

ج:۲ر......سنن ونوافل کے بعد التزام مذکور کے ساتھ دعا مانگنے کا ثبوت حدیث وفقہ سے نہیں ہے، اور فاتحہ کا التزام بھی ثابت نہیں، محض ایک رسم ہے، یہ طریقہ نہ قرآن واحادیث سے ثابت ہے، نہ حضور ﷺ کا یہ فعل ہے، نہ صحابہ کا، نہ تابعین وتبع تابعین کا، نہ ائمہ مجتہدین کا یہ فعل ہے، محض ایک رسم ہے، بلکہ بدعت ہے، اس طریقہ کو ترک کرنا لازم ہے۔

فی الواقعات قراۃ الفاتحۃ بعدالمکتوبۃ لاجل المھمات وغیرھا مکروھۃ لانھا بدعۃ لم ینقل عن الصحابۃ والتابعین۔

’’فتاوی عالمگیریہ‘‘ میں ہے:

”ما يفعل عقيب الصلوة مكروهة لان الجهال يعتقدونه سنة أو واجبة “ الخ۔

ج:۳؍......سنن ونوافل کے بعدخاص التزام کے ساتھ فاتحہ شروع کرانے کے لئے متولیان مسجدامام مسجدکو ہرگز ہرگز مجبورنہیں کرسکتے‘اگروہ مجبورکریں توامام کولازم ہے کہ ان کامقتدی ہرگز ہرگز نہ بنے‘ان کا یہ جبرخلاف سنت ہےاورایک بدعت کےاجراء پرہے۔

قال النبی صلی الله عليه وسلم : لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق ، قال النبی صلی الله عليه وسلم : من ترک سنتی لم ينل شفاعتی ، هذا ما ظهر والله اعلم

کتبہ:احمدغفرلہ سورتی سملکی

سابق مفتی سورتی جامع مسجدرنگون

الجواب صحیح	ہٰذاھوالحق عندی	جواب مسطورہ بالادرست ہے
محمدیامین غفرلہ	خادم الطلبہ محمدصدیق	محمدعبداللہ خان بڑودوی
مدرس مدرسہ تعلیم الدین	مدرس مدرسہ تعلیم الدین	مدرس مدرسہ تعلیم الدین

کیاکسی پیرسے مریدہوناضروری ہے

س:......زیدیہ کہتاہے کہ کسی پیرطریقت سے بیعت کرناضروری ہے،اس لئے کہ جس شخص کاکوئی پیرنہیں‘اس کاپیرشیطان ہے۔کیایہ قول زیدکاصحیح ہے؟ اورکیاکہیں قرآن‘حدیث‘ فقہ سے یہ ثابت ہے کہ بیعت ضروری ہے؟ مہربانی فرماکرجواب میں عبارت کتب تحریر فرمائیں۔

ج:......قرآن‘حدیث‘فقہ سے بیعت کامسنون ہوناثابت ہے،ضروری ہوناثابت نہیں ہے،اگرکوئی کسی پیرطریقت سے بیعت نہ ہوتووہ شرعاً گنہگارنہیں ہوگا،مسنون ہے کہ کسی بزرگ متبع شریعت کے ہاتھ پربیعت کرلے کہ وہ اس کواحکام شریعت سکھلائے،حسنات

کی طرف رغبت دلائے، سیئات سے بچانے کی کوشش کرے اوراس کے نفس کی اصلاح کرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے رسالہ ''قول الجمیل'' میں تحریر فرماتے ہیں:

فاعلم ان البیعة سنة لیست بواجبة ، لان الناس بایعو النبی صلی اللہ علیه وسلم وتقربوا بھا الی اللہ تعالی ، ولم یدل دلیل علی تاثیم تارکھا ولم ینکر احد من الائمة علی تارکھا ، کان کالاجماع علی انھا لیست بواجبة۔

جان تو کہ بیعت سنت ہے واجب نہیں، اس لئے سنت ہے کہ لوگوں نے یعنی اصحاب رسول اللہ ﷺ نے حضور ﷺ سے بیعت کی' اوراس کے سبب سے خدا تعالی کا قرب چاہا، کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بیعت نہ کرنے والا گنہگار رہے، اور نہ کسی امام نے بیعت نہ کرنے والے پر انکار کیا، یہ گویا اجماع ہے اس بات پر کہ بیعت واجب نہیں۔

کیا مرد وطی بالشبہ سے زانی ہوگا

س:......زید نے غیر عورت کو اندھیری رات میں اپنی بیوی سمجھ کر اس سے وطی کرلی' وہ عورت بھی خاموش رہی اور کچھ نہیں بولی' اس صورت میں زید زانی اور وہ عورت زانیہ ہوئی یا نہیں؟

ج:......مرد نے چونکہ شبہ سے وطی کی اس لئے یہ زانی نہ ہوگا۔

قال النبی صلی اللہ علیه وسلم : رفع عن امتی الخطأ والنسیان ، أو کما قال۔

اورعورت چونکہ سمجھتی تھی کہ غیر مرد ہے، اس لئے وہ زانیہ ہوگئی، اوراگر وہ یہ سمجھی ہو کہ میرا مرد ہے تو وہ بھی زانیہ نہ ہوگی، فقط۔

حررہ احمد سملکی

امین امانت رکھنے کے بعد غائب ہوگیا تو امانت کا کیا حکم ہے

س:……ایک شخص کے پاس زید کچھ روپیہ رکھ کر بطور امانت چلا گیا، دو سال گزر گئے اور زید اس وقت سے لا پتہ ہے، شخص مذکور تشویش میں ہے ایسے روپیہ کو کیا کرنا چاہئے؟

ج:……صورت مسئول عنہا میں ان روپیوں کو اپنے پاس بحفاظت رکھ چھوڑنا لازم ہے، صدقہ کرنا ناجائز ہے، ہاں جب اس کے مرنے کی پختہ خبر مل جائے تو صدقہ کردے۔

غاب رب الوديعة ولايدرى اهو حى ام ميت يمسكها حتى يعلم موته ولايتصدق بها۔

اور جب اس کے مرجانے کی خبر پختہ مل جاوے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر صدقہ کردے۔ فقط حررہ احمد سملکی

سورہ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان بسم اللہ کا حکم

س:……بسم اللہ کا سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان پڑھنا متون سے ثابت نہیں بلکہ اس سے روکتے ہیں۔ شامی کے مطالعہ سے میرا شبہ دور نہیں ہوتا۔ آپ اپنی تحقیق سے آگاہ فرمادیں، جس سے میرا شبہ دور ہوجائے۔

ج:……مختار اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ بسم اللہ کو درمیان سورۂ فاتحہ ودوسری سورت کے پڑھا جائے، اس میں کسی کا خلاف نہیں، بلکہ بعض ائمہ مثل حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے، اور یہی مستحسن ہونے کی بھی وجہ ہے۔ (درمختار ص ۵۷؍ج ۱)

لا تسن بين الفاتحة والسورة مطلقاً ولوسرية، ولا تكره اتفاقا، وما صححه الزاهدى من وجوبها اضعفه فى البحر۔

علامہ طحاوی اس کے تحت میں فرماتے ہیں: (ملاحظہ ہو! طحاوی ص ۲۱۹ ج ۱)

قوله لا تسن بين الفاتحة والسورة هو قولهما ، وقال محمد : تسن فى السرية ، وفى المستصفى وعليه الفتوى ، وفى العتابية والمحيط : قوله محمد هو المختار قوله لا تكره اتفاقا بل لا خلاف فى انه لو سمى لكان حسنا نهر ، قوله ضعفه فى البحر الحق انهما قولان مرجحان الا ان المتون على الاول ، ووجهه الثانى كما فى البدائع انها من لزمه قراء ة الفاتحة لزمتة التسمية احتياطاً نهر ۔

اور فتح القدیر: ص۲۰۵ ؍ ج ا میں ہے:

وعنه ان ياتى بها احتياطاً وهو قولهما ، وجهها اختلاف العلماء واختلاف الآثار فى كونها من الفاتحة وعليه اعادة الفاتحة فعليه اعادتها ، ومقتضى هذا سنيتها مع السورة لثبوت الخلاف فى كونها من كل سورة كما فى الفاتحة ، الخ ، ووجوب السورة كالفاتحة ۔

احمد سملکی

اول وقت میں شافعی کی اقتداء حنفی کے لئے کیسی ہے؟

س:......اگر شافعی اول وقت میں نماز پڑھادے اور مقتدی حنفی ہو تو حنفی کی نماز میں کسی قسم کا رخنہ (ثواب کی کمی یا کراہت وغیرہ) تو نہ ہوگا؟

ج:......کسی طرح کی کراہت نہیں، نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے، البتہ عصر میں شافعی امام کے ساتھ ایک مثل سایہ کے بعد حنفی کو نماز عصر پڑھنا امام صاحب کے مذہب کے مطابق درست نہیں، [۱] اس لئے شافعی امام کو لازم ہے کہ اپنے حنفی مقتدیوں کا لحاظ رکھے اور دو مثل سایہ کے بعد عصر کی نماز پڑھا کرے۔

حررہ احمد سملکی

[۱]......حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ایک مثل سایہ ہوجانے پر عصر کا وقت ہوجانے کا بہت سے مشائخ حنفیہ نے بھی فتوی دیا ہے، اس لئے ایک مثل سایہ ہوجانے کے بعد شافعی جماعت میں حنفی شریک ہوکر نماز عصر ادا کر سکتے ہیں۔ (کفایت المفتی ص۲۴ ج۳) مرغوب احمد

چھوٹی مسجد میں نماز جمعہ کا حکم

س:......ایک مسجد میں پنج وقتہ ایک دو آدمی کے ساتھ جماعت ہوتی ہے، اور یہ مسجد اطراف شہر میں واقع ہے، اس مسجد میں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے، اس مسجد سے آدھ میل کے فاصلہ پر ایک دوسری مسجد ہے اس میں جماعت کثیرہ کے ساتھ جمعہ کی نماز ہوتی ہے اب بتلائیے کہ چھوٹی جماعت والی مسجد کے نمازی بڑی جماعت والی مسجد میں جا کر جمعہ پڑھیں یا اپنی چھوٹی جماعت والی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں؟

ج:......اس چھوٹی جماعت والی مسجد میں اگر جمعہ کی نماز ہوتی ہو تو جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ درمختار، شامی ص ۸۳۷، ج ۱ میں مذکور ہے:

ویشرط لصحتها المصر أو فناؤه وهو ما اتصل به لاجل مصالحه۔

اور ص ۸۴۳ ج ۱ میں ہے:

وتودی فی مصر واحد فی مواضع کثیرة مطلقا علی المذهب وعلیه الفتوی دفعا للحرج ، قال فی الشامی : قوله دفعاً للحرج ' لان فی الزام اتحاد الموضع حرجاً بینا لاستدعائه تطویل المسافة علی اکثر الحاضرین۔ احمد سملکی

مسجد میں نماز جنازہ کا حکم

س:......جس مسجد میں نماز پنج گانہ ہوتی ہو اس میں مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے برآمدہ وصحن کا کیا حکم ہے؟ آیا برآمدہ وصحن میں جنازہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

ج:...... بلا عذر مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے، پڑھنے سے ثواب نہیں ملتا' ہاں بارش وغیرہ کی وجہ سے باہر یا خارج مسجد نہ پڑھ سکتے ہوں تو اس وقت مکروہ نہیں۔

درمختار،شامی:ص۹۲۴ ج۱ میں ہے۔

وكرهت تحريماً وقيل تنزيها فى مسجد جماعة هو فيه ' و اختلف فى الخارجيه والمختار الكراهة مطلقاً بناء على ان المسجد انما بنى للمكتوبة وتوابعها كنافلة۔

اس سے آگے دوسرے صفحہ پر شامی میں ہے:

انما تكره فى المسجد بلاعذر فان كان فلا ومن الاعذار المطر كما فى الخانية۔

اب رہا برآمدہ صحن کا حکم سوُاگر بانیان مسجد نے اس کو جماعت خانۂ مسجد میں بوقت بناء مسجد داخل سمجھ کر بنایا تھا تو وہ مسجد کے حکم میں ہے' تو وہاں بھی پڑھنا مکروہ ہوگا' اوراگر بانیان مسجد نے برآمدہ کو مسجد سے خارج رکھا تھا اور مثل دیگر چیزوں کے لواحق مسجد سمجھ کر اس کو بنایا ہو تو وہ مسجد سے خارج ہوگا' اور مسجد کا جز نہ ہوگا،اس صورت میں نماز جنازہ کا برآمدہ میں پڑھنا مکروہ نہیں، بلکہ بلا کراہت جائز ہے۔فقط۔ حررہ:احمد سملکی

نماز جنارہ کے بغیر کسی مسلمان کو دفن کردیا تو اب کیا کرے؟

س:......ایک مسلمان مرگیا' اس جگہ دوسرا کوئی مسلمان موجود نہ تھا، اس لئے برہمی لوگوں نے اس کو دفن کردیا، پندرہ دن بعد مسلمانوں کو معلوم ہوا' اب کیا کیا جائے؟

ج:......اگر مسلمانوں کا گمان غالب ایسا ہو کہ وہ اس مدت میں پھٹ نہ گیا ہوگا' تو اس صورت میں قبر پر نماز پڑھ لینا چاہئے' اوراگر اس کے پھٹ جانے کا گمان غالب ہو تو قبر پر نماز نہ پڑھیں۔''ردالمختار''میں ہے:

وان دفن واهيل عليه التراب (بغير صلوة) او بها بلا غسل او ممن لا ولاية له (صلى على قبره مالم يغلب على الظن بفسخه) من غير تقدير هوالاصح ، قال فى

الشامی : قوله هو الاصح ' لانه یختلف باختلاف الاوقات حرا وبردا والمیت سمنا وهزالا و الامکنة۔ احمد سملکی

روافض ومشرکین کے جنازہ میں شامل ہونے کا حکم

س:۱/......شیعہ کی میت میں جانا' جنازہ کو کاندھا دینا' یا مجلس فاتحہ ختم قرآن وغیرہ میں شریک ہونا' اوران کے یہاں پر کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

س:۲/......اہل شیعہ کو اپنے یہاں پر کسی تقریب غمی یا خوشی میں بلانا جیسا کہ مذکور ہے کیسا ہے؟

س:۳/......کفار کے مردہ کے ہمراہ بوجہ محبت کے جانا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۱/......شیعہ بعض تو ضروریات دین کے منکر ہیں' وہ تو کافر ہیں۔اور بعض ویسے نہیں' وہ کافر نہیں، لیکن فاسق ہیں۔ بہرحال ان کے فاسق ہونے میں کچھ شک نہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔پس ان سے محبت رکھنا اور ان کے جنازے میں شریک ہونا جائز نہیں، نیز ان کی مجالس میں شریک ہونا بھی جائز نہیں۔ان کے یہاں کا کھانا اگر پاک اور حلال چیز ہے تو جائز ہے، لیکن اس سے بھی بچنا چاہئے ،اس لئے کہ کھانے پینے سے محبت بڑھتی ہے، اور ایسوں سے محبت کرنا ناجائز ہے، نیز اگر وہ ضروریات دین کے منکر ہوں تو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا بھی حرام ہے۔(از: فتاوی رشیدیہ ص ۱۴۷ ج ۳)

ج:۲/......ایسے ہی اپنے یہاں بھی ان کو بلانا شادی غمی میں ٹھیک نہیں کہ یہ ذریعہ بھی محبت بڑھانے کا ہے۔

ج:۳/......کفار کے مردہ کے ہمراہ جانا ناجائز ہے، ہرگز نہ جاؤ۔

احمد غفرلہ

اپنے شہر کی بندرگاہ میں قیام کرنے والے پر نماز قصر ہے یا نہیں؟

س:۱/......رنگون میں مقیم لوگ دریا میں بندرگاہ کے اوپر جہازوں میں دریا صاف کرنے کا کام کرتے ہیں، دریا ہی میں رہتے ہیں، کہیں آتے جاتے نہیں، یہ قصر نماز پڑھیں یا پوری؟

س:۲/......گھاٹ پر بندھی ہوئی کشتی میں جو لوگ نوکر ہیں، وہ کہیں آتے جاتے نہیں، وہ قصر پڑھیں یا پوری؟

س:۳/...... جہازوں پر دوسرے کے تابعدار ہو کر ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کرنے والے نوکر اپنی عمر اسی میں گزار دیتے ہیں، کہیں ان کا آنا جانا نہیں ہوتا، جہاز میں ہر طرح ان کی زندگی کا سامان مہیا رہتا ہے، ایسے لوگ قصر پڑھیں یا پوری نماز پڑھیں؟

ج:۱/......پہلی اور دوسری صورت میں وہ لوگ مقیم ہیں پوری نماز پڑھیں گے، کیونکہ وہ کسی شہر مثلاً رنگون وغیرہ میں بغرض ملازمت گئے اور وہاں پندرہ دن یا زیادہ کی اقامت کی نیت کرلی، اور ایسے جہازوں میں نوکری کرلی جو کہیں سفر نہیں کرتے تو وہ مسافر نہیں ہوئے، لہذا پوری نماز پڑھیں گے۔

اور تیسری صورت میں وہ مسافر ہیں قصر کریں گے، درمختار ص۵۸۱ ج۱/ میں ہے:

حتی یدخل موضع مقامه ، الخ ، أوینوی اقامة نصف شهر بموضع واحد صالح لها من مصر أو قرية ، الخ۔

فیقصر ان نوی الاقامة فی اقل منه أی من نصف شهر أونوی فيه لکن فی غیر صالح کبحر وجزیرة ، الخ ، أولم یکن مستقلاً برائه عطف علی قوله ان نوی اقل منه وصورته نوی التابع الاقامة ولم ینوها المتبوع أولم یدرحال فانه لایتم ، الخ ۔

احمد سملکی

صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

س:......کسی نے اپنی عورت کو کہا تو فلاں کے گھر جاوے گی تو تجھ کو طلاق ہے، اب وہ شخص یعنی اس عورت کا خاوند مر گیا، لڑکے وغیرہ زندہ ہیں تو اب اگر وہ عورت اس گھر میں جاوے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

ج:......صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہ ہوگی، اگر وہ عورت اس مکان میں جاوے تو جاسکتی ہے: ''لو مات ملک الدار فدخل لا یحنث لانتقالها للورثة۔فقط:

(شامی: جلد۳ص ۱۲۸)

رجوع کے بعد دو طلاق دیں تو اگلی ایک محسوب ہوگی یا نہیں؟

س:......ایک شخص نے اپنی عورت کو ایک طلاق دیدی اور عدت ہی میں رجعت کر لی، پھر دو چار برس بعد دو طلاقیں اور دیں' اب وہ بائنہ ہوگئی یا نہیں؟ اور بلا تحلیل کے زوج اول اس کو نکاح میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

ج:......اس صورت میں اس عورت کو تین طلاق پڑ گئیں، اب بدون حلالہ کے زوج اول اس کو نکاح میں نہیں لاسکتا۔

قال اللّٰہ تعالی :﴿ الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان ﴾ وقال :﴿ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره﴾ قال البیضاوی : وقوله فان طلقها متعلق بقوله الطلاق مرتان تفسیر لقوله اوتسریح باحسان اعتراض بینهما ذکر الخلع ، الخ ، قال والمعنی فان طلقها بعد اثنتین فلا تحل من ای من بعد ذلک الطلاق حتی تنکح زوجاً غیره وینکح بمادون الثلث فی العدة وبعدها بالاجماع لاینکح مطلقة بها ای بالثلث لوحرة وثنتین لوامة حتی یطاها غیره بنکاح

وقضی عدته ای الثانی۔ (شامی: ص۸۲۸ ج۲) حررہ احمد سملکی

یہ چند فتاوی بمصداق ’’مشتے نمونہ ازخروارے‘‘ جو میرے پاس تھے، نظر ناظرین کردیئے۔ ضرورت ہے کہ حضرت مولانا بزرگ کے فتاوی کو مرتب کرکے شائع کیا جائے، حضرت مولانا کے اہل خاندان کو اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ [۱]

مولانا اور علم تعبیر

علم تعبیر نہایت افضل علم ہے، اس کی افضلیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حق تعالی نے اس علم کو اپنے انعامات میں شمار فرمایا ہے:

﴿وکذلک مکّنا لیوسف فی الارض و لنعلمه من تاویل الاحادیث﴾

ترجمہ: ......اور ہم نے اسی طرح یوسف (علیہ السلام) کو اس سرزمین (مصر) میں خوب قوت دی اور تاکہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر دینا بتلادیں۔ (پارہ۱۲/سورہ یوسف، آیت نمبر:۲۱)

حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ خواب کی تعبیر کا علم حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک علمی معجزہ تھا۔ اور یہ بدیہی بات ہے کہ جو چیز پیغمبر کا معجزہ ہو وہ یقیناً افضل واعلی ہوا کرتی ہے۔ (تعبیر الرؤیا: ص۱۵)

علم تعبیر کے لئے بڑی صلاحیت وقابلیت درکار ہے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ علم تعبیر کے لئے:

۱:......علم تفسیر۔

---

[۱]......رفیق محترم مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ نے حضرت کے فتاوی ترتیب وتحقیق کے ساتھ ’’فتاوی احمد‘‘ کے نام سے مرتب کرکے شائع کئے ہیں، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ راقم کی مرتب زید مجدہ سے کی درخواست ہے کہ کتاب کے نام ’’فتاوی احمد‘‘ میں تبدیلی پر غور فرمائیں۔

۲:......علم حدیث۔

۳:......علم ضرب الامثال۔

۴:......اشعار عرب۔

۵:......نوادر۔

۶:......علم اشتقاق۔

۷:......علم لغات۔

۸:......علم الفاظ متداولہ۔ان علوم کا جاننا نہایت ضروری ہے۔(حوالہ بالا:ص۱۴)

حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اولیاء کرام وعلماء عظام کو علم تعبیر میں بھی دیگر علوم دینیہ کی طرح فہم وذکاوت کا وافر حصہ عطا فرمایا' اور حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (م:۱۱۰ھ) تو علم تعبیر میں یگانہ روزگار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ کو فن تعبیر کے ساتھ خصوصی مناسبت عطا فرمائی تھی۔مولانا مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''تعبیر رؤیا میں اللہ نے ایک خاص ملکہ نصیب فرمایا تھا، اکثر تعبیر بہت صادق اور صحیح نکلتی تھی،حضور ﷺ کے جسد اطہر کے اٹھانے کے خواب (جس کا تذکرہ ص۱۰۹/پر ہوا ہے) کی تعبیر علوم نبویہ کے حاملین کے تشریف لانے کے بعد یہ فرماتے تھے کہ مولانا احمد حسن صاحب کے معنوی مکان (مدرسہ) میں میری امداد سے علوم نبویہ کے حاملین بلائے گئے۔تعبیر گویا حضرت یوسف علی نبینا صلوات اللہ علیہم کے الفاظ: ﴿هذا تاويل رویای من قبل قدجلعها ربی حقا﴾ کا صحیح مصداق ہے۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند:ص۴۰/جمادی الثانی:۱۳۷۱ھ)

قیام لیل

بندہ جن اعمال سے حق تعالی کا قرب حاصل کرتا ہے' اور اس کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، ان اعمال میں قیام لیل و آہ سحر گاہی بہت ہی اہم عمل ہے۔ متعدد احادیث میں نبی کریم ﷺ نے تہجد کی ترغیب دی ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: علیکم بقیام اللیل ' فانہ داب الصالحین قبلکم ' وھو قربۃ لکم الی ربکم' ومکفرۃ للسیات ' ومنھاۃ عن الاثم۔ (روی الترمذی عن ابی امامۃ)

رات کا قیام اپنے اوپر ضروری سمجھو، کیونکہ یہ سلف صالحین کا شعار ہے' اور تمہارے لئے قربت خداوندی ہے' اور گناہوں کا کفارہ ہے' اور گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔

اولیاء کرام وعلماء عظام تہجد کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق ابوالجویریہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''میں چھ ماہ ان کے ساتھ رہا، اس مدت میں ایک رات بھی انہوں نے اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھا۔ ایسے بھی شروع میں امام صاحب کی عادت شریفہ نصف شب تہجد میں مشغولی کی تھی۔ بعد میں پوری رات اسی میں بسر فرماتے۔ بعض حضرات نے کہا کہ رات کے لئے آپ کا بستر ہی نہ تھا۔'' ویروی ان ما کان لہ فراش باللیل ''۔ (البصائر: ص ۴۱۹ ج ا)

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے بکثرت راتیں امام شافعی رحمہ اللہ کی معیت میں گزاریں' آپ بجز ذرا سی دیر کے رات بھر سوتے ہی نہ تھے، ان حضرات کا آرام آہ سحر گاہی میں ہوتا۔

عاشقاں را ایں بود آرام جاں — کہ رسانند آہ را تا آسماں
عاشق حق پیش حق اندر نماز — آخر شب میکند راز و نیاز
خلقہا در خواب چوں نائم شود — جان مضطر در سحر قائم شود

عاشقانِ حق کا آرام یہی جان کہ وہ اپنی آہ کو آسماں تک پہنچاتے ہیں۔
عاشقِ حق نمازِ تہجد کے اندر حق تعالیٰ کے سامنے آخرِ شب میں راز و نیاز کی مناجات کرتا ہے،
مخلوق جب کہ پڑی سوتی ہے عاشقوں کی جان مضطر پچھلے پہر اپنے رب کے سامنے قائم ہوتی ہے۔

مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ بھی انہیں عاشقین میں سے تھے جو ''تتجافی جنوبھم عن المضاجع'' کا عملی نمونہ تھے۔ بزرگوں کی صحبت کی برکت تھی کہ ذکر و شغل کے ساتھ تہجد کے نہایت پابند تھے۔ سفر میں بھی تہجد کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ تہجد کے بعد ذکر جہر کا معمول تھا، جو عمر بھر باقی رہا۔

سن رسیدگی میں حفظ قرآن

کبیر السن حضرات کا حفظ قرآن مجید اپنے اندر ندرت رکھتا ہے۔قوی کے انحطاط کے ساتھ حافظہ میں فتور آجاتا ہے، یادداشت قریب الختم ہوجاتی ہے، مگر تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات کو بڑی عمر میں اس نعمت سے نوازا ہے۔

مولانا معین الدین کڑوی نے درس وتدریس کی غیر معمولی مشغولی کے باوجود بڑی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ (تذکرہ علمائے ہند)

شیخ احمد فیاض قصبہ امیٹی کے ایک بزرگ تھے، ان کے متعلق لکھا ہے کہ حالت ضعف میں بستر پر لیٹے لیٹے ایک سال میں قرآن حفظ کرلیا۔ (منتخب التواریخ)

مولانا عبدالحئ صاحب، جو مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے پوتے تھے، انہوں نے پچاس سال کی عمر میں قرآن یاد کیا، اور فراغت کے بعد تراویح میں بھی سنایا۔
(نظام تعلیم وتربیت)

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے، بحری جہاز کا سفر تھا، رفقاء میں کوئی حافظ نہ تھا' تو روزانہ دن میں ایک پارہ حفظ فرماتے اور رات کو سنایا کرتے اس طرح پورا قرآن یاد کر کے سنا دیا۔

(سوانح قاسمی مرتبہ: مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی)

نوٹ:......صحیح یہ ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے دو سال میں بماہ رمضان قرآن حفظ فرمایا ''سوانح قاسمی'' میں خود حضرت کا مقولہ منقول ہے کہ: فقط دو سال رمضان میں' میں نے یاد کیا ہے، اور جب یاد کیا' پاؤ سیپارہ کی قدر یا کچھ اس سے زائد یاد کر لیا۔

(سوانح قاسمی ص ۱۹۴ ج ۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی سوانح قاسمی نے بھی کبرسنی میں یہ شرف حاصل فرمایا۔

مولانا سید حسین احمد مدنی نے بھی سن کہولت میں جزیرہ مالٹا میں قرآن مجید حفظ کیا۔

مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری مدظلہ کا یہ جملہ زبان زد عام و خاص ہے کہ ''لوگ بچپن کے حافظ ہیں میں پچپن کا حافظ ہوں''۔

مولانا احمد بزرگ صاحب کو بھی حق تعالیٰ نے کبرسنی میں اس دولت عظمیٰ سے نوازا۔ آپ نے بڑی عمر میں کئی سال کی محنت کے بعد حفظ کلام اللہ کی دولت حاصل کی'' من جد وجد''۔

حضرت سیدنا امام شافعی رحمہ اللہ کا شعر ہے:

الجد یدنی کل امر شاسع   والجد یفتح کل باب مغلق

انسان کوشش سے ہر مشکل کام کو انجام دے لیتا ہے، جس طرح بند دروازہ کوشش کے بعد کھل جاتا ہے۔

حج بیت اللہ

حق تعالیٰ نے مولانا کو تین مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی، جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کھال و بال کو آگ پر حرام کر دیتے ہیں جن کو تین حج نصیب ہوں۔ اس حدیث کو حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ (م: ۱۴۰۲ھ۱۹۸۲ء) نے ''فضائل حج'' میں ذکر فرمایا ہے۔ حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:

''شفاء قاضی عیاض میں ایک قصہ لکھا ہے کہ: ایک جماعت سعدون خولانی رحمہ اللہ کے پاس آئی اور ان سے یہ قصہ بیان کیا کہ قبیلۂ کتامہ کے لوگوں نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس کو آگ میں جلانا چاہا' رات بھر اس پر آگ جلاتے رہے' مگر آگ نے اس پر ذرا بھی اثر نہ کیا' بدن ویسا ہی سفید رہا۔ سعدون رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: شاید اس شہید نے تین حج کئے ہوں گے؟ لوگوں نے کہا کہ جی ہاں تین حج کئے ہیں، سعدون رحمہ اللہ نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس شخص نے ایک حج کیا' اس نے اپنا فریضہ ادا کیا' اور جس نے دوسرا حج کیا اس نے اللہ کو قرض دیا اور جو تین حج کرتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کی کھال کو اس کے بال کو آگ پر حرام کر دیتا ہے''۔ (فضائل حج: ص۱۴)

حضرت مولانا کے پہلے سفر حج کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔ دوسرا سفر حج ۱۳۶۸ھ میں ہوا' حج کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مدینہ سے واپسی پر غم فراق میں گریہ طاری ہوا تو خواب میں حضور اکرم ﷺ نے دوبارہ حاضری کی بشارت دی۔ مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ اس واقعہ کو تحریر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''تین حج نصیب ہوئے۔ فرماتے تھے کہ ۱۳۶۸ھ کے حج کے بعد زیارت روضۂ اقدس ﷺ سے جدائی کے بعد بہت گریہ طاری ہوا' اس کے بعد خواب میں حضور ﷺ

نے تسلی فرمائی کہ: ''احمد آئندہ سال بھی ہماری زیارت کروگے'' چنانچہ ۱۳۶۹ھ میں داعیہ شدید پیدا اور زیارت کا شرف حاصل ہوا' اور حج کے بعد روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔

اس سفر میں بہت کچھ فیوضات حضور ﷺ کی روحانیت مقدسہ سے نصیب ہوئے۔ یہ واقعات مرحوم نے اپنی خاص بیاض میں قلم بند کئے ہیں' جو راقم الحروف نے بھی بذات خود دیکھے ہیں۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جمادی الثانی:۱۳۷۱ھ)

مولانا مرغوب صاحب رحمہ اللہ کے اس مضمون سے مولانا بزرگ رحمہ اللہ کے تیسرے حج کی تفصیل بھی معلوم ہوگئی۔

وفات

آپ کی وفات وعلالت ونماز جنازہ کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی، وفات سے چند دنوں پہلے آپ نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ جوتیاں دِکھا رہے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ وقت سفر قریب ہے۔ اس واقعہ کے چند ہی دن بعد انتقال ہوگیا۔ مفتی مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ نے آپ کی وفات کے بعد ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے مختصر حالات تحریر فرما کر شائع فرمائے اس کی ابتداء مفتی صاحب نے اس شعر سے کی ۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

آپ کی وفات ۵/ربیع الاول ۱۳۷۱ھ سہ شنبہ وچہار شنبہ کی درمیانی شب میں ہوئی۔ سملک کے قبرستان میں آسودہ خواب ہیں، رحمة الله عليه رحمةً واسعةً ۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ تیرے در کی نگہبانی کرے

نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے پڑھائی۔

قصیدۂ وداعیہ

مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ مہتمم جامعہ کے سفر افریقہ پر روانگی کے وقت

از: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ استاذ جامعہ اسلامیہ

ما بال قلبک یستطیر غراما	۱	ما یستفیق صبابة وهیاما
ما یعتریه من بتاریح الجوی	۲	الا و زاد تولعا وضراما
ثابت له اشجانه و شجونه	۳	و دهاه احزان تکون غراما
و یطیعه عین ترقوق عبرة	۴	تذری بادمعها دما تسجاما
فکان عینی من معین ثرة	۵	ثرثاة تجری یکون لزاما
والمّ ما بی من وداع احبة	۶	حملوا مطیّهم تزم زماما
شدت رحالهم وعهدی بالحمی	۷	عهد قریب زورة و سلاما
رکبوا لامرما علی کتد السری	۸	هجروا له الاوطان ثم مقاما
جابوا القفار تولّعا وتشوقا	۹	جازوا البحار وودعوا الارحاما
فی صدرهم هِمم یحیط اقلها ال	۱۰	ازمان والایام والاعواما
و یهمه الدین المتین وان یری	۱۱	مرفوعة رایاتها وسناما
یحی معارف جمة من سعیه	۱۲	الوحی والآثار والا سلاما
دامت شمائلهم حیاة للوری	۱۳	هدیا وسمتا سنة ومقاما
مشمولة غداوتکم میمونة	۱۴	روحا تکم ابداً تفیض غماما
بورکت من غیث یفیض لامة	۱۵	خیرا وخیرا رشدة وقواما

ینطت مصالح امة بفیوضکم	۱۶	شکرت مساعیکم تجم جماما
فاللّٰہ یحییکم باطیب عیشة	۱۷	یجدی فلاحا للوری ونظاما
واللّٰہ یحییکم حمایة حافظ	۱۸	ویلم شعثا بعدکم وفصاما
وثینت ریطا ثم ابت مسالما	۱۹	مثل الغوادی فائزا غناما

۱:......اے دل تجھے کیا ہوا ہے کہ فریفتگی کی وجہ سے پراگندہ ہے' تجھے عشق ومحبت سے ہوش نہیں آرہا ہے۔

۲:......غم کی سوزشیں جتنی زیادہ لاحق ہوتی ہیں فریفتگی اور جلن بڑھتی جارہی ہے۔

۳:......اس کے غم واندوہ اندر تک پہنچ گئے ہیں' اور ایسے غم لاحق ہوئے ہیں جو موجب ہلاکت ہوتے ہیں۔

۴:......آنکھ بھی دل کی اطاعت میں آنسو بہا رہی ہے، آنسوؤں کے ساتھ خون بھی تیزی سے بہا رہی ہے۔

۵:......میری آنکھ اس گہرے چشمہ کی مانند ہے' جو برابر بہتا رہتا ہے۔

۶:......میرے اوپر دوستوں کی جدائی کی مصیبت آپڑی ہے' جنہوں نے سواری پر سامان لاد دیا ہے' جو پابرکاب ہے۔

۷:......ان کے کجاوے کسے جاچکے ہیں، اور میری ملاقات چراگاہ میں زیارت اسلام کے لحاظ سے قریبی ملاقات ہے۔

۸:......کسی اہم کام کے لئے رات کے سینہ پر سوار ہیں' اس کے لئے وطن واقامت کو خیر باد کہہ دیا ہے۔

۹:......میدانوں کو شوق وذوق سے طے کیا' سمندروں کو پار کیا' رشتہ داروں کو چھوڑا۔

۱۰:......ان کے سینوں میں ایسی ہمتیں ہیں، جن کا قلیل حصہ زمانہ دن اور سالوں کو گھیر سکتا ہے۔

۱۱:......اس کی فکر دینی ہے وہ دین کو بلند و بالا دیکھنا چاہتے ہیں۔

۱۲:......اپنی کوشش سے بہت سے معارف اسلامیہ و دینیہ کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔

۱۳:......ان کے خصائل ہمیشہ مخلوق کے لئے حیات سیرت اور سنت کا مقام حاصل کرتے رہے ہیں۔

۱۴:......تمہارے صبح کے نکلنے میں برکت ہو اور شام کا نکلنا ہمیشہ بارش برسائے۔

۱۵:......اے بدلی! تیرے اوپر برکت ہو اس لئے کہ تو ہمیشہ خیر اور بھلائی برساتی ہے۔

۱۶:......آپ کے فیوض سے امت کی مصلحتیں متلعق ہوں، آپ کی مساعی خوب بار آور ہوں۔

۱۷:......اللہ تعالی آپ کو عمدہ زندگی عطا فرمائے، جو مخلوق کے لئے نفع بخش ثابت ہو۔

۱۸:......اللہ تعالی آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کے بعد پراگندگی اور شکستگی کی اصلاح فرمائے۔

۱۹:......آپ صحت و سلامتی کے ساتھ بامراد اور کامیاب واپس ہوں۔

(تاریخ جامعہ: ص ۳۹۸)

قصیدۂ وداعیہ

از: جناب مولانا حکیم قاری محمد یامین صاحب سہارنپوی رحمہ اللہ

مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

یا قاصد السفر البعید تلفت	۱	اکبادنا من بینکم بتفتت
کیف اصطبار للقلوب ببعدکم	۲	من للجماعة تضمحل بفرقة
اجفاننا تهمی کغیث هامر	۳	وتهیج نار صبابة من لوعة
اللّٰه بارک فی مساعیک العلی	۴	ومنی بها تبغی لداه بقربة
وعزائم للدین قد صممتها	۵	ومقاصد میمونة للملة
ومأرب تدعو لترحال لکم	۶	صغرت باعیننا وان هی جلت
ومواهب تنهل من برکاتها	۷	سحب لجامعة تدوم کدیمة
دار العلوم منارها ومدارها	۸	بضیائها ضاء ت لوامع سنة
فاللّٰه یظفر سیدی اسفارکم	۹	هذی علی رغم العدی بلبانة
ندعو لکم کالمخلصین بدعوة	۱۰	یرجی لها بقبولها واجابة
العود احمد قد اتی لکنکم	۱۱	حمدتم فی ظعنکم واقامة
جوزیتم من خیر جاز سیدی	۱۲	خیر الذی یجزی الهداة لامة
ویزید حسناکم لاجمل برکم	۱۳	ویطیب مغناکم لافضل طاعة
فاللّٰه خیر حافظا لک ناصراً	۱۴	رح سالما عد غانما بسلامة
یحمیک ربک من مکاره کلها	۱۵	دوما ومن غیر الزمان ملمة

بالخير يجمع بيننا بعد النوى ۱۶ فتقرا عيننا كاول مرة

ثم الصلوة على النبى محمد ۱۷ والآل والاصحاب خير برية

ما دام يشكر سعى عبد صالح ۱۸ متهلل مع فكره المتشتت

۱:......اے سفر بعید کا قصد کرنے والے ہماری طرف نظر التفات فرما کہ ہمارے جگر آپ کی جدائی سے پاش پاش ہیں۔

۲:......آپ کی جدائی سے ہمارے دلوں کو کیونکر صبر حاصل ہوگا' کون اس جماعت کا کفیل ہے؟ جو آپ کی فرقت سے بے چین ہے۔

۳:......ہماری آنکھیں بدلی کی طرح اشکبار ہیں' اور شدت حزن کی وجہ سے آتش محبت برانگیختہ ہے۔

۴:......اللہ تعالیٰ آپ کی بلند کوششوں میں برکت دے' اور وہ آرزوئیں پوری ہوں' جو موجب قربت ہیں۔

۵:......آپ کے دینی عزائم اور مبارک ملت کے مبارک مقاصد بھی پورے ہوں' جن کا آپ نے ارادہ کیا ہے۔

۶:......اور وہ ضرورتیں بھی' جو اس طویل سفر کا باعث بنی ہیں' ہماری نگاہوں میں معمولی ہیں لیکن واقع میں بڑی ہیں۔

۷:......اس سفر کی برکات جامعہ پر نہ رکنے والی بارش کی طرح ہمیشہ برستی رہیں۔

۸:......جامعہ اسلامیہ علوم کا مرکز ومدار ہے' اس کی روشنی سے سنت کے انوار دنیا میں پھیلے۔

۹:......اللہ تعالیٰ آپ کے اس سفر کو دشمنوں کے علی الرغم کامیابی سے ہمکنار کرے۔

۱۰:......ہم آپ کے لئے صدق دل سے دعا کرتے ہیں' جس کی قبولیت کی بارگاہ ایزدی

سے امید ہے۔
۱۱:......العود ''احمد'' امثال میں آیا ہے، لیکن آپ تو سفر وحضر دونوں میں (احمد) بہت قابل تعریف ہیں۔
۱۲:......آپ کو اللہ تعالی کسی امت کے ہادی سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔
۱۳:......اور آپ کو اللہ تعالی نیک خدمت اور افضل طاعت کے صلہ میں مزید عنایات سے نوازے۔
۱۴:......آپ جائیں، اللہ تعالی آپ کے محافظ اور ناصر ہیں، سلامت جا کر بامراد واپس ہوں۔
۱۵:...... پروردگار ہر قسم کی تکالیف سے آپ کو محفوظ رکھے، اور ہر قسم کے حوادث دہر سے۔
۱۶:......جدائی کے بعد خیریت کے ساتھ جمع فرمائے تا کہ ہماری آنکھیں دوبارہ حسب سابق ٹھنڈی ہوں۔
۱۷:......پھر درود وسلام ہو نبی ﷺ اور آپ کے آل واصحاب پر، جو بہترین مخلوق ہیں۔
۱۸:...... جب تک کسی صالح بندے کی کوشش اس کی منتشر فکروں کے ساتھ ہر طرح مشکور ہو۔ (تاریخ جامعہ:ص ۴۰۰)

قصیدۂ وداعیہ

از: جناب مولانا حبیب اللہ صاحب

استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

ایکہ افریقہ ملاذا می روی سخت غم گینیم کزما می روی
کن معطر ملک افریقہ ز خویش اے کہ مثل مشک سارا می روی
نور بخش عالم تیرہ بشو بادلے چوں ماہپارہ می روی
اے کہ اخلاص و تقارا پیکرے با خلوص روح افزا می روی
چہ دیانت چہ امانت چہ علوم فرد ہستی کہ یگانا می روی
در تواضع سرفگندہ بینمت در مراتب بالا بالا می روی
تو کجاؤ پائے گاہ تو کجا در ثری و بر ثریا می روی
کس نمی داند علاج درد دل تو مگر بہر مداوا می روی
تاکنی سیراب ایں باغ رسول بہر نہرے سوئے دریا می روی
تا بماند جامعہ مثلث بزرگ خوش بزرگی را بزرگاں می روی
مطمئن تا کہ کنی یک خلق را مضطرب چوں قلب شیدا می روی
قیمت خود را در آنجا کم مکن پر بہا لؤلؤے لالا می روی
تا توانی گوہر قابل گزیں در زمین سنگ خارا می روی
حج نویسندت کہ بہر مدرسہ نے غلط گفتم خدارا می روی
ہمچوں گل خنداں شگفتہ باز آ دل گرفتہ غنچہ آسا می روی

دامن امید پر کردہ بیار	باغم دیں پر تمنا می روی
بادہ پیمایاں از آنجا بازآ	بادیہ پیمایا زیں جا می روی
از صعوبات سفر بے فکر باش	در امان حفظ مولا می روی
ہمت صاحب دلانست ہمرکاب	با دعاہا با ثناہا می روی
کاروان دیدہ ودل ہمراہ است	آشکارا گر چہ تنہا می روی
اے کہ لطف مرہم قلب حبیب	چوں دلم را کردہ پارا می روی

(تاریخ جامعہ:ص۴۰۱)

....

مہتمم جامعہ مولانا احمد بزرگ کے سفر افریقہ سے واپسی کے موقع پر ہدیہ
از جناب مولانا محمد یوسف کاملپوری، رکن مجلس علمی ڈابھیل

یا نجوم افلاک السماء عوالی	۱	کالوشی فی حبک السماء العالی
تزھو بدیباج ارق و سندس	۲	منظومة منثورة کلآلی
یا انجما زین السماء ادیمها	۳	وعلائم و مشاعل برمال
تھدی فئاما فی البحار تورطوا	۴	وحیاتھم قد آذنت بزوال
لیل و بحر ھائج فی عاصف	۵	ظلم ثلاث اسدلت بتوالی
ما انت اھدی من نجوم اشرقت	۶	فینا علی مر الزمان الخالی
فشموسنا و شموسکم و بدورنا	۷	و بدورکم لیست من الامثال
کالانبیاء والاولیاء فانھم	۸	نخب الانام علی سماء معال
لھم النفوس الزاکیات الشامخات	۹	الصابرات بمازق الابطال

یرجونه فی کل خطب مفظع ۱۰ یخشونه فی کل حال حال
یاتون ما یاتونه من امرهم ۱۱ للّٰه محتسبین عند مآل
کالشیخ مولانا المبجل احمد ۱۲ ربط الجنان بحومة الاهوال
ماضی الغریمة کالحسام الصارم ۱۳ حکت بهمته السماء العال
رب الفراسة لا تسل عن نورها ۱۴ هی سهم غیب راشق بنبال
قد غربل العلماء من اعیاننا ۱۵ کالشیخ انور هاطل الهطال
والشیخ شارح مسلم علم التقی ۱۶ سباق مضمار العلی و مجال
شمسان او بحران حین تلاطما ۱۷ حکیا علوم اولئک الاجبال
یا حافظی علم النبی محمد ۱۸ ما انتم و سواکم بمثال
جمعت مساعیه الاکارم کلهم ۱۹ یحیون ما درست من الاطلال
شکرت مساعیک الجمیلة فی الوری ۲۰ جادت کجود غمائم بسجال
جددت اعلام الهدی اذا قفرت ۲۱ فالنور منبلج علی الآصال
و رکبت فی لجج البحار بعزمة ۲۲ ابدا تشد رحالها بحبال
وترکت اولادا صغاراً صبیة ۲۳ فلذ القلوب و سلوة للسال
فرضا الاله یحل حیث یحله ۲۴ یا منبغی رضوانه و نوال
وتروم احیاء المأثر کلها ۲۵ حلا و مرتحلا و لست تبال
للّٰه درحین شبت بهمة ۲۶ شبت شبابا ترتقی و تعال
فرجعت بالفوز الکبیر الی ذراک ۲۷ و کل شئی راجع للحال
هذا هو المجد المنیع و دونه ۲۸ ضرب الصوارم او قراع عوال

المجد یشبه اصطیاد ضراغم	۲۹	لیست بسهل کاقتناص غزال
اعتامک الرب الجلیل مجددا	۳۰	للدین تحمیه عن الجهال
یا غیث غوث المسلمین وغوثهم	۳۱	تحمیهم کاللیث للاشبال
علمت بالجهد الجهید مصابة	۳۲	کانوا عطاشا فارتووا بکمال
و افضت بالفیض الغزیر ایادیا	۳۳	جادت کما جادت غمام ثقال
یا ملجأ المسترشدین و حصنهم	۳۴	و ملاذ طلاب العلوم ثمال
انت المحکک کالجذیل مرجبا	۳۵	مثل العذیق و موئل لموال
جوزیت فی الدنیا ثناءا خالدا	۳۶	یتلی و یزبر دائما بتوال
جوزیت فی العقبی جزیل مثوبة	۳۷	جنات عدن مائها کزلال
تثنی علیکم السن و مباسم	۳۸	تبلی و لا یبلی علی الاحوال

نوٹ:......شعر نمبر۲۶ ؍ ’’درحین‘‘ مگر صحیح ’’درک‘‘ ہونا چاہئے۔

ا:......اے آسمان کے بلند ستارے اور بلند جالی دار آسمان کے نقش ونگار۔

۲:......تو اپنے رنگین اطلس و دیباج پر فخر کرتا ہے اس حال میں کہ موتیوں کی طرح کچھ مجتمع اور کچھ بکھرا ہوا ہے۔

۳:......اے ادیم سماء کے زینت دینے والے ستارے اور بیابان وریگستان کے علامات اور چراغ۔

۴:......تو اس جماعت کا رہنما ہے، جو طوفان میں پھنس گئی ہو اور ان کی زندگی معرض خطر میں ہے۔

۵:......ایک طرف شب تاریک ہو اور سمندر طوفان خیز، موجوں کی تاریکیاں یکے بعد

دیگرے سب اکٹھی ہوگئی ہوں۔

۶:......مگر تو رہنمائی میں ان ستاروں کا مقابلہ کیا کر سکتا ہے' جو ہم انسانوں پر ہمیشہ سے طلوع ہوتے رہے ہیں۔

۷:......ہمارے آفتاب و ماہتاب اور تمہارے آفتاب ومہتاب بھلا کب برابر ہو سکتے ہیں۔

۸:......ہمارے آفتاب تو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہیں' جو برگزیدہ مخلوقات آسمان کی بلندیوں پر جاگزیں ہیں۔

۹:......ان کے نفوس پاکیزہ بلند ہمت اور سختیوں میں صبر کرنے والے ہیں۔

۱۰:......ہر مشکل و مہم میں اللہ سے امید رکھتے ہیں' اور ہر حال میں اسی سے ڈرتے ہیں۔

۱۱:......جو کام بھی کرتے ہیں' حسبۃً للہ' اور ثواب آخرت کے لئے کرتے ہیں۔

۱۲:......مولانا المعظم احمد بزرگ انہیں کے ایک فرد ہیں' جو شدائد احوال میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

۱۳:......شمسیر براں کی طرح اپنے ارادہ کو پورا کرنے والے ہیں، ان کی بلند ہمت' آسمان کی سی بلندی رکھتی ہے۔

۱۴:......ان کے نور فراست کی نسبت نہ پوچھ' ان کی فراست تیر کی طرح چیرتی جاتی ہے۔

۱۵:......انہوں نے اکابر علماء کو جامعہ کے لئے چھانٹ لیا ہے جیسے انور شاہ صاحب جو بارش کی طرح برستے تھے۔

۱۶:......اور مولانا شبیر احمد عثمانی شارح مسلم' جو بلندی کے میدان کے شہسوار ہیں۔

۱۷:......یہ دونوں حضرات آفتاب کی طرح روشن' اور سمندر کی طرح مواج' قدیم جبالِ علم کے مشابہ ہیں۔

۱۸:......اے دین نبی کی حفاظت کرنے والو! آپ اور دوسرے لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔
۱۹:......مہتمم صاحب کی مساعی نے ان تمام اکابر کو جمع کرلیا ہے' جو پرانے علمی نشانات کو زندہ کررہے ہیں۔
۲۰:......آپ کی مساعی جمیلہ لوگوں میں مقبول ہیں' اور برسنے والے بادلوں کی طرح برستی ہیں۔
۲۱:......آپ نے ہدایت کی بوسیدہ نشانات کی تجدید کی' اسی لئے تاریکی میں روشنی دکھائی دیتی ہے۔
۲۲:......آپ دریا کی موجوں میں ایسی ہمت سے سوار ہوئے' جو ہمیشہ سفر کرنے کی عادی ہے۔
۲۳:......اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو پیچھے چھوڑ گئے' جو لخت جگر اور باعث تسلی تھے۔
۲۴:......اے خدا کی رضامندی اور بخشش کے طلب گار! جہاں آپ اترے' وہاں اللہ کی رضا بھی اترے۔
۲۵:......اور آپ سفر و حضر میں مآثر قدیمہ کے زندہ کرنے کے مساعی ہیں' اور کسی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔
۲۶:......آپ کی ہمت قابل تعریف ہے' جو بڑھاپے میں جوان ہو رہی ہے۔
۲۷:......آپ سفر افریقہ سے کامیاب اپنے گھر کو واپس ہوئے' اور آخر ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔
۲۸:...... یہ بلند درجہ کی بزرگی ہے جس کے لئے شمسیروں اور نیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
۲۹:...... بزرگی شیروں کے شکار کی طرح مشکل ہے' ہرنوں کے پھانسنے کی طرح آسان

نہیں۔

۳۰:......رب جلیل نے آپ کو تجدید دین کے لئے منتخب کیا ہے‘ تا کہ آپ جاہلوں کی تحریف سے دین کو بچائیں۔

۳۱:......اے مسلمانوں کے لئے بادل اور فریادرس! تو ان کی حفاظت کرتا ہے‘ جیسے شیر اپنے بچوں کی۔

۳۲:......آپ نے انتھک کوششوں سے ایسے لوگوں کو تعلیم دی جو پیاسے تھے‘ اور خوب سیراب ہوئے۔

۳۳:......اور آپ کے فیض کثیر نے ایسی نعمتیں برسائیں‘ جو بھاری بادلوں کی طرح برستی ہیں۔

۳۴:......اے طالبانِ ہدایت کے ملجاو ماوی اور طالب علموں کے لئے توشہ اور جائے پناہ!

۳۵:......آپ ہر مشکل و مہم میں لوگوں کے لئے جائے پناہ اور آسرا ہیں۔

۳٦:......آپ دنیا میں دائمی ثناء کے مستحق ہیں‘ جو ہمیشہ لکھی پڑھی جائے۔

۳۷:......آخرت میں آپ کو حق تعالی بڑا بدلہ عطا فرمائے‘ اور جنات عدن نصیب کرے جن کا پانی صاف اور شیریں ہے۔

۳۸:......خلق خدا کی زبانیں آپ کی مداح ہیں‘ ہمیشہ ہمیش کے لئے وہ تعریف تازہ رہے گی۔ (تاریخ جامعہ ص ۴۰۵)

تهنئة القدوم

لريئسنا العلام الامجد الذى هو كاسمه احمد ناظم الجامعة الاسلامية بدابيل

حين رجع من سفر الافريقه مع العافية و السلامة

از: مولانا قاری محمد یامین صاحب مدرس جامعہ ہذا

حـان التهـانى للرئيس الامجد ۱ اذ عـاد غـنّاماً بنجح المقصد

مـا للفؤاد اذا اعتراه من النوى ۲ صبر و لكن ليس امسى كالغد

يــا حبــذا بــلـقـــائـه و زواره ۳ فـزنـا كـمثـل الزائر المتزود

فتبـارک اللّٰــه الذى هو رافع ۴ لـمـنازل العلماء رغم الحسد

حزب الالٰه بنـصره قد أيّدوا ۵ و بـأيـده بيـن الـرخــام العُنَّد

و وجـاهة مـنـحـت لكل احبة ۶ و نباهة و هبـت لـكـل موحد

عـلـمـاء مـلتنـا اقاموا حجة ۷ وهـدوا طريقا للغوى الملحد

هـذا مـن اللّٰــه العـزيز محتَّم ۸ ابـدا عـليهم اذ دعوا للمشهد

نهـضـوا لارشــاد و بث هداية ۹ و لدرس نكر باللسان و باليد

و بـلاغ احـكــام الشـريعة امة ۱۰ يُهدى سعيد ثم كم لايهتدى

وهم مصابيح الدجى فى عصرهم ۱۱ ما ضرهم خلف الالدّ المعتدى

و بهـم انـار اللّٰه برهان الهدى ۱۲ لـلـقـلـب داج مــا رد متمرد

عدتم فعاد لنا الحیوة و عیشنا ۱۳ و دنا زمان مبشرا بالموعد
شکرا لربٍّ سیدی فغیابکم ۱۴ قد صار مسعودا بعود احمد
ثمراته میمونة برکاته ۱۵ مقرونة باللطف من مولی الندی
قمنا نهنّی اذ سمعنا نبأکم ۱۶ مستبشرین بفضله المترصد
جم الحبور لنا و عمّ سرورنا ۱۷ من بعد عیش بالنوی متنکد
اولیتم مأمولکم و رجعتم ۱۸ بمواهب کالناجح المتأیّد
قاسیتم جهدا بلیغا مثمراً ۱۹ لبقاء جامعة بقاء مؤبد
طوبی لمن یبنی الرشاد مؤسّسا ۲۰ بشری لمن ابقاه خیر مشید
یا احمدان ! جزاکما مولی الوری ۲۱ بجمیل جدّ منکما مستسعد
و اولی عطیات لدار علومهم ۲۲ ممن یعدّ رضاه خیر تزوّد
یدعو لهم کل البلاد و اهلها ۲۳ یدعی لهم فی کل ارض جلجد
و منابر فیها و کل مساجد ۲۴ و رجالها من رکّع او سجّد
لازلتم فی العیش عیش ناعم ۲۵ دوما و فی لطف الاله مزیّد
و بانعُمٍ للّٰه تهمی هُمّلاً ۲۶ بالخیر و البرکات غیر منفد
حاشا مدیحی باحترامک واجباً ۲۷ لاسیما اذ لم اکن بمجوّد
فصلاتنا ثم السلام علی امین ۲۸ اللّٰه ختم الانبیاء محمد
و علی احبته و صالح اخوة ۲۹ ما هیج الاشواق صدح مغرد

ا:......وقت آ گیا ہے کہ ہم رئیس جامعہ کو کامیاب سفر افریقہ سے واپسی پر ہدیہ تہنیت پیش کریں۔

۲:......جب موصوف تشریف لے گئے' دل سے صبر رخصت ہو گیا تھا' لیکن آج غم خوشی سے بدلا ہوا ہے' ہر دن یکساں نہیں رہتا۔

۳:......الحمد للہ آج ہم ان ملاقات اور زیارت سے مشرف ہوئے' اس شخص کی طرح جو زیارت کو سرمایۂ سعادت سمجھتا ہو۔

۴:......بابرکت ہے خداوند عالم کی ذات' جس نے علماء حقہ کے مراتب' بدخواہوں کی خواہش کے خلاف بلند فرمائے۔

۵:......یہ اللہ کی جماعت ہے' جو ہمیشہ گروہ دشمناں میں اس کی حمایت ونصرت کے ساتھ مؤید ہے۔

۶:......اور ایسی وجاہت سے تائید کی گئی' جو محبوبان خدا کو دی جاتی ہے' اور ایسی عزت سے جو اصحاب توحید کو عطا ہوتی ہے۔

۷:......علماء ملت اسلام نے گمراہوں کے لئے حجت قائم کر دی' اور ملحدین کو ہر زمانہ میں صحیح راستہ کی رہنمائی کی۔

۸:......یہ اللہ کی طرف سے ان پر فرض کیا گیا ہے' جب کہ وہ کسی مجلس میں بلائے جائیں۔

۹:......وہ ارشاد وہدایت کے لئے اٹھے' اور ہاتھ اور زبان سے منکرات کو مٹایا۔

۱۰:......اور احکام شریعت امت تک پہنچائے' اہل سعادت نے ہدایت پائی' اور بہت سے بدبخت محروم ہے۔

۱۱:......اور وہ اپنے زمانہ میں تاریکیوں کے روشن چراغ ہیں' ان کو کبھی حد سے بڑھنے والے مخالف کا اختلاف مضر نہیں ہوا۔

۱۲:......اور انہی کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے برہان ہدایت' تاریک دل متمرد وسرکش کے

لئے واضح فرمایا۔

۱۳:......آپ کی بعافیت واپسی سے گویا ہماری زندگی لوٹ آئی‘ اور مژدۂ لقاء کا زمانہ قریب ہوا۔

۱۴:......شکر خدا ہے کہ ’’عوداحمد‘‘ کے ساتھ آپ کی چندروزہ غیوبت ہمارے لئے مسعود ومیمون ثابت ہوئی۔

۱۵:......آپ کے اس سفر کے ثمرات مبارک ہیں‘ منعم حقیقی کے بے پایاں الطاف کے ساتھ مقرون ہیں۔

۱۶:......ہم آمادۂ تہنیت ہوئے‘ جب ہم نے یہ مژدہ جانفزا سنا‘ اللہ تعالی کے انعام منتظر سے خوش ہوکر۔

۱۷:...... ہمارا سرور وابتہاج‘ آپ کی تشریف سے بڑھ گیا‘ ورنہ فراق سے زندگی تلخ ومکدر ہو چکی تھی۔

۱۸:......آپ کامیاب افریقہ سے واپس ہوئے‘ اور بحمدہ تعالی تائید الہی سے پوری کامیابی حاصل ہوئی۔

۱۹:......آپ نے جامعہ کے بقاء دوام کے لئے طرح طرح کی تکالیف شاقہ برداشت کیں،

۲۰:......مبارک تھا وہ شخص‘ جس نے اس بیت رشاد کی تاسیس کی‘ اور خوش قسمت ہے‘ وہ جس نے اس کو مستحکم اور مضبوط کیا۔

۲۱:......اے دونوں احمد! تم کو خدائے تعالی ان مبارک ومسعود کوششوں کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

۲۲:......اور ان اہل خیر حضرات کو بھی جنہوں نے اپنے دارالعلوم کے لئے رضا الہی کو توشۂ

آخرت سمجھتے ہوئے چندہ عطا فرمایا۔
۲۳:......ان تمام حضرات کے لئے تمام بلاد اور ان کے باشندے دعا کرتے ہیں' ہر جگہ ان کے لئے دعا ہوتی ہے۔
۲۴:......وہاں کے تمام منابر و مساجد اور وہاں کے تمام عبادت کرنے والے' دعا کرتے ہیں۔
۲۵:......آپ برابر راحت و چین کی زندگی بسر کریں' اور اللہ تعالیٰ کی الطاف بے پایاں آپ کو میسر ہوں۔
۲۶:......اور حق تعالیٰ کے انعامات' خیرات و برکات کے ساتھ ہمیشہ زور سے برسنے والی بدلی کی طرح آپ پر برستے رہیں۔
۲۷:......حضرت والا! میرے یہ کلمات مدح آپ کے احترام واجب کو پورا کرنے سے قاصر ہیں' خصوصاً جب کہ میں عمدہ گو نہیں ہوں۔
۲۸:......صلوۃ و سلام ہماری طرف سے نازل ہو اللہ کے امین خاتم الانبیاء محمد ﷺ پر۔
۲۹:......اور آپ کے احباب و صلحاء امت پر' جب تک خوش الحان پرندوں کی نواسنجی شوق کو ابھارتی رہے۔ (تاریخ جامعہ از ص ۴۰۶ تا ۴۰۹)

خیر مقدم

برقدوم میمنت لزوم حضرت مولانا مولوی حافظ احمد بزرگ صاحب رحمہ اللہ مہتمم جامعہ اسلامیہ

از: جناب مولانا حبیب اللہ صاحب' مدرس جامعہ

بوئے خوش از بوستان آید ہمی ۔۔۔ انبساط جسم و جاں آید ہمی
خندہ شوائے گل خرام اے سروناز ۔۔۔ رحمتِ حق ز آسماں آید ہمی
بہر باغ و کشت ما ابر بہار ۔۔۔ با بہار بے خزاں آید ہمی
دامن آگندہ ز گلہائے مراد ۔۔۔ باغبانم گل فشاں آید ہمی
آسمان سملک و دابیل را ۔۔۔ آفتاب ضوفشاں آید ہمی
نازش صد خطۂ گجرات را ۔۔۔ مُفخر گجراتیاں آید ہمی
مرحبا سملک کہ در آغوش تو ۔۔۔ ماہے فخر آسماں آید ہمی
رہنمائے رہروِ راہِ جنان ۔۔۔ قدسئے از قدسیاں آید ہمی
عالم و زاہد تقی و پارسا ۔۔۔ علم دیں را پاسباں آید ہمی
جا پناہ خلق و خود خلوت گزیں ۔۔۔ خوش مکینے در مکاں آید ہمی
درد مند قوم و چارہ جوئے ملک ۔۔۔ مشفق و راحت رساں آید ہمی
بحر علم دیں نگر آید ز بحر ۔۔۔ بے کراں بر کرانے آید ہمی
بر درش ہستند مہمان رسول ۔۔۔ میہماں را میزباں آید ہمی
شادباش اے گلستان جامعہ ۔۔۔ باغبان مہرباں آید ہمی

طالبان و عالمان را مامنے — مرجع خورد و کلاں آید ہمی
سالکے بر مسلک حضرات چشت — عارف سرّ نہاں آید ہمی
اے سراپا مکرمت بر مقدمت — مرحبائے بر زباں آید ہمی
مرحبا آید فرید روزگار — حبذا فخر زماں آید ہمی
صاحب علم و عمل احمد بزرگ — سرگروہ عالماں آید ہمی
از وجودت اے گلِ خوبیِ ما — گلستاں در گلستاں آید ہمی
بر فرات علم تو اے علم داں — کارواں بر کارواں آید ہمی
زیر پائے خلق سبزہ زار تو — پرنیاں بر پرنیاں آید ہمی
در بلندیہائے تو اے سر بلند — آسماں بر آسماں آید ہمی
ایکہ ظل عطف تو برما ہمہ — سائباں بر سائباں آید ہمی
شادباش وشادزی اے شادماں — اے دعا بر ہر زباں آید ہمی
باد اولادت مکرم در جہاں — چوں توئی ہر یک چناں آید ہمی
بر طریق رود کی نظم حبیب — نقش پائے رفتگان آید ہمی

(تاریخ جامعہ ص ۴۱۰)

رفیق محترم مفتی عبدالقیوم صاحب مدظلہ کے نام راقم کا ایک عریضہ

نوٹ:......''نقوش بزرگاں'' شائع ہوکر آئی تو اس کے مطالعہ کا موقع ملا، مطالعہ کے بعد مرتب کی خدمت میں ایک خط لکھا۔''حیات احمد'' کے آخر میں اس کو نقل کرنا امید ہے کہ انشاءاللہ نفع سے خالی نہیں ہوگا۔

از: مرغوب احمد لاجپوری

باسمہ تعالی

گرامی قدر رفیق محترم مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

خیریت طرفین مطلوب

انتظار شدید کے بعد''نقوش بزرگاں'' موصول ہوئی اور ایسے وقت ملی کہ میں گھر سے نماز عشاء کے لئے نکل رہا تھا، نماز سے فراغت پر گھر آکر کتاب اس نیت سے لی کہ پانچ، دس منٹ دیکھ کر رکھ دوں گا، پھر اطمینان سے مطالعہ کی سعادت حاصل کروں گا، مگر پتہ نہیں مرتب محترم نے کس اخلاص ومحبت سے ارسال کی کہ کتاب کھول کر دیکھنا شروع کیا تو دو گھنٹے بعد پتہ چلا کہ ڈیڑھ بج گیا ہے، اس لئے کہ برطانیہ میں موسم گرما میں نماز عشا تاخیر سے ہوتی ہے۔ کئی صفحات پہلی ہی مجلس میں نظر سے گذر گئے، پھر دوتین روز میں ضروری کاموں سے فراغت پر الحمدللہ مکمل ہی دیکھ لی۔

آنجناب نے جس محنت سے یہ کام انجام دیا، اس سے بہت ہی مسرت ہوئی، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو بارآور فرمائے، ان بزرگوں کے حالات پڑھ کر ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق مرحمت فرمائے، اور میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ناظرین کے

لئے یہ محنت انشاء اللہ مشعل راہ بنے گی۔ طباعت بھی ماشاء اللہ بہت معیاری ہے، مگر جلد سازنے کرشمہ دکھایا۔ میرے مقدر میں جو نسخہ آیا اس میں جلد مکمل الٹی ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے جو باتیں محسوس ہوئیں، بلا تکلف لکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ قلم میں اخلاص دے۔

(۱)......کتاب کے مطالعہ سے بعض جگہ ہنسی آتی رہی اور کئی جگہ بے اختیار آنکھیں آنسو بہاتی رہیں، اس سے آپ کے اخلاص کا پتہ چلتا ہے۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو کئی مثالیں پیش کرتا، تاہم ایک مثال پیش کرتا ہوں (جہاں ہنسی آئی اس کی مثال): ص ۱۳۶ ج ۱/ پر حاشیہ نمبر:۱/ ہے، جہاں آپ نے ''کادیان'' (قادیان) کی وجہ تسمیہ بتلاتے ہیں ہوئے عبارت ''اس بستی میں کیوڑا فروش لوگ رہتے تھے'' کے تحت لکھا اور خوب لکھا: ''اب وہاں ایمان فروش لوگ رہتے ہیں''۔

صفحۂ مذکورہ کا حاشیہ نمبر:۲/ بھی '' فاقض ما انت قاض '' ماشاء اللہ خوب سے خوب تر ہے۔

رونا بھی کئی جگہ آیا جیسا کہ مبشرات پڑھ کر، خصوصاً ص ۲۶۹ ج ۱/ پر ''مشکوۃ شریف'' پڑھنے والوں سے پوچھا کہ حضور ﷺ کی کبھی زیارت ہوئی یا نہیں؟ طلبہ کے جواب نفی پر فرمایا کیا خاک حدیث پڑھی ہے؟ اللہ اکبر کیسے لوگ تھے، ہم نے حدیث پڑھی، مگر..... جن مبارک ماحول میں ان کی تعلیم ہوئی وہ قابل رشک ہے۔

یاد پڑتا ہے کہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے حالات میں پڑھا تھا کہ ہماری جماعت دورۂ حدیث میں یا مشکوۃ میں آئی تو کئی طلبہ کو آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔

(۲)......سملک کی نقلی وجہ تسمیہ کے ساتھ آپ کی ذاتی واختراعی وجہ تسمیہ خوب لگی ''چکی کا

پاٹ‘‘تو آپ کو مستحضر ہوگا۔
(۳)......ص ۲۸۹/وص ۱۰۹ پر فارسی شعر کا ترجمہ بھی ہوتا تو بہتر ہوتا۔ امید کہ آئندہ طباعت میں تحریر فرمادیں گے۔
(۴)......ص ۴۷/ پر احاطۂ جامعہ میں آمد کے تحت آپ بیتی بھی آ گئی۔ساتھ ہی حاشیہ میں مولانا محمد ابراہیم صاحب وحافظ محمد اسحاق صاحب کے حالات سے دل پر اچھا اثر پڑا، رحمہما اللہ تعالی۔

مولوی عبدالرحمٰن جامنگری کی وفات کی اطلاع اسی حاشیہ سے ہوئی۔
(۵)......ماشاءاللہ پوری کتاب میں آپ نے محنت شاقہ سے معلومات سے بھرپور حواشی تحریر فرمائیں، ان سے کتاب کی افادیت میں چار چاند لگ گئے۔اللہ کرے ناظرین ان کو بغور پڑھیں۔
(۶)......ماشاءاللہ آپ کی محنت سے راقم کے جد بزرگوار کے معائنہ وخطوط جو میرے پاس نہیں تھے‘ موصول ہوگئے، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔آپ کے شکریہ کے ساتھ ’تذکرۃ المرغوب‘‘ کے ساتھ ملحق رسالہ ’’مکتوبات مرغوب‘‘ میں شائع کروں گا، انشاءاللہ۔
(۷)......ص ۸۵/ پر آپ تحریر فرماتے ہیں: ’’......بتلاتے ہیں کہ مشکوۃ ختم نہیں ہوگی‘‘۔ کیا غایت مغیہ میں داخل نہیں ہوتی؟ جبکہ ص ۶۳/ پر آپ نے حضرت مولانا احمد حسن صاحب کے حالات میں لاجپور میں مشکوۃ شریف کی تعلیم حاصل کرنا لکھا ہے۔ فلیتدبر۔ بلکہ ص ۸۳/ پر تو مولانا بزرگ کے بارے میں لاجپور میں حدیث شریف (اوراس سے مراد مشکوۃ کے علاوہ کیا ہوسکتا ہے) کی تعلیم حاصل کرنا لکھا ہے، مزید غور فرمالیں۔
(۸)......ایک وضاحت کے عنوان کے تحت ص ۸۳/ پر راقم کا تعاقب صحیح ہے، مگر سن کا

معمہ ابھی تک قابل حل ہی رہا۔ یہ ماننا پڑے گا کہ مولانا ۱۳۱۷ھ سے لاجپور چھوڑ چکے ہوں، مگر پھر ''مشکوۃ'' پڑھنا کہاں ہوا؟ بہرحال اس کی کوئی تصریح نہیں۔

(۹)......ص۸۴ر پر ہے: ''دہلی کے ایک سالہ قیام میں کیا پڑھا؟ سوانح نگار اور روئداد خاموش''۔ سوانح نگار سے کون مراد ہے؟ اگر راقم ہے تو یہ جملہ اس لئے صحیح نہیں کہ میں نے تو قیام دہلی ہی کی تردید کردی تھی، اس لئے ''سوانح نگار'' کا لفظ نہ ہونا چاہئے، اگر کوئی اور مراد ہو تو خیر، اور وہ کون؟

(۱۰)......ص ۱۷۶ ج ۲ ر ''اور چار بجے تک ایک تعزیتی اجلاس شروع ہوا''۔ یہ عبارت قابل اصلاح ہے، ممکن ہے کتابت کی غلطی ہو۔

(۱۱)......ص۱۷۸ ج ۲ ر پر ''موت العالم موت العالم'' کو حدیث فرمایا گیا ہے۔ کیا یہ حدیث ہے؟ تحقیق فرمالیں، مل جائے تو حوالہ سے مجھے بھی مطلع فرمائیں۔ (غالبا یہ حدیث نہیں)

(۱۲)......ص۱۷۹ ج ۲ ر پر ''الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب'' کو بھی حدیث بتلایا گیا ہے، اس کا بھی حوالہ مطلوب ہے۔ مجھے اپنے داد کی کتاب ''جمع الاربعین'' کی تخریج کے وقت باوجود تلاش کے اس کا حوالہ نہ ملا۔ ''فتاوی رحیمیہ'' میں بھی اس کا حدیث ہونا مرقوم ہے، مگر کوئی حوالہ نہیں۔ [1]

(۱۳)......ص۳۸۳ ج ۲ ر کے حاشیہ میں وفاق کی تجویز بہت ہی مناسب ہے، اللہ کرے یہ آواز ''نقارخانے میں طوطی کی صدا'' ثابت نہ ہو۔

تین احمد (مولانا بزرگ، مولانا بھام، مولانا درویش رحمہم اللہ) نے گجرات میں جو خدمات

[1]...... یہ بزرگوں کا مقولہ ہے۔ (تفسیر عزیزی ص ۵۷ ج ۴، سورۂ عبس)

انجام دیں، وہ نقوش کے مطالعہ سے ظاہر ہیں۔ آج بھی تین احمد (حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، مفتی احمد دیولوی صاحب، مولانا احمد بزرگ صاحب مدظلہم) مل جائیں اور وفاق پر غور فرمالیں تو کوئی بعید نہیں کہ یہ نظام گجرات کے لئے قابل فخر کارنامہ انجام پائے، اور جامعہ جمبوسر وڈابھیل اس کا مرکز بن سکتا ہے۔

(۱۴)......جلد ثانی میں مختلف حضرات کے مضامین میں مولانا ابوبکر غازیپوری صاحب مدظلہ کا مضمون بہت پسند آیا اور مکتوبات بھی، ہاں آپ کے حواشی ان کی جان ہیں، جزاک اللہ۔

(۱۵)......مفتی عبدالقدوس صاحب کا مضمون دل کو بالکل ہی نہ لگا، اچھا ہوا آپ نے حاشیہ پر ''یہ مولانا کا اپنا خیال ہے'' سے ان کے غلط نظریے کی تردید فرمادی۔ بہتر ہوتا کہ ان کا مضمون شائع ہی نہ کیا جاتا کہ کوئی خاص مواد تو نظر نہ آیا اور نہ ہے۔

(۱۶)......مفتی عباس صاحب مدظلہ کے تعزیتی بیان میں ص ۲۰۲ / پر مرحوم کی امانت داری کا حیرت انگیز واقعہ پڑھ کر دل نے بہت گہرا اثر لیا، اس زمانہ میں ارباب اہتمام ومتولیان مسجد تک اس واقعہ کو اللہ تعالی پہنچادے اور امت کو اس سے سبق لینے کی توفیق مرحمت فرماوے، آمین۔

(۱۷)......جلد دوم میں بہت ہی دلچسپ حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیوی رحمہ اللہ کا عجیب وغریب، علم ونکات سے معمور تعزیتی بیان پڑھا، جس کے مطالعہ کا اشتیاق تھا، الحمد للہ آپ کی مساعی سے وہ تمنا پوری ہوئی، جزاک اللہ۔

(۱۸)......ص ۴۷۸ / پر حاشیہ میں سالانہ جلسہ میں شریک ہونے والے اکابرین میں غالبا آپ نے حضرت مولانا اجمیری صاحب رحمہ اللہ کا نام نامی فراموش کردیا۔ مجھے یاد پڑتا

ہے کہ اس جلسہ میں حضرت نے بھی شرکت فرمائی تھی، واللہ اعلم۔ ممکن ہے کہ مجھے غلط فہمی سے ایسا یاد رہ گیا ہو، ہو سکے تو اس کی تحقیق فرمالیں۔

(۱۹)......آخر میں کچھ کتاب کی اغلاط کی بابت۔ ہاتھ سے کتابت میں غلطیاں کم ہوتی تھیں، کمپیوٹر نے حد ہی کردی۔ ہر تصنیف کا یہ مقدر بن چکا ہے کہ کیسی نظر کی جائے یا کرائی جائے، اغلاط رہ ہی جاتی ہیں۔

ص ۸۶ / پر ''فتاؤ'' میں ''ی'' دوسری سطر پر ہے۔ ص ۹۲ / پر ''دے'' ہے، ''دیئے'' ہونا چاہئے، بلکہ بہت سی جگہ پر ایسا ہی ہے۔ ص ۲۲۷ / پر ''زیدہ مجدہ'' زید مجدہ'' ہونا چاہئے۔ ص ۲۵۰ / پر ''مجھ جیسے نا کارہ باقی رہ گئے'' ہے، ''مجھ جیسا نا کارہ باقی رہ گیا'' یا ''ہم جیسے نا کارہ باقی رہ گئے'' ہونا چاہئے۔ ص ۳۸۱ پر ''مین'' ہے، ''ن'' کا نقطہ نہیں ہونا چاہئے۔ ۲۵۶ ج ۲ / پر ''الحمد للہ ثم الحمد للہ'' ہوگا۔ ص ۲۵۷ ج ۲ / حاشیہ ۷ / پر ص نمبر لکھنا رہ گیا ہے۔ ص ۳۸۶ ج ۲ / کے آخری سطر میں راقم کو بھی ''رح'' بنادیا، اچھا ہے کہ زندگی میں یہ دعا مل گئی۔

حضرت مفتی احمد صاحب مدظلہ و حضرت مفتی عباس صاحب مدظلہ کی خدمت میں تحفۂ سلام عرض ہے۔

آپ کی مرتب کردہ سوانح پڑھ کر اس درخواست کی ہمت ہوئی کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے حالات کی ترتیب بھی شروع فرمادیں۔ فقط والسلام

مرغوب احمد لاجپوری